

# زَرَكَاتُ تَحْقِيقِ مَطَالَعِ شَرَعِي نَقْطَةِ نَظَرٍ سَے

ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب



اِنَّا اِزَّةُ الْمَجَّارِفِ كَرَّ اِجِي

جملہ حقوق ملکیت بحق اِذَّازَةُ الْمَعْرِفِ كِرَاجِيَّ محفوظ ہیں

83775

باہتمام : مَجْمَعَةُ مَشْرِيقِ سِنِّيَّةِ  
طبع جدید : رمضان ۱۴۳۰ھ - ستمبر ۲۰۰۹ء  
مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی  
ناشر : اِذَّازَةُ الْمَعْرِفِ كِرَاجِيَّ

ملنے کے پتے:

اِذَّازَةُ الْمَعْرِفِ كِرَاجِيَّ

فون: 021-35049733, 021- 35032020

موبائل: 0300 - 2831960

✽ مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴ ✽ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی

✽ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور

## فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان
۱۹	تقریظ: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ...
۲۱	مقدمہ .....
۲۱	موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت .....
	باب اول
۲۳	زر - تعارف و حقیقت
۲۳	زر (Money) کی تعریف فقہائے کرام کے نزدیک .....
۲۳	پہلا نظریہ .....
۲۴	دوسرا نظریہ .....
۲۵	تیسرا نظریہ .....
۲۶	زر کی تعریف ماہرین اقتصاد کے نزدیک .....
۲۷	تعاریف زر کے اجزایا خصوصیات (Features) .....
۳۰	زر کی حقیقت (The Nature of Money) .....
۳۰	۱ شئی مصرفی (Consumption Goods) .....
۳۰	۲ شئی پیداوار (Production Goods) .....
۳۲	مذکورہ موقف اہل اقتصاد کی نظر میں .....
۳۴	مذکورہ موقف اہل اسلام کی نظر میں .....
۳۸	ایک اہم اشکال اور اس کا جواب .....

صفحہ نمبر	عنوان
۴۱	خلاصہ بحث
۴۲	ذَرِّكَ کی قسمیں
۴۲	۱ ثمنِ خلقی
۴۲	۲ ثمنِ عرفی یا اصطلاحی
۴۳	ایک اہم فائدہ
۴۴	ذَرِّكَ اور مال میں فرق
۴۵	ذَرِّكَ اور کرنسی میں فرق
۴۶	کرنسی کی دو قسمیں
۴۶	ذَرِّكَ کا ارتقاء (Evolution) اور مختلف نظامہائے ذَرِّكَ
۵۵	ارتقاء ذَرِّكَ کے تدریجی مراحل ایک نظر میں
۵۷	سکہ سازی کی تاریخ اور مختلف مراحل
۶۱	فلوس کی تاریخ
۶۲	سکہ بنانے کا حق کس کو حاصل ہے؟
۶۳	ذَرِّكَ اور اس کے شرعی و اقتصادی وظائف
۶۸	افراطِ ذَرِّكَ اور تفریطِ ذَرِّكَ (Inflation and Deflation)
باب دوم	
۷۰	ربا (سود)
۷۰	تعریفِ ربا
۷۳	”ربا النسبیہ“ کی تعریف پر مشتمل ایک مشہور حدیث کی تشریح و تحقیق
۷۷	ربا الفضل

صفحہ نمبر	عنوان
۷۸	حرمتِ ربا کے دلائل کا خلاصہ
۸۲	علت کے معنی اور علت و حکمت میں فرق
۸۶	زر میں علتِ ربا کی تحقیق
۹۱	ربا النسیئہ کی علت
۹۴	ثمنیت کسے کہتے ہیں؟

## باب سوم

## کرسی نوٹ اور فلوس (Pices)

۹۶	کرسی نوٹ اور فلوس (Pices)
۹۶	نوٹ کسے کہتے ہیں؟
۹۷	نوٹوں کی فقہی و شرعی حیثیت (ایک تفصیلی جائزہ)
۹۸	نوٹ کی فقہی حیثیت سے متعلق پہلا نظریہ
۹۸	دلائل
۹۹	تفریعات (یعنی اس قول پر جو فرعی اور فقہی مسائل مرتب ہوتے ہیں)۔۔۔
۱۰۰	مناقشہ
۱۰۳	نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق دوسرا نظریہ
۱۰۴	دلائل
۱۰۵	تفریعات
۱۰۷	مناقشہ
۱۰۸	نوٹوں کی شرعی حیثیت سے متعلق تیسرا نظریہ
۱۱۰	دلائل
۱۱۱	تفریعات

صفحہ نمبر	عنوان
۱۱۲	مناقشہ.....
۱۱۲	نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا نظریہ.....
۱۱۸	دلائل.....
۱۲۰	نوٹ کی فقہی حیثیت میں قولِ راجح.....
۱۲۱	وجوہ ترجیح.....
۱۲۲	تنبیہ.....
۱۲۳	فائدہ.....
۱۲۳	فلوس (Pices) کی حقیقت.....
۱۲۴	فلوس کے ارتقائی مراحل کا خلاصہ.....
۱۲۵	فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلافِ فقہاء.....
۱۳۱	ازالہ وہم.....
۱۳۲	خلاصہ.....
۱۳۳	محمد بن الفضل، شمس الائمہ سرحسی اور شمس الائمہ حلوانی کا موقف.....
۱۳۳	حضرات مالکیہ.....
۱۳۴	منشاء اول.....
۱۳۴	منشاء دوم.....
۱۳۷	علامہ ابن تیمیہ کا موقف.....
۱۳۷	علامہ ابن القیم.....
۱۳۹	امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا موقف.....
۱۳۹	امام شافعی کا موقف.....
۱۴۰	اہم تنبیہ.....

صفحہ نمبر	عنوان
۱۴۱	حنابلہ کا موقف.....
۱۴۲	اس بارے میں قولِ راجح.....
۱۴۲	وجہ ترجیح.....
باب چہارم	
بیع صرف	
۱۴۳	بیع صرف اور اس کی حقیقت.....
۱۴۳	بیع صرف لغت.....
۱۴۴	بیع صرف اصطلاحاً.....
۱۵۳	”بیع صرف“ اور اس کی شرطیں.....
۱۵۴	فائدہ.....
۱۵۵	تقابض (Possession).....
۱۵۸	مذکورہ شرط کی اہمیت.....
۱۵۹	شرطِ تقابض پر متفرع چند اہم مسائل.....
۱۵۹	ابراء، ہبہ اور صدقہ.....
۱۶۰	استبدال.....
۱۶۰	مقاصہ (Set off).....
۱۶۱	مقاصہ جبریہ (Compulsoy).....
۱۶۱	مقاصہ اختیاریہ (Optionaly).....
۱۶۳	تمائل / مماثلت (Similarity).....
۱۶۴	اس شرط پر متفرع چند اہم مسائل.....

صفحہ نمبر	عنوان
۱۶۵	..... (Optional Condition) اختیار شرط
۱۶۵	..... اختیار کی تعریف
۱۶۶	..... اختیار شرط
۱۶۷	..... اختیار رؤیت
۱۶۷	..... اختیار عیب
۱۶۹	..... (Deferred Payment) اجل
۱۷۰	..... چند اہم متفرق مسائل
۱۷۴	..... ضمیمہ (Appendix)
۱۷۴	..... سونے چاندی، اور زیورات کے چند اہم مسائل
۱۷۴	..... چند ضروری مقدمات
۱۷۴	..... مقدمہ ۱
۱۷۵	..... مقدمہ ۲
۱۷۶	..... مقدمہ ۳
۱۷۷	..... مقدمہ ۴
۱۷۹	..... خرید و فروخت سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض
۱۸۳	..... نتیجہ
۱۸۳	..... تفریعات
۱۸۶	..... مینا کاری والے زیورات کی سونے چاندی کے عوض خرید و فروخت
۱۸۶	..... چند مزید مسائل
۱۸۷	..... چند ناجائز صورتوں کی متبادل جائز صورتیں



صفحہ نمبر	عنوان
۱۸۸	نیارا (زرگروں کی مٹی) کی خرید و فروخت کا مسئلہ
۱۸۹	پرانے زیور سے نئے زیور کا تبادلہ
۱۹۰	پیشگی سودا لیکن لین دین بیک وقت
۱۹۲	مانگے کا مسئلہ
۱۹۳	چھجکت (Wastage)
۱۹۴	پہلی صورت
۱۹۵	دوسری صورت
۱۹۵	تیسری صورت
۱۹۶	سونے چاندی کے کاروبار میں بعض مروج جدید طریقے
۱۹۶	پہلا طریقہ
۱۹۶	کاروبار کا طریقہ کار
۱۹۷	اس کاروبار میں کمپنی کا کردار
۱۹۸	کاروبار کی اقسام
۱۹۸	قسم اول Spot/Cash Trading
۱۹۹	قسم ثانی Future Trading
۲۰۱	دوسرا طریقہ: ایک اور مروجہ صورت

## باب پنجم

## کرنسی اور فلوس کا تبادلہ

۲۰۲

۲۰۲

۲۱۴

بیع صرف اور فلوس  
 فلوس کی بیع کے صرف ہونے یا نہ ہونے سے متعلق مالکیہ کا نقطہ نظر

صفحہ نمبر	عنوان
۲۱۶	کیا کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیعِ صرف میں داخل ہے؟
۲۲۵	ترجیح
۲۲۵	فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ
۲۲۵	ایک ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ بیع
۲۲۶	کرنسی نوٹ کے بارے میں ایک قول جدید
۲۲۸	مناقشہ
۲۲۹	ملکی کرنسی کے بطور بیع تبادلے میں ”تقابض“ کا مسئلہ
۲۳۲	ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ قرض
۲۳۳	ایک ملک کی کرنسی میں ہنڈی کا حکم
۲۳۳	منی آرڈر کا حکم
۲۳۸	سُفْتَجَہ کی حقیقت
۲۳۸	سفتجہ کے لغوی معنی
۲۳۹	سفتجہ کے اصطلاحی معنی
۲۳۹	سفتجہ کی شرعی حیثیت اور فقہی تکلیف
۲۴۰	سفتجہ کا شرعی حکم
۲۴۰	فریقِ اول کے دلائل کا خلاصہ
۲۴۱	سفتجہ کی ممانعت کی علت
۲۴۲	استثناءات (Exceptions)
۲۴۳	فریقِ دوم کے دلائل
۲۴۵	مناقشہ
۲۴۶	مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ بیع

صفحہ نمبر	عنوان
۲۴۷	حضرات حنفیہ
۲۴۸	حضرات مالکیہ
۲۴۸	حضرات شافعیہ اور حنابلہ
۲۴۸	مختلف ممالک کی کرنسیوں میں ہنڈی کا حکم
۲۴۹	چند شبہات اور ان کا ازالہ
۲۵۳	کرنسی کو سرکاری ریٹ سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا
۲۵۴	مختلف ممالک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت قرض
۲۵۶	کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت معاہدہ / معاہدہ
۲۵۷	فارورڈ کور کنٹریکٹ
۲۶۳	مذکورہ عبارات خلاصہ
۲۶۳	دوسرا قول
۲۶۵	مذکورہ عبارات کا خلاصہ
۲۶۶	مناقشہ اور ترجیح
۲۶۷	دو طرفہ وعدے کے قضاء لزوم پر کیا اثر مرتب ہوگا؟
۲۶۸	کرنسی کے کاروبار کی ایک نئی اور عالمگیر شکل

### باب ششم

#### قدر زر (Value)

۲۷۲	قدر زر
۲۷۲	قدر زر کے تغیرات
۲۷۳	انقطاع (Forfeiture)

صفحہ نمبر	عنوان
۲۷۶	مذہب فقہاء.....
۲۷۹	امام صاحب کے قول کی وجہ.....
۲۷۹	صاحبین کے قول کی وجہ.....
۲۸۰	مذہب مالکیہ.....
۲۸۱	شافعیہ.....
۲۸۲	حنابلہ.....
۲۸۳	کساد (Depression).....
۲۸۹	مالکیہ و شافعیہ.....
۲۹۲	حنابلہ.....
۲۹۳	خلاصہ بحث.....
۲۹۵	نقشہ مذاہب.....
۲۹۶	افراط زر (Inflation).....
۲۹۶	افراط زر کے معنی.....
۲۹۷	افراط زر کی خصوصیات (Characteristics).....
۲۹۷	افراط زر کی چند مشہور قسمیں.....
۲۹۸	قدر زر میں تغیرات پیدا کرنے والے عوامل.....
۲۹۹	تفریط زر (Deflation).....
۳۰۰	قدر زر کے تغیرات کے اثرات اور نتائج.....
۳۰۱	افراط اور تفریط زر سے متعلق شرعی نقطہ نظر.....
۳۰۲	قول جمہور.....
۳۰۶	امام ابو یوسف کا مذہب.....

صفحہ نمبر	عنوان
۳۱۰	فائدہ
۳۱۰	حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کا صحیح محمل
۳۱۲	قیمتوں کا اشاریہ (Price Index)
۳۱۳	”اشاریہ“ کا طریقہ اور اس کے مختلف مراحل
۳۱۶	وضاحت
۳۱۷	کیا قرض اور اجرت کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے؟
۳۱۷	(Indexation System)
۳۱۸	قرضوں کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا شرعاً کیسا ہے؟
۳۲۵	۱- اشاریے میں درج شدہ اشیاء کی تعیین
۳۲۶	۲- اشیاء کے وزن (اہمیت) کی تعیین
۳۲۶	۳- اشیاء کی قیمت کا تعیین
۳۲۷	مزدوروں کی اجرتوں کو اشاریے کے ساتھ وابستہ کرنا
۳۲۸	پہلی صورت
۳۲۹	دوسری صورت
۳۳۰	تیسری صورت
۳۳۱	تیسری اور دوسری صورت میں فرق
۳۳۱	فلوس کی قیمت میں تبدیلی اور اقوال فقہاء

### باب ہفتم

۳۳۲	زر اعتباری یا زر تجارت (Credit Money)
۳۳۲	اعتبار (Credit) کی حقیقت

صفحہ نمبر	عنوان
۳۳۴	زَرِ اِعتباری یا زَرِ تجارت کی حقیقت
۳۳۵	زَرِ اِعتباری کی چاری خصوصیات
۳۳۵	زَرِ اِعتباری کی مشہور قسمیں
۳۳۶	نوٹ
۳۳۸	زَرِ اِعتباری کا ارتقاء
۳۴۰	زَرِ اِعتباری اور اس کے وظائف
۳۴۱	چیکوں کے نظام کے فوائد
۳۴۲	مبادلاتی بلوں (Bill of Exchange) کے فوائد
۳۴۳	زَرِ اِعتباری کے معتبر ہونے کی شرطیں
۳۴۵	زَرِ اِعتباری میں لین دین کے طریقے
۳۴۵	تظہیر (Endorsement) کے قانونی تقاضے
۳۴۶	تظہیر (Endorsement) کی اقسام

## باب ہشتم

## مالیاتی دستاویزات

۳۴۹	۱- بیع الدین بالدین
۳۵۰	۲- بیع الدین ممن علیہ الدین
۳۵۱	۳- بیع الدین من غیر من علیہ الدین
۳۵۲	اہم نوٹ
۳۵۵	مذہب مالکی
۳۵۵	مذہب شافعی

صفحہ نمبر	عنوان
۳۵۸	خلاصہ
۳۵۸	حوالہ
۳۵۸	حوالہ کی تعریف
۳۵۹	اصطلاحات
۳۵۹	رکن حوالہ
۳۶۰	شرائط حوالہ
۳۶۰	اقسام حوالہ
۳۶۱	احکام حوالہ
۳۶۱	مجال علیہ حوالہ سے کس طرح خارج ہوگا؟ اس کی صورتیں
۳۶۲	چیک (Bank Cheque)
۳۶۲	چیک کی تعریف
۳۶۳	چیک کے اطراف
۳۶۴	چیک اور مبادلہ بل (Bill of Exchange) میں چند نمایاں فروق
۳۶۴	چیک کی چند مشہور اقسام
۳۶۵	چیک کو مسترد (Dishonour) کرنے کی وجوہات
۳۶۶	چیک کی شرعی تکلیف
۳۷۱	ہنڈی (Bill of Exchange)
۳۷۱	"Bill of Exchange" کی حقیقت اور تعریف
۳۷۲	ہنڈی کی شرائط
۳۷۵	بل آف ایکسچینج کی چند مشہور قسمیں
۳۷۵	بلحاظ مقام

صفحہ نمبر	عنوان
۳۷۶	بلحاظ مقاصد.....
۳۷۶	بلحاظ ادائیگی وقت.....
۳۷۷	بل کی تیاری کا طریقہ کار.....
۳۷۸	بل کی کٹوتی (Discounting of Bill of Exchange).....
۳۷۸	ہنڈی (Bill of Exchange) کی شرعی تکلیف.....
۳۸۰	کٹوتی (Discounting) کا حکم.....
۳۸۳	Bill of Exchange کی کٹوتی کا شرعی متبادل (Alternative).....
۳۸۶	مالیاتی دستاویزات کی تظہیر (Endorsement) کی فقہی تکلیف.....
	بنکی تحویلات (Remittances / Transfer of Money) کی شرعی
۳۸۷	تکلیف.....
۳۸۷	پرومیسری نوٹ / اقرار نامہ (Promissory Note).....
۳۸۸	حکم شرعی.....
	بل آف ایکسچینج، چیک اور پرامیسری نوٹ کے آپس میں ایک دوسرے
۳۸۸	کے ساتھ کچھ اہم فروق.....
۳۸۸	چیک اور بل (Bill of Exchange) میں فرق.....
۳۸۹	بل اور پرامیسری نوٹ میں فرق.....
۳۹۰	پرامیسری نوٹ اور چیک میں فرق.....
۳۹۰	کریڈٹ کارڈ (Credit Card).....
۳۹۱	۱ کریڈٹ کارڈ (Credit Card).....
۳۹۱	۲ ڈیبٹ کارڈ (Debit Card).....
۳۹۱	۳ چارج کارڈ (Charge Card).....



صفحہ نمبر	عنوان
۳۹۲	شرعی احکام
۳۹۲	ڈیبٹ کارڈ کا شرعی حکم
۳۹۲	چارج کارڈ کا شرعی حکم
۳۹۲	کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم
۳۹۳	Automated Transfer Machine (ATM) کارڈ
۳۹۶	بنک ڈرافٹ (Bank Draft)
۳۹۷	پے آرڈر (Pay Order)
۳۹۷	بانڈ (Bond)
۴۰۱	کمپنیوں کے بانڈز
۴۰۲	قابل تحویل بانڈز (Bonds Convertible into Shares)
۴۰۲	سہ کاری بانڈز
۴۰۲	سہ کاری بانڈز کی نمایاں قسمیں
۴۰۵	بانڈز کا حکم شرعی
۴۰۵	مجمع الفقہ الاسلامی جده کی قرارداد
۴۰۸	سہ ریفلیٹس
۴۱۰	گورنمنٹ سیکوریٹی سہ ریفلیٹس
۴۱۳	شیئرز سہ ریفلیٹ
۴۱۴	بونس شیئرز
۴۱۵	تعبہات (Warrants)
۴۱۷	خيارات (Options)
۴۱۹	آپشن کی چند مشہور اقسام

صفحہ نمبر	عنوان
۴۲۰	۱- خیار الطلب (Call Option) .....
۴۲۰	۲- خیار الدفع (Put Option) .....
۴۲۰	۳- خیار المرکب (Stradle Option) .....
۴۲۱	حکم شرعی .....

### ۴۲۲ Bai-al-Dain : ضمیمہ ۱

ضمیمہ ۲: شیئرز اور اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار سے متعلق  
اہم تحقیق

۴۲۴

۴۲۵

۴۲۵

۴۳۴

۴۳۷

.....	ڈے ٹریڈنگ
.....	فوری سودے (Spot Trading)
.....	مستقبل کے سودے (Futures)
.....	بدلہ کے معاملات

۴۳۹

### اختتامیہ

### مراجع و مصادر

۴۴۳

(Bibliography)

۴۵۵

English Books



## تقریظ

شیخ الاسلام

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

دامت برکاتہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ  
 الْكَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ  
 بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

عزیز گرامی مولانا عصمت اللہ صاحب کی کتاب ”زرکا تحقیقی مطالعہ“ دراصل  
 ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، اور میری نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ مولانا اس کی تالیف کے  
 دوران مجھ سے مشورے بھی کرتے رہے ہیں، اور میں نے اسے تقریباً باستیعاب دیکھا  
 ہے۔ ماشاء اللہ انہوں نے ”زر“ سے متعلق فقہی مسائل و مباحث کو بہت خوبی سے اس  
 کتاب میں جمع فرمایا ہے، اور پیچیدہ مسائل پر فاضلانہ بحثیں کی ہیں۔ اس موضوع پر کام  
 کرنے کے لئے زر سے متعلق عملی صورت حال کو بھی مد نظر رکھنا تھا، اور اس سے پیدا ہونے  
 والے مسائل کا خالص فقہی بنیادوں پر جائزہ بھی لینا تھا، ماشاء اللہ فاضل مؤلف نے  
 دونوں پہلوؤں سے پوری احتیاط اور بالغ نظری کے ساتھ تحقیقی کام کیا ہے، اور امید ہے  
 کہ ان شاء اللہ ان کی یہ تالیف اہل علم کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی اور تحقیق و نظر کے

دروازے کھولے گی۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اسے نافع بنائیں، اور یہ ان کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہو، آمین، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ۔

بندہ  
محمد تقی عثمانی عفی عنہ  
۷ رجب ۱۴۳۰ھ

دارالعلوم کراچی ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

## مقدمہ

### موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت

اس میں شک نہیں کہ اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر دستور حیات ہے، یہ وہ دین ہے جو ہر زمانے کے حالات اور تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہے، اور جملہ شعبہ ہائے زندگی کے احکام کو جامع ہے، اور ہر شعبہ زندگی سے متعلق اسلام میں ہدایات موجود ہیں۔

انسانی معاشرے میں باہمی لین دین (Dealing) کے لئے ”زر“ (Money) کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے، بلکہ باہمی معاملات کا مدار اصلی زر ہی ہے۔ ”زر“ کے استعمال کا سلسلہ مختلف شکلوں میں زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے، اسلام سے قبل بھی، اور اسلام کے بعد بھی، مختلف ادوار میں زر کی شکلیں بدلتی رہیں، اور اس کی قدر و قیمت (Value) میں تغیرات اور اتار چڑھاؤ ہوتا رہا، جس کی وجہ سے زر کی بہت ساری صورتیں اور قسمیں وجود پذیر ہوئیں، جس کے نتیجے میں بہت سے نئے مسائل نے جنم لیا، اور جنم لے رہے ہیں۔

پچھو عرصے سے پورے عالم اور خاص طور پر پاکستان میں ”اقتصاد“ کو اسلامی سانچے میں، اور اس کو سو دجیسٹر لعنت سے پاک کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اور اس سلسلے میں پاکستان کی عدالت عالیہ فیصلہ بھی دے چکی ہے۔ جس پر غمخیزانہ عمل درآمد متوقع ہے،

اس سے اس موضوع کی اہمیت و نزاکت اور بڑھ گئی ہے۔

اس موضوع پر اُردو یا انگریزی زبان میں جو کام ہوا ہے، وہ مختصر اور عدم جامعیت کی بناء پر نہ ہونے کے برابر ہے، علمائے عرب نے زر پر اگرچہ خاصا تحقیقی کام کیا ہے، اور اس کے مختلف احکام اور اقسام کو ذکر کیا ہے، لیکن بہت سارے احکام میں ان کی آراء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے حتمی نتائج تک پہنچنا بسا اوقات دشوار ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ زر کی مختلف صورتوں کے احکام منتشر طریقے سے کتابوں میں مذکور ہیں، اور بعض صورتیں ایسی ہیں جو ہنوز تحقیق طلب ہیں، مثلاً: زر کی حقیقت (Nature)، بونڈز کی مختلف اقسام کے شرعی احکام، مختلف تمسکات کا شرعی جائزہ، بنک چیک کی شرعی حیثیت، اور اس پر قبضے کی شرعی حیثیت، اس زمانے میں افراط زر سے پیدا شدہ مسائل کے بارے میں غور اور ان کا شرعی حل، خاص طور جہاں افراط زر تقریباً کساد کی حد تک پہنچا ہو، جیسا کہ افغانستان وغیرہ میں یہ مسئلہ درپیش ہے، اور ان جیسے متعدد مسائل، جیسا کہ آگے تفصیل سے ان شاء اللہ تعالیٰ اندازہ ہو جائے گا، اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع پر ایک ایسا تحقیقی مقالہ لکھا جائے جو قومی زبان میں ہو، اور عام فہم و جامع ہو نیز جن مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، قرآن و سنت اور اس سے استفاد اصول کی روشنی میں ان کی ترجیح تلاش کی جائے۔

اس اہمیت کے پیش نظر اس موضوع کو ایم فل۔ پی ایچ ڈی کے لئے منتخب کیا گیا ہے، تاکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس موضوع کا تفصیلی تجزیاتی تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور متعلقہ مسائل کو ایسے انداز میں مرتب کیا جائے کہ مزید تحقیق کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

یہ مقالہ مقدمہ، آٹھ ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے۔

## باب اول

## زر - تعارف و حقیقت

زر (Money) کی تعریف فقہائے کرام کے نزدیک

عربی زبان میں ”زر“ کو ”نقد“ کہتے ہیں، جس کی جمع ”نقود“ ہے۔

قدیم فقہی عبارات اور نصوص پر غور کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے

کہ ان کی زر سے زر (نقد) کا اطلاق اس درجہ عموم کے ساتھ نہیں ہے، جس درجہ عموم کے

ساتھ ماہرین اقتصاد (Economists) کے ہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ فقہائے

کرام کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ”زر“ کے اطلاق میں تین

نظریات ہیں:

پہلا نظریہ

زر سے مراد مطلقاً سونا چاندی ہے، یعنی خواہ ڈھلے ہوئے سکے کی شکل میں ہو،

جیسا کہ درجہ و دریاؤں وغیرہ کی شکل میں ہو۔<sup>(۱)</sup>

(۱) تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق الزینعی (الامام فخر الدین عثمان بن علی الزینعی

الحنفی)، بیروت دارالکتب العلمیة، طبع اول ۱۳۰۲ھ، یعنی اذا وجد معدن ذهب او

فضة وهو المراد بالنقد او حديد الخ (۲-۹۳)۔

\_\_\_\_\_ فتح القدير شرح الھدایة، ابن الھمام، الامام محمد بن عبد الواحد بن

الھمام، كونه مكتبة رشیدیة، فی باب الربا "كما فی اناءین من جنس واحد حديد او

ذهب او فضة احدهما اكثر وزنا من الآخر، (باقی صفحہ پر)

## دوسرا نظریہ

زر سے مراد صرف ڈھلا ہوا سکہ مراد ہے، یعنی درہم و دینار، لہذا سونے یا چاندی کے برتن یا ڈلی یا کسی اور شئی کو جو سونے یا چاندی سے بنی ہوئی ہو، اس کو زر نہیں کہا جائے گا۔<sup>(۲)</sup>

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ففی الاناءین من غیر النقْدین یجوز بیع احدہما بالآخر الخ (۱۵۸/۲)۔  
تحفة المحتاج الھیتمی، (العلامة ابن الحجر الھیتمی الشافعی): والنقد ای الذهب والفضة ولو غیر مضروبین، وتخصیصہ بالمضروب مہجور فی عرف الفقہاء الخ (۲۷۹/۴)

(۲) تحریر الفاظ التنبیہ النووی، (محمی الدین یحییٰ بن شرف النووی) دمشق، دار القلم، طبع اول ۱۴۰۸ھ،  
"النقد" الدراہم والدنانیر" (ص ۱۱۴)

القاموس الفقہی لغة واصطلاحاً، سعدی ابو حبیب، "العملة من الذهب والفضة ویقال لهما النقدان (ج) نقود"

فتح القدير، ابن الھمام، فی باب الصرف: "وانما قال: من جنس الاثمان ولم یقتصر علی قوله: "بیع ثمن بثمان" لیدخل بیع المصوغ بالمصوغ او النقد الخ" (۲۵۹/۲)۔  
اس عبارت میں "مصوغ" کو "نقد" سے الگ کر دیا ہے، جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ نقد کا اطلاق صرف درہم و دینار پر ہوتا ہے۔

حاشیة الدسوقی علی الشرح الكبير، الدسوقی، (محمد عرفہ الدسوقی)، بیروت دار الفکر: "وحریم — ای الربا — فی نقد ذهب وفضة ولو قال: "فی عین" کان اولی لان النقد خاص بالمسکوک الخ" (۲۸/۳)

احکام الاوراق النقدية الجعید، (ستر بن ثواب الجعید)، الطائف، مكتبة الصديق، طبع اول، ۱۴۱۳ھ: "وقد اعترض الاسنوی علی احد تراجم المنہاج — باب زکوة النقد — بما يفہم منه موافقته لهذا الفريق اذ یقول: اعلم ان النقد هو المضروب من الذهب والفضة خاصة فلو عبر المصنف بهما کم عبر الخ" (ص ۳۲)  
اس مسئلہ میں سونے یا چاندی کے برتن پر بھی "نقد" کا اطلاق کیا گیا، اور اس جگہ یہی ثابت کرنا مقصود ہے۔



ان دو نظریوں کی رُو سے زر کا اطلاق فلوس (Pices) یا دوسری اشیا، پر نہیں ہوگا۔

### تیسرا نظریہ

اصل زر اُچھ سونا، چاندی ہے، لیکن اس کا اطلاق سونے چاندی کے علاوہ دیگر اشیا، پر بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ اس نظریے کے مطابق ”زر“ کا اطلاق ”فلوس“ (Pices) پر بھی ہو سکتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

اور جب فلوس پر اس کا اطلاق درست ہے، تو دوسری اشیا، پر پر بھی اس کا اطلاق ممنوع نہیں ہوگا، بشرطیکہ ان میں وہ شرائط پائی جائیں، جو ”زر“ کے اطلاق کے لئے ضروری ہے۔

غرضیکہ فقہائے کرام کے نزدیک زر کا اطلاق تین طریقوں سے ہوتا ہے، صرف درہم و دینار پر اس کا اطلاق، زر کا یہ اطلاق بہت ہی محدود اور سب سے انحصار ہے، سونے

(۱) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع الکسانی (العلامة علاء الدین ابوبکر الکسانی)، کراچی، ایچ ایم سعید، طبع اول ۱۳۲۸ھ ”وجہ قولہ“ (ای الامام محمد بعدم جواز بیع الفلوس بجنسها متفاضلا۔۔۔ عصمت) ان الفلوس اثمان، فلا يجوز بیعها بجنسها متفاضلا کالدراهم والدنانیر۔ (۱۸۵-۵)

\_\_\_\_\_ المغنی والشرح الکبیر، ابن القدامة، (عبد اللہ بن قدامة) السعودیة، مکتبۃ الریاض، ۲۰۰۳ھ ”فان احمد قال لا اری السلم فی الفلوس لانه یشبه الصرف وهذا قول محمد بن الحسن وابی ثور، لانها ثمن فجازت الشركة بها کالدراهم والدنانیر۔“ (۱۲۵-۵)

\_\_\_\_\_ احکام الاوراق النقدیة الجعید، (ستر بن ثواب الجعید) ابن وهب عن النبیث بن سعد عن یحیی بن سعید وریبعہ انهما کرها الفلوس بالفلوس بینهما فضل او نظرة، وقال انها صارت سكة مثل سكة الدنانیر والدراهم۔ (ص ۴۳)

\_\_\_\_\_ مجموع الفتاوی ابن تیمیہ، (شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ)، السعودیہ، مطابع الریاض، طبع اول، ۱۳۸۳ھ ”والاظهر المنع من ذلك فان الفلوس النافقة یغلب علیها وتجعل معیار الاموال الناس۔“ (۲۶۸-۲۶۹)

چاندی پر اس کا اطلاق، خواہ سونا یا چاندی کسی بھی شکل (Shape) میں ہو، اس میں پہلے کی نسبت عموم پایا جاتا ہے، اور تیسرا اطلاق سب سے عام ہے، کیونکہ اس کی رو سے زر کا اطلاق فلوس پر بھی ہو سکتا ہے۔

یاد رہے کہ فلوس سونے یا چاندی کے نہیں ہوتے، بلکہ تانبے وغیرہ کے ہوتے ہیں، تفصیل باب دوم میں ملاحظہ فرمائیں!

زر کا تیسرا اطلاق ماہرین اقتصاد (Economists) کے موقف کے زیادہ قریب ہے، ذیل میں تفصیل دی گئی ہے۔

### زر کی تعریف ماہرین اقتصاد کے نزدیک

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ”زر“ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جو چیز عرفاً آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہو، اور وہ قدر زر کا پیمانہ ہو، اور

اس کے ذریعے مالیت کو محفوظ کیا جاتا ہو، اسے ”زر“ کہتے ہیں۔“<sup>(۱)</sup>

پروفیسر کراؤتھر (Prof. Crowther) زر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

”زر سے مراد وہ شے ہے، جو آلہ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو، اور جو ساتھ

ہی ساتھ معیار قدر اور ذخیرہ قدر کا فرض بھی سرانجام دے۔“<sup>(۲)</sup>

ڈاکٹر عدنان خالد ترکمانی اپنی کتاب میں زر کی تعریف ان الفاظ کے سانحہ

کرتے ہیں:

”النقد عبارة عن كل شيء يلقى قبولا عاما كوسيط للتبادل

ومقياس للقيمة مهما كان ذلك الشيء وعلى اي حال

يكون“

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴- طبع اول ۱۹۱۹ھ۔

(۲) تعارف زر و بنکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سکالر اوسلو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع

اول ۱۹۹۱ء۔

”زر“ ہر اس شے کو کہتے ہیں، جو آلہ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو، اور معیار قیمت ہو، وہ شے کچھ بھی ہو، اور کسی بھی حالت میں ہو۔“ (۱)

کیوں کرشن اپنی کتاب میں زر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"Money may be defined as the means of valuation and of payments : as both the unit of account and the generally accepted medium of exchange" (2)

اس تعریف کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے، جو مذکورہ بالا تعریفات میں ذکر ہوا۔

### تعریف زر کے اجزایا خصوصیات (Features)

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ زر کے چار اہم اجزایا خصوصیات ہیں:

۱- زر کا آلہ مبادلہ ہونا۔

۲- مقبول عام ہونا۔

۳- پیمانہ قدر ہونا۔

۴- مالیت محفوظ کرنے کا ذریعہ ہونا۔

ہر جزاء کی مختصر تشریح ذیل میں ملاحظہ ہو:

۱- زر آلہ مبادلہ ہے:- ہر انسان کو زندگی میں مختلف اشیاء کی ضرورت پڑتی

ہے، لیکن ہر چیز ہر ایک کے پاس ہونا ضروری نہیں، ایک چیز ایک شخص کے پاس ہے، تو

دوسرے کے پاس نہیں، اور دوسرے کے جو چیز ہے، وہ اس کے پاس نہیں، اس وقت ایک

دوسرے سے تبادلے کی کیا صورت ہوگی؟ سامان کو ذریعہ مبادلہ بنانا مشکل ہے، کیونکہ ہر

(۱) السیاسیة النقديّة والمصرفیة فی الاسلام الترمکمانی (الدکتور عدنان خالد الترمکمانی)

بیروت، مؤسسة الرسالة، طبع اول ۱۴۰۹ھ

(2) Modern Economic Theory Dewett. Kewal Krishan India Delhi, Eighteen revised edition, 1983. P:409

آدمی کو ہر سامان کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی، اور نہ ہر ایک کا ہر سامان پر راضی ہونا ضروری ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کو ذریعہ تبادلہ (Medium of Exchange) کے طور پر پیدا فرمایا، اور ہر انسان کے دل میں ان دونوں کی محبت و عظمت اس طرح ڈالی کہ ہر آدمی اس کو قبول کرنے پر طبعی طور پر بھی مجبور ہے، چنانچہ شروع سے لے کر آج تک یہ قابل قدر ہے، اور معنوی حیثیت سے اب تک یہی ذریعہ تبادلہ ہے، گویا اس میں تعمیر کی گئی، اور زر کا مفہوم وسیع تر ہوتا گیا۔

۲- زر مقبول عام ہو: - زر بننے والی شے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں قبولیت عامہ کا وصف موجود ہو، یعنی ہر شخص اسے کسی حیل و حجت کے بغیر قبول کر کے اس کے عوض مطلوبہ شے دینے کے لئے تیار ہو۔

۳- زر پیمانہ قدر ہو: - سامان کی قیمتوں کا معیار کیا ہو؟ اگر اس کے لئے کوئی معیار اور پیمانہ مقرر نہ ہو، تو ہر آدمی اپنے اندازے اور مفاد کے مطابق قیمتوں کا تقرر کرے گا، جس سے نزاع کی صورت پیدا ہوگی، مثلاً اگر زر نہ ہوتا، تو ایک اُونٹ کی قیمت سامان اور دیگر اشیاء سے کیا ہو؟ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہوتا، زر نے اس مشکل کو نہایت آسان کر دیا، اب زر پیمانہ اور معیار (Measure of value) قرار دیا گیا، اُونٹ کی قیمت اب زر سے لگنی چاہئے، نہ کہ سامان سے، اور اس میں اب کوئی نزاع یا مشکل درپیش نہیں ہوگی۔

۴- مالیت محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہو: - اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی جنس رکھی ہوئی ہو، تو اس کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے، نیز ضروری نہیں کہ ہر وقت اس کا کوئی خریدار مل جائے، اس لئے اس کی مالیت مکمل طور پر محفوظ نہیں، اس کے بجائے اگر زر رکھ لیا جائے، تو عام حالات میں اس سے مالیت محفوظ رہتی ہے یعنی غیر معمولی حالات سے قطع نظر، اس کی ذاتی قیمت یکساں رہتی ہے، نیز اس سے کوئی بھی چیز جب چاہیں خرید

جاسکتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

خلاصہ بحث یہ کہ:-

- ۱- ”زر“ کا اطلاق سونے اور چاندی پر متفق علیہ ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، نہ فقہائے کرام کا اور اقتصادیین کا۔
- ۲- ایک موقف یہ ہے کہ سونے یا چاندی جب درہم یا دینار کی شکل میں ہو، تو زر ہے، ورنہ نہیں۔
- ۳- ایک موقف یہ ہے کہ اس سلسلے میں عموم پایا جاتا ہے کہ سونا چاندی کسی بھی شکل میں ہوں، وہ زر کے حکم میں داخل ہیں۔
- ۴- ایک موقف کے مطابق اس میں کچھ زیادہ عموم اور توسع پایا جاتا ہے، جن میں زر کا اطلاق فلوس پر بھی کیا گیا ہے۔
- ۵- اقتصادیین (Economists) کے ہاں ”زر“ کا مفہوم اور بھی وسیع ہو گیا، اور ان کے ہاں زر ہر اس شے سے عبارت ہے، جس میں مذکورہ خصوصیات پائی جائیں۔

۱- احکام الاوراق النقدية والتجارية في الفقه الاسلامي

تعارف زرو بنگاری

— اسلام اور جدید معیشت و تجارت۔

— مقدمة في النقود والبنوك، الدكتور محمد زكي شافعي، بيروت، دار النهضة العربية، طبع ہفتم۔

جدید فقہی مباحث، قاضی (مولانا مجاہد الاسلام قاضی)، کراچی ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، جلد دوم۔

The Theory of Money and Credit. Mises, Ludwig Von Mises

— السياسية النقدية والمصرفية في الاسلام، التركمانی، الدكتور عدنان خالد التركمانی، بيروت مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۹ھ۔

— تطور النقود في ضوء الشريعة الاسلامية، الحسنی، الدكتور احمد حسن احمد الحسنی، جده، دار المدنی، طبع اول، ۱۴۱۰ھ۔

۶۔ بعد کے بیشتر علمائے اسلام بھی زَر کے مذکورہ مفہومِ عام پر متفق ہو گئے، اور احکامِ شرعیہ میں اس عموم کا اعتبار کیا، جیسا کہ آگے تفصیلات سے ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔

### زَر کی حقیقت (The Nature of Money)

زَر کی حقیقت سے مراد اس کی ”طبیعت“ (Nature) ہے، یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے، کیونکہ سود کو جائز قرار دینے کے لئے جو حیلے بہانے تراشے جاتے ہیں، ان میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ ”زَر“ کے ساتھ ”شی“ (Commodity) جیسا معاملہ کیا جائے، لہذا جس طرح کسی شیء مثلاً کتاب یا دکان یا مکان کو بیچا جاتا ہے، اور اس کی قیمت باہمی رضامندی سے کچھ بھی مقرر کی جاسکتی ہے، اسی طرح زَر کا معاملہ بھی ہے، کہ اس کی قیمت خواہ کچھ بھی لگائی جائے، خواہ قیمتِ اسمیہ (Face Value) سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، جائز ہے، اور یہ کوئی سود نہیں ہے، اسی طرح جب ایک مکان یا دکان کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، اور اس پر کرایہ وصول کیا جاسکتا ہے، یہی حال زَر کا بھی ہونا چاہئے کیونکہ زَر بھی تو ایک شیء ہے۔

خلاصہ یہ کہ زَر ان حضرات کے نزدیک من جملہ اشیاء (Commodities) میں سے ہے، جو حکم معاملات (Transactions) میں دیگر اشیاء کا ہے، وہی حکم زَر کا بھی ہوگا، اور جو سلوک دیگر اشیاء کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہی سلوک زَر کے ساتھ بھی ہوگا۔

یہ حضرات اشیاء کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

#### ۱۔ شئیِ صَرَفِی (Consumption Goods)

#### ۲۔ شئیِ پید اوار (Production Goods)

شئیِ صَرَفِی کا مطلب یہ ہے کہ اس کو صرف کر کے اس سے براہِ راست انسانی حاجت پوری ہو، مثلاً اس کو کھایا جائے، یا پیاجائے، یا اس کو پہنا جائے، وغیرہ۔

شئیِ پید اوار کا مطلب یہ ہے کہ وہ محلِ تجارت (Tradable) ہو، اس کی خرید

وفروخت ہو، اس کو اجارہ (Leasing) اور کرایہ پر دیا جائے، اور اس سے منافع (Profit) حاصل ہو۔

جو لوگ زر کو ”شی“ مانتے ہیں، ان کے نزدیک زر دوسری قسم میں داخل ہے، یعنی ان کے نزدیک زر شی پیداوار (Production Goods) ہے۔ لہذا دیگر اشیائے پیداوار کی طرح زر میں کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت جائز ہوگی، نیز اس کو قرض دے کر اس پر سود (Interest) لینا درست ہوگا، گویا کہ زر ان کے ہاں محل تجارت ہو اور اس میں اخلاقی یا شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں ہوگی۔<sup>(۱)</sup>

”زر“ کی حقیقت اور طبیعت (Nature) سے متعلق مذکورہ موقف یا نظریہ

(۱)

The Historic Judgment on Interest, Usmani, (Justice Muhammed Taqi Usmani,) Karachi, Idaratul\_Ma'araf, 1st edition, 2000 A.D. P:93

"The commodities are classified into the commodities of first order which are normally termed as 'consumption goods' and the commodities of the higher order which are called 'production goods' Since money, having no intrinsic utility, could not be included in 'consumption goods' most of the economists had no option but to put it under the category of production goods "

The Theory of Money and Credit, Ludwig Von Mises, Liberty Classics Indianapolis, 1918, P: 95, Ch:5 Part:one

"It is usual to divide economic goods into the two classes of those which satisfy human needs directly and those which only satisfy them indirectly that is 'consumption goods', or goods of the first order, and production goods, or goods of the higher order."

Introduction to Economic Principles, Dr. A.N Agarawala, Katab Mahal 1983.

"Robertson defines money as a commodity which is used to denote any thing which is widely accepted in payment for goods or in discharge of other kinds of business obligation."

\_\_\_\_\_ الربا خطرہ وسیل الخلاص منه - الحماد، (الدكتور حمد بن عبد العزيز الحماد)

مصر، مطبعة المدنی، طبع اول ۱۴۰۴ھ (ص ۲۸)۔

\_\_\_\_\_ جہاد فی رفع بلو الربا الشیخ (محمد خاطر محمد الشیخ)، مصر، مطابع الہرام

التجاریة، القاہرة، (ص ۲۲)

(Theory) اس قدر کمزور اور بے بنیاد ہے، کہ اس کو نہ صرف علمائے اسلام نے رد کیا ہے، بلکہ خود بیشتر ماہرین معاشیات بھی اس کی نفی کرتے ہیں۔

ہم اس مقالے میں میں پہلے ماہرین معاشیات کی طرف سے اس نظریے کا ابطال (Negation) پیش کریں گے، اور اس کے بعد علمائے اسلام کی متعلقہ آراء بیان کریں گے۔

## مذکورہ موقف اہل اقتصاد کی نظر میں

Kewal Krishan Dewett اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: (1)

"How money differs from goods? Goods are mainly of two types: the consumer goods, and producer or capital goods. It cannot be consumed as such. There was a time when some commodities served as money and there are exceptional circumstances in modern time too, e.g, in Germany in 1945 when there was hyper inflation, cigarettes served as money. But normally is not an ordinary consumer good..."

Money cannot also be regarded as a capital good. Capital goods like machines and raw materials help in the manufacture of goods by their physical transformation...It performs entirely a different function. Money is an exchange good, and useful only in an exchange economy."

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اشیاء دو قسم کی ہیں: اشیائے صرفی اور اشیائے سرمایہ یا پیداوار، ”زر“ پہلی قسم میں عام حالات میں داخل نہیں ہو سکتا، کیونکہ زر اس طرح خرچ نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے براہ راست کوئی انسانی ضرورت پوری ہو، اسی طرح زر اشیائے سرمایہ میں سے بھی نہیں ہو سکتا، اشیائے سرمایہ مثلاً مشینری یا خام مال ذاتی طور پر دوسرے مال بنانے میں مدد دیتا ہے، لیکن زر یہ میں یہ خاصیت موجود نہیں، اس کا وظیفہ

(1) Modern Economic Theory, P:409



بالکل مختلف ہے، زر صرف شئی مبادلہ ہے، اور مبادلے کا ذریعہ ہے۔

پروفیسر محمد منظور علی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: (۱)

”زر یعنی نوٹ اور اس کے سکے براہ راست صرفی شئی (Consumer Good) نہیں ہے، یعنی زر کسی انسانی حاجت کو براہ راست پورا نہیں کرتا، کیونکہ یہ کھانے یا پہنے یا رہنے کے کام نہیں آتا، مثلاً آپ سونے کے سکے یا کاغذ کے نوٹ یا بینک چیک کو نہ کھا سکتے ہیں، نہ بدن پر پہن سکتے ہیں،..... کوئی صرفی شئی صرف دو حالتوں میں زر بن سکتی ہے، یا تو قدیم طرز کی پس ماندہ سوسائٹی میں یا پھر غیر معمولی حالات میں، جنگ عظیم کے بعد جب جرمنی کو شکست ہوئی، تو وہاں سگریٹ نے زر کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا،.....“

”زر“ اشیائے سرمایہ سے بھی مختلف ہے، کیونکہ زر کے فرائض اشیائے سرمایہ کے فرائض سے بالکل مختلف ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ زر صرف اس لئے کارآمد ہے کہ اسے آلہ مبادلہ کی حیثیت حاصل ہے۔“

Ludwig Von Mises نے اپنی کتاب (۲) میں اس نظریے کی تردید میں

باقاعدہ ایک باب (Chapter) باندھا ہے، جو ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس باب کا عنوان یہی ہے، عنوان ملاحظہ ہو:۔

Money an economic good "Money neither a production good nor a consumption good"

”یعنی زر نہ شئی سرمایہ ہے، اور نہ ہی شئی مصرفی ہے۔“

اس باب میں صاحب کتاب نے مفصل بحث کی ہے، اور دلائل بیان کئے ہیں،

(۱) کتاب معاشیات ص (۱۱۶)، پروفیسر محمد منظور علی طبع ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۶، کتاب خانہ

(۲) The Theory of Money and Credit, P:95

لیکن آخر میں جو نتیجہ نکالا ہے، اور اس کو انصاف پر مبنی قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ اشیاء کی تقسیم ثنائی نہیں، بلکہ ثلاثی ہے، یعنی اشیاء کو بجائے دو میں تقسیم کرنے کے تین قسموں میں تقسیم کرنا چاہئے:-

۱- وسائل پیداوار۔

۲- اشیائے صرف۔

۳- ذریعہ مبادلہ۔

اور یہ کہ اگر اس نظریے کو اپنایا جائے (یعنی یہ کہ زرشی پیداوار میں داخل ہے)، اور اس کے ساتھ اشیاء کا معاملہ کیا جائے، تو یہ آدم سمٹھ (Adam Smith) کے بقول ”مردہ ذخیرہ“ (Dead Stock) ہوگا، جو کسی کام کا نہیں۔<sup>(۱)</sup>

اس کے علاوہ معیشت پر لکھی ہوئی بیشتر کتابوں میں ”زر“ کی جو تعریف اور زر کے جو وظائف (Functions) بیان کئے گئے ہیں، ان میں اس بات کا ذکر نہیں کہ زرشی پیداوار بھی ہے، بلکہ ان سب نے زر کو آلہ مبادلہ (Media of Exchange) کہا ہے۔

### مذکورہ موقف اہل اسلام کی نظر میں

مذکورہ نظریے کو جس طرح اہل اقتصاد نے باطل اور بے بنیاد قرار دیا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل ذکر ہوئی، اسی طرح اس نظریے کا ابطال اہل اسلام کی عبارات سے بھی ہوتا ہے، علمائے اسلام میں سے کسی نے اس نظریے کی تائید نہیں کی ہے، ان علماء و فقہاء کی عبارات میں اگرچہ صراحتاً اس نظریے کی تردید نہیں کی گئی ہے، لیکن انہوں نے زر کی جو حقیقت (Nature) بیان فرمائی ہے، اس سے خود بخود مذکورہ موقف کی تردید ہو جاتی ہے،

(1) The theory of Money and Credit :

"This is the complete justification the suggestion put forward by Knies that economic goods should be divided into means of production, objects of consumption, and media of exchange". P:502

"Regarded from this point of view, these goods what Adam Smith called them "dead stock, which produces nothing." P:102

گو بعض نے صراحت بھی ہے۔

سٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے سود سے متعلق سپریم کورٹ آف پاکستان کے لئے جو مشہور فیصلہ لکھا ہے، اور جس نے ایک تاریخی حیثیت حاصل کی ہے، یعنی "The Historic Judgment on Interest" اس میں انہوں نے اس نظریے کی اسلامی اور اقتصادی نقطہ نظر سے تفصیل سے تردید فرمائی ہے۔<sup>۱۱</sup>

انہوں نے اسلامی نقطہ نظر سے "زر" (Money) اور "شی" (Commodity) میں تین بنیادی فروق بیان فرمائے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱- زر براہ راست انسانی ضرورت و حاجت کو پورا نہیں کر سکتا، زر اشیاء (Commodities) اور خدمات (Services) کے حصول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ شی براہ راست انسانی ضرورت کو پورا کر سکتی ہے۔

۲- اشیاء کے مختلف معیار ہوتے ہیں، (کوئی شی مہنگی ہوتی ہے، اور کوئی شی سستی ہوتی ہے۔) جبکہ زر کی سوائے اس کیفیت کی اور کوئی کیفیت نہیں کہ وہ پیمانہ قدر اور آلہ مبادلہ ہے، اس لئے ایک قیمت کے زر کی تمام اکائیاں (Units) آپس میں سو فیصد مساوی ہوتی ہیں، ایک ہزار کا پرائیوٹ اور نیا نوٹ معیار میں برابر ہیں۔

۳- اشیاء میں خرید و فروخت کے معاملات (Transactions) انہی خاص اشیاء کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، جن پر یہ معاملات واقع ہوئے ہوں، ایک خاص کار کی طرف اشارہ کر کے اگر "الف" اس کو "ب" کے ہاتھ فروخت کرے، اور "ب" اس پر راضی ہو کر اس کو خریدے، تو خریدار "ب" اسی خاص کار کی وصولی کا حق دار ہوگا، خریدار کو دوسری کار لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، جبکہ زر کسی معاملے میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، اگر "الف" "ب" کو کوئی خاص نوٹ دیکھا کر اس سے کوئی چیز خریدے، تو "الف" "ب" کو اس خاص نوٹ کی بجائے دوسرا نوٹ بھی دے سکتا ہے، اور "ب" اس کو لینے پر مجبور ہوگا،

(1) P.90

بشرطیکہ وہ نوٹ اسی قیمت کا ہو۔

لہذا ان بنیادی فروق کے ہوتے ہوئے زر کے ساتھ اشیاء والا معاملہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ زر کو اپنی طبعی صفت کے پیش نظر صرف آلہ مبادلہ تک محدود رکھا جائے گا۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے کئی صدیاں قبل زر کی طبیعت یوں بیان فرمائی ہے:-<sup>(۱)</sup>

”والدراہم والدنانیر لا تقصد لنفسها، بل ہی وسیلة الی التعامل بہا، ولہذا کانت اثماناً، بخلاف سائر الاموال فان المقصود الانتفاع بہا نفسها۔“

”دراہم اور دنانیر مقصود بالذات نہیں، بلکہ یہ باہمی معاملات کا ایک ذریعہ ہیں، اسی وجہ سے یہ ”اثمان“ شمار ہو گئے، بخلاف دیگر اشیاء کے کہ یہ خود مقصود بالذات ہیں۔“

علامہ ابن تیمیہ نے زر اور دیگر اشیاء میں بالکل واضح فرق بیان فرمایا، کہ زر محض ذریعہ مبادلہ ہے، دیگر اشیاء کی طرح مقصود بالذات نہیں، کیونکہ زر براہ راست انسانی حاجت کو پورا نہیں کر سکتا۔

علامہ ابن قیم نے نہایت واضح انداز میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے:-<sup>(۲)</sup>

”الاثمان لا تقصد لاعیانها، بل یقصد بہا التوصل الی السلع، فاذا صارت من نفسها سلعة تقصد لاعیانها فسد امر الناس۔“

(۱) مجموعة الفتاوی ابن تیمیہ (شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ)، السعودیة، مطابع الرياض، طبع اول ۱۳۸۲ ہج (۱۹/۲۵۱)

(۲) اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابن قیم الجوزیہ (علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ) مصر، ادارة الطباعة المنیریة، (۲/۱۵۷)

”زر مقصود بالذات نہیں، بلکہ سامان کے حصول کا ذریعہ ہے، اگر زر سامان میں شمار ہو جائے، تو لوگوں کے معاملات فاسد ہو جائیں گے۔“

حضرت امام غزالی نے ”زر“ کی حقیقت پر بہت مفصل بحث فرمائی ہے، جس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے:

”اللہ تعالیٰ کی من جملہ نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت درابہم و دنا نیر کی تخلیق بھی ہے، انہی سے دنیا کا نظام قائم ہے، یہ دونوں محض پتھر ہیں، ان سے براہ راست کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا، لیکن لوگ ان کے بہت زیادہ محتاج ہیں، کیونکہ ہر انسان کو کھانے، پینے، لباس اور دوسری حاجات میں بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، اور انسان کبھی حاجت کی ایک چیز سے مستغنی ہوتا ہے، اور کبھی حاجت کی چیز کو اس کو ضرورت ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص کے پاس زعفران ہے، اور اس کو ضرورت اونٹ کی ہے، اور دوسرے شخص کے پاس اونٹ ہے، اور اس کو ضرورت زعفران کی ہے، (اب یہ دونوں تبادلہ کرنا چاہتا ہے۔) تو ان کے درمیان معاوضہ بھی ضروری ہے، اور غرض کی مقدار بھی متعین کرنا ضروری ہے، کیونکہ اونٹ والا اپنا پورا اونٹ زعفران کے بدلے میں نہیں دے گا، اور اونٹ اور زعفران میں کوئی مناسبت بھی نہیں، کہ یہ کہا جائے کہ اونٹ کے برابر زعفران کے بدلے اونٹ حوالہ کر دے، یہی حال دیگر اشیاء کا بھی ہوگا، لہذا یہ اشیاء جن میں (صورۃ یا وزنا کوئی مناسبت نہیں) کسی ایسے ثالث کی محتاج ہو گئیں جو ان میں فیصلہ کرے، اور صحیح قیمت و متعین کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے سونا چاندی کو پیدا فرمایا، تاکہ یہ دونوں اشیاء کے درمیان ”حکم“ کا کردار ادا کر سکیں، اور ان کی بنیاد پر اموال کا اندازہ ہو سکے، اور اشیاء کے درمیان ان کا پیمانہ قدر ہونا اسی پر مبنی ہے کہ ان سے خود براہ راست کوئی غرض وابستہ نہیں، اگر ان سے خود کوئی غرض وابستہ ہوتی تو یہ جس کے مطلب کے ہوتے، اسی کے حق میں ان کو ترجیح ہوتی، اور دوسرے ان کو نہ لیتے، اور اسی طرح سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ

نے ان کو اس لئے پیدا فرمایا تاکہ یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جائیں، اور اموال غیر متناسبہ میں مساوات پیدا کریں، اور ان میں یہ حکمت بھی رکھی کہ ان سے دیگر اشیاء حاصل ہو سکیں، اور جس نے بھی ذرا ہم و دنیا میں سود کا معاملہ کیا تو اس نے نعمتِ خداوندی کی ناشکری کی اور ظلم کیا، کیونکہ ان دونوں کی تخلیق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہے کیونکہ یہ دونوں مقصود بالذات نہیں، چنانچہ جب کوئی شخص ان دونوں میں تجارت کرے گا، تو اس نے ان دونوں کو اس حکمت سے ہٹایا، جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی تھی:

”اذطلب النقد لغير ما وضع له ظلم“

کیونکہ زر کو ایسی چیز کے لئے لینا جس کے لئے یہ پیدا نہیں ہوا ہے ظلم ہے۔<sup>(۱)</sup>  
گویا کہ زر کے ساتھ عام اشیاء سا سلوک کرنا، اور اس کو محل تجارت (Tradable) بنا دینا ظلم ہے، زر کے معاملے میں انصاف یہی ہے کہ جس مقصود کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے، اسی مقصود میں اس کو استعمال کیا جائے۔

## ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

امام غزالیؒ کی مذکورہ عبارت کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ درہم یا دینار محض ایک وسیلہ ہے، اور اشیائے غیر متناسبہ کے درمیان مساوات پیدا کرنے کا ایک معیار اور ثالث ہے، نہ یہ مقصود بالذات ہے، اور نہ ہی محل تجارت، چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

”فاذا اتجر فی عینہما فقد اتخذہما مقصودا علی خلاف

وضع الحکمة“<sup>(۲)</sup>

”جب کوئی شخص ان دونوں کی ذات میں تجارت کرے گا، تو ان کو

اس حکمت کے خلاف استعمال کرے گا، جس کے لئے ان دونوں کی

(۱) احیاء علوم الدین، الغزالی (الامام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی

م ۵۰۵ھ)، بیروت لبنان، دار المعرفۃ، (۲/۹۱)۔

(۲) حوالہ بالا ص ۹۲

تخلیق ہوئی ہے۔“

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ پھر تو زر کو زر کے مقابلے میں فروخت کرنا باطل نہ جائز ہو، حالانکہ درہم کی بیع دینار یا دینار کی بیع درہم کے ساتھ شرعاً جائز ہے، اور اس میں کمی بیشی بھی درست ہے، اسی طرح درہم کو درہم کے مقابلے میں فروخت کرنا یا دینار کو دینار کے مقابلے میں فروخت کرنا درست ہے، جبکہ دونوں جانب برابر برابر ہوں، اور ان معاملات کے جواز میں شرعی اعتبار سے کوئی شبہ نہیں۔

اس کا جواب خود امام غزالی نے دیا ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:-

”درہم و دینار کی تخلیق سے اصل مقصد تو ان کے ذریعہ مختلف اشیاء کا حصول ہی ہے، لیکن اس مقصد میں ایک قسم کا زر دوسری قسم سے مختلف ہو سکتا ہے، بایں طور کہ ایک قسم سے دوسری قسم کے مقابلے میں اشیاء کے حصول تک رسائی آسان ہو، مثلاً اگر دینار کے درہم بنائے جائیں، تو درہم دینار کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے، اور ان کو تھوڑا تھوڑا کر کے سب ضروریات پوری ہو سکیں گے، پس اگر اس کے مبادلے سے منع کیا جائے، تو مقصود خاص (مبادلہ) میں خلل ہوگا..... اسی طرح ایک درہم کو اس کے ہم مثل درہم کے ساتھ بیع کو ہم نے جائز قرار دیا کیونکہ اس طرح کرنا ایک لغو اور فضول کام ہے، اور اس میں کوئی عاقل دلچسپی نہیں لیتا، تو ایسے بے رغبت کام کو کیوں منع کریں؟ (یعنی جب اس میں کوئی فائدہ نہیں تو کوئی عقلمند اس کو اختیار بھی نہیں کرے گا، تو اس کو ممنوع قرار دینے کا کوئی فائدہ بھی نہیں، اس لئے مختلف الاجناس زر کو ایک دوسرے کے ساتھ مبادلہ اور ایک درہم کو درہم کے مقابلے میں یا دینار کو دینار کے مقابلے میں

خرید و فروخت کے معاملے کو جائز قرار دیا۔“<sup>(۱)</sup>

امام غزالی کے اس جواب کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ یہ صورت بھی گویا اصل قاعدے اور ضابطے سے مستثنیٰ نہیں، بلکہ اس میں بھی پیش نظر زر کے ”ذریعہ“ بننے میں سہولت پیدا کرنی ہے۔

مفتی مصر محمد خاطر اپنے مقالے<sup>(۲)</sup> میں زر اور دیگر اشیاء میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”زر کو زمین وغیرہ پر قیاس کرنا درست نہیں، اور نہ ہی یہ قیاس احکام شرعیہ اور قواعد فقہیہ کے مطابق ہے، کیونکہ زر ”اثمان“ ہے، اور اثمان کو کرایہ پر دینا اور ان کا کرایہ لینا درست نہیں، اس لئے کہ اجارہ عقد منفعہ کا نام ہے، جس میں منفعہ حاصل کرنے کے بعد عین کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، (جبکہ زر میں یہ بات ممکن نہیں۔) چنانچہ علامہ کاسانی ”اپنی کتاب ”البدائع“ میں فرماتے ہیں:-

”ولا يجوز اجارة الدراهم والدنانير ولا تبرهما لانه لا يمكن الانتفاع بها الا بعد استهلاك اعيانها، والداخل تحت الاجارة هي المنفعة لا العين“-

”دراہم و دنانیر اور ان کے ٹکڑوں کا اجارہ درست نہیں، کیونکہ ان سے اس وقت تک منفعہ حاصل نہیں ہوتی، جب تک ان کی ذات

(۱) احیاء علوم الدین (۹۲/۴)

(۲) جہاد فی رفع بلوی الربا، الشیخ (محمد خاطر محمد الشیخ) مصر، مطابع الازہرام

التجاریة۔ (۲۴/۱)



خرچ نہ ہو، حالانکہ اجارہ کے تحت منفعت داخل ہوتی ہے، نہ کہ  
میں۔

ڈاکٹر حمد مصری اپنی کتاب میں<sup>(۱)</sup> اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں بیان  
کرتے ہیں:-

”زمین کو کرایہ پر دینے اور زر کو کرایہ پر دینے میں فرق واضح ہے،  
(اور دونوں میں دو قسم کا فرق ہے) زمین کو کرایہ پر دینے میں عین  
باقی رہتا ہے، اور مستأجر صرف منفعت حاصل کرتا ہے، اور شرعاً اجارہ  
کی حقیقت یہی ہے، (جبکہ زر میں یہ بات ممکن ہی نہیں) نیز اجارہ  
میں شی کا ضمان موجر (Lessor) پر ہوتا ہے، نہ کہ مستأجر (Lessee)  
پر، جبکہ زر میں شرعاً ضمان مقروض پر ہوتا ہے، نہ کہ مقروض پر۔“

### خاصہ بحث

زر (Money) اور شی (Commodity) میں فرق ہے، اور یہ فرق بیشتر ماہرین  
دنیات کو بھی تسلیم ہے، اور اہل اسلام تو اس پر متفق ہیں، اس لئے زر کی طبیعت  
(Nature) دیگر اشیاء سے مختلف ہوگی، اور دونوں کے ساتھ الگ الگ معاملہ ہوگا، اور  
دونوں کے احکام الگ الگ ہوں گے، اور ہر ایک کو اس کا صحیح مقام دیا جائے گا، لہذا زر  
صرف آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوگا، اور یہ محل تجارت نہیں ہوگا، محل تجارت صرف اشیاء  
ہوں گی، زر کو محل تجارت قرار دینا زر کے ساتھ ظلم ہے، اور نظام کو درہم برہم کرنے کے  
متبادل ہے۔

(۱) الربا خطرہ وسبیل الخلاص منه الحماد الدكتور حمد بن حماد عبد العزیز الحماد،  
مصر، مطبعة المدنی طبع اول ۱۴۰۴ھ (ص ۲۸)

## زر کی قسمیں

زر کی مختلف حیثیتوں سے مختلف قسمیں بیان کی گئی ہیں، زر کی قسموں کا چونکہ زر کے ارتقاء اور مختلف نظامہائے زر سے گہرا تعلق ہے، اس لئے زر کی اقسام پر تفصیلی روشنی عنوان ”زر کا ارتقاء اور مختلف نظامہائے زر“ کے تحت ان شاء اللہ تعالیٰ ڈالی جائے گی۔

یہاں اتنی بات سمجھنی ضروری ہے کہ فقہی احکام کے لحاظ سے زر کی دو اہم قسمیں ہیں:—<sup>(۱)</sup>

## ۱ ثمنِ خلقی

## ۲ ثمنِ عرفی یا اصطلاحی

ثمنِ خلقی وہ ثمن یا زر ہے، جس کا ثمن یا زر ہونا عرف یا تعامل پر موقوف نہ ہو، اور

(۱) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، عثمانی (جنس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مبین اسلامک پبلشرز طبع اول ۱۹۹۳ء۔

تطور النقود فی ضوء الاسلامیة، الحسنی (احمد حسن احمد الحسنی) جدہ، دارالمدنی، طبع اول، ص ۵۳

اسی کتاب میں شاہ ولی اللہ کی معروف کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ کے حوالے سے مذکور ہے:

”وکان الالیق من بینہا — ای المعادن — الذهب والفضة لصغر حجمہما وتماثل افرادہما وعظم نفعہما فی بدن الانسان ولتاتی التجمیل بہما فکانا نقدین بالطبع وکان غیرہما نقداً بالاصطلاح۔“ (ص ۵۳)

مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۴۰۹ھ۔

”حتی ان کثیر امن الفقہاء یقولون: ان الذهب والفضة هما اثمان بحکم الخلقة ای ان اللہ تعالیٰ خلقہما لیکونا اثمانا۔“ (۱۷۰۱)

جدید فقہی مباحث، قاسمی (مولانا مجاہد الاسلام قاسمی) کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، (۲/۱۱۷، ۱۶۹)۔

نہ ہی اس کی ثمنیت یا زر ہونا عرف اور اصطلاح کی وجہ سے ہو، بلکہ اس کا ثمن ہونا طبعی اور خلقی طور پر ہو، گویا اس کی تخلیق (Creation) ہی ثمن ہونے کے لئے ہوئی ہے۔ جیسا کہ سونا چاندی، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں۔

ثمن خلقی صرف سونا یا چاندی ہے، سونے اور چاندی کے علاوہ اور کوئی چیز ثمن خلقی نہیں، سونے اور چاندی کے علاوہ جو بھی چیز زر کے طور پر استعمال ہوتی ہے، یا کسی زمانے میں استعمال ہوئی ہے، وہ ثمن عرفی یا ثمن اصطلاحی ہی ہے، لہذا:-

ثمن عرفی یا اصطلاحی وہ زر یا ثمن ہے، جس میں ثمنیت لوگوں کی باہمی تعامل اور عرف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو، اگر عرف یا رواج نہ ہوتا، تو وہ شی ثمن نہ ہوتی، جیسا کہ آج کل کی کاغذی نوٹ یا کرنسی وغیرہ۔

## ایک اہم فائدہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سونا چاندی معدنیات میں سے ہیں، اسی وجہ سے ان دونوں کو ”حجرین“ یعنی پتھر کہا جاتا ہے، تو معدنیات تو اور بھی ہیں، اور بعض ان میں سے نہایت قیمتی بھی ہیں، تو معدنیات میں سے صرف سونے اور چاندی کو کیوں ثمن خلقی کہا گیا، یا ثمن خلقی کے طور پر استعمال کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی صفات اور خاصیات رکھی ہیں، جو بیک وقت دوسری دھاتوں یا معادن میں موجود نہیں، بلکہ دوسرے معادن ان سے محروم ہیں، خواہ کتنے ہی قیمتی معادن ہی کیوں نہ ہوں، اور ان میں سے بعض صفات اور خاصیات درج ذیل ہیں:-

۱- یہ دونوں پتھر آسانی سے پھٹتے ہیں، اور آسانی سے ان کو ٹوٹا جاسکتا ہے۔

۲- سونا چاندی آسانی سے الگ الگ کی جاسکتی ہے، اور دوبارہ آسانی سے ملا

جاسکتی ہے۔

۳- سونے یا چاندی سے کوئی بھی شکل آسانی سے بن سکتی ہے۔

۴- سونا یا چاندی میں کبھی بدبو پیدا نہیں ہوتی، اور نہ اس کے ذائقے میں فرق

آتا ہے۔

۵- جتنے عرصے تک بھی یہ دونوں پتھر زمین میں مدفون رہیں، تو اس سے ان میں

کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۶- سونے یا چاندی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہیئت اور علامات سے نوازا ہے کہ ان

میں کھوٹ وغیرہ کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔

۷- ان دونوں کا حجم چھوٹا ہوتا ہے۔

۸- یہ دونوں انسان کو وہ زینت و جمال بخشتا ہے، جو دوسرا پتھر نہیں بخش سکتا ہے۔

۹- دوسرے معادن کی نسبت سونے اور چاندی کی پیداوار بہت کم ہے۔

۱۰- ان کے افراد میں مماثلت پائی جاتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

یہ وہ صفات ہیں جو بیک وقت کسی اور دھات میں موجود نہیں، اس لئے ثمنِ خلقی

ہونے کا شرف ان دو پتھروں ہی کو حاصل ہوا۔

## زر اور مال میں فرق

زر "Money" اور مال "Wealth" میں فرق کے سلسلے میں آسان تعبیر یہ ہے

کہ یہ کہا جائے کہ "زر" مال کی ایک قسم ہے، یعنی مال عام ہے، اور زر خاص ہے، جس کی

حیثیت مال کے مقابلے میں محض ایک قسم کی ہے، کیونکہ مال کی تعریف علامہ ابنِ نجیم نے یہ

فرمائی ہے:-

"المال كل ما يملكه الناس من نقد وعروض وحيوان"

(۱) مقدمة في النقود والبنوك، الشافعي (الدكتور محمد زكي الشافعي) بيروت،

دار النهضة العربية، طبع هفتم (ص ۳۴)

..... تطور النقود ص ۵۳

وغير ذلك الخ“

”مال ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے لوگ مالک ہوں، خواہ وہ زر ہو، یا

سامان ہو، یا جانور ہو، یا کوئی اور چیز ہو۔“ (۱)

اور ابن منظور نے ”مال“ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:-

”المال ماملکتہ من جمیع الاشياء“

”مال ان تمام اشیاء کا نام ہے، جن کا تو مالک ہے۔“ (۲)

## زر اور کرنسی میں فرق

زر کی تعریف گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے، کہ جو ذریعہ

مبادلہ ہو، قدر کا پیمانہ ہو، اور مالیت کے تحفظ کا وسیلہ ہو، مگر یہ ضروری نہیں کہ قانونی طور پر بھی اس کو جبری آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو، مثلاً چیک یا انعامی بانڈز پر مذکورہ تعریف صادق آتی ہے، لہذا یہ زرتو ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنے کسی ذین یا قرضے میں چیک قبول کرنے یا بانڈ قبول کرنے سے انکار کرے، تو اس کو اس پر قانوناً مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اور کرنسی وہ زر ہے کہ جس کو کسی خاص ملک میں قانونی طور پر آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو، جسے روپیہ، اگر کوئی شخص روپیہ میں ادائیگی کرے، تو قانوناً اسے لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زر عام ہے، اور کرنسی خاص ہے، مال اور زر کے مقابلے

۱۔ البحر الرائق شرح كنز الدقائق۔ ابن نجيم (علامہ زين الدين بن ابراهيم بن محمد

المعروف بابن نجيم الموفى ۹۰۰ھ)، بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۸ھ

۲۔ لسان العرب، ابن منظور (علامہ ابن منظور المتوفى ۱۱۰۰ھ)، بيروت، دار احیاء

التراث العربی، طبع اول ۱۴۰۸ھ (۱۳-۲۲۳)

— رد المحتار الشامی (محمد امین بن عابدین الشامی م ۱۲۵۲ھ)، مطبع مذکورہ،

طبع اول ۱۴۱۹ھ (۳-۲۰۶)

— اقتصادیات النقود، متولی، (الدكتور ابوبکر الصديق عمر متولى)، قاہرہ، مکتبہ

وہب، طبع اول ۱۴۰۳ھ (ص ۱۳)

میں زر خاص اور مال عام تھا، اور زر اور کرنسی کے مقابلے میں زر عام اور کرنسی خاص ہے۔

مال : زر :: زر : کرنسی  
عام : خاص :: خاص : عام

### کرنسی کی دو قسمیں

کرنسی کی دو قسمیں ہیں: ایک ایسی کرنسی جس میں ایک خاص حد تک قانوناً ادائیگی کی جاسکتی ہے، اس سے زائد مقدار دی جائے گی تو قانوناً اسے لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، جیسے چوٹی، اس کو ”محدود زر قانونی“ (Limited Legal Tender) کہتے ہیں۔ دوسری قسم جس میں قانوناً ادائیگی کی کوئی حد مقرر نہ ہو، اس کو ”غیر محدود زر قانونی“ (Unlimited Legal Tender) کہتے ہیں، جیسے دھات کا روپیہ وغیرہ۔<sup>(۱)</sup>

### زر کا ارتقاء (Evolution) اور مختلف نظامہائے زر

۱۔ زمانہ قدیم میں لوگ اشیاء کا تبادلہ اشیاء (Barter) کے ذریعے کرتے تھے، یعنی ایک چیز دے کر اس کے بدلے میں دوسری چیز لیتے تھے، لیکن اس طرح کے تبادلے میں بہت سے نقائص اور مشکلات تھیں، اور ہر جگہ ہر وقت اس طریقے پر عمل کرنا دشوار ہوتا

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت (مفتی محمد تقی عثمانی)، کراچی ۱۴، ادارۃ المعارف، طبع اول ۱۴۱۵ھ (ص ۹۵)۔

مراجع اضافیہ:-

Introduction to Economic Principles, by Dr. A.N. Agarawa. P315

معاشیات، حبیب الرحمن مکتبہ فریدی اردو کالج اسپتال روڈ طبع اول ۱۹۵۳ء۔

معاشیات، پروفیسر محمد منظور علی لاہور، علمی کتب خانہ، حصہ دوم ص ۱۲۷۔

معاشیات کے ابتدائی اصول، لاہور قومی کتب خانہ، طبع سوم ۱۹۵۴ء، ص ۲۶۴۔

زر اور بنک داری، شیخ عطاء اللہ، لاہور، کشمیر بازار، طبع اول ۱۹۵۴ء، ص ۴۴۔

تطور النقود فی ضوء الشريعة الاسلامیة ص ۲۶، الدكتور احمد حسن احمد الحسنى

تھی، اس لئے آہستہ آہستہ لوگوں نے یہ طریقہ ترک کر دیا۔

۲- اس کے بعد ایک اور نظام رائج ہوا، جس کو ”زر بضاعتی کا نظام“ (Commodity Money System) کہا جاتا ہے، اس نظام میں لوگوں نے مخصوص اشیاء کو بطور ثمن کے تبادلے کا ذریعہ بنایا، اور عام طور پر ایسی اشیاء کو تبادلے کا ذریعہ بناتے، جو کثیر الاستعمال ہوتی تھیں، مثلاً کبھی اناج اور گندم کو ذریعہ تبادلہ بنایا، اور کبھی نمک اور چمڑے کو اور کبھی لوہے وغیرہ کو تبادلے کا ذریعہ بنایا۔

۳- مگر ان اشیاء کو تبادلے میں استعمال کرنے میں نقل و حمل کی بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں، اس لئے آہستہ آہستہ لوگ اس طریقے سے اکتا گئے، اور جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی، اور لوگوں کی ضروریات میں اضافہ ہونے لگا، اور تبادلہ بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہونے لگا، تو لوگوں نے سوچا کہ تبادلے کا جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے، اس میں بہت سی مشکلات ہیں، لہذا تبادلے کا کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہئے جس میں نقل و حمل کم سے کم ہو اور اس پر لوگوں کا اعتماد بھی زیادہ ہو، چنانچہ اس مرحلے پر لوگوں نے سونے اور چاندی کو ذریعہ تبادلہ بنایا، حتیٰ کہ ان دونوں دھاتوں نے اشیاء کی قیمتوں کے لئے ایک پیمانے کی حیثیت اختیار کر لی، اور تمام ممالک اور شہروں میں لوگ ان دھاتوں پر اعتماد کرنے لگے، اس نظام کو ”نظام زر معدنی“ (Metalic Money System) کہا جاتا ہے۔

اس تیسرے نظام پر بہت سے تغیرات اور انقلابات گزرے ہیں، جن کا خلاصہ

درج ذیل ہے:-

۱۔ ابتدا میں لوگ ایسے سونے چاندی کو بطور کرنسی کے استعمال کرتے جو سائز، ضخامت، وزن اور صفائی کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا، کوئی سونا ٹکڑے کی شکل میں ہوتا تھا، کوئی ڈھلے ہونے برتن اور زیور کی شکل میں ہوتا تھا، لیکن تبادلے کے وقت صرف وزن کا اعتبار کیا جاتا تھا۔

۲۔ اس کے بعد ڈھلے ہوئے سکوں کا رواج شروع ہو گیا، بعض شہروں

میں سونے کے ڈھلے ہوئے سکے، اور بعض شہروں میں چاندی کے ڈھلے ہوئے سکے رواج پاتے گئے، جو ضخامت، وزن اور خالص سونے کے اعتبار سے مساوی ہوتے تھے، اور جن پر دونوں طرف مہر ثبت ہوتی تھی، جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ سکے درست اور تبادلے کے قابل ہیں، اور اس سکے کی ظاہری قیمت (Face Value) جو اس پر لکھی ہوئی ہوتی تھی، وہ اس سونے اور چاندی کی حقیقی قیمت (Gold or Silver Contents) کے برابر ہوتی تھی، گویا کہ سکے کی شکل میں ڈھلے ہوئے سونے کی قیمت اس ڈلی کے برابر ہوتی تھی، جو سکے کے ہم وزن ہو، اس نظام کو ”معیاری قاعدہ زر“ (Gold Specie Standard) کہا جاتا ہے، اس نظام کو سب سے پہلے چینوں نے ساتویں عیسوی قبل مسیح رائج کیا تھا۔

اس نظام کے اندر لوگوں کو یہ آزادی تھی، وہ چاہیں آپس میں لین دین کے لئے سکے استعمال کریں، یا سونے کے ٹکڑے یا سونے کے ڈھلے ہوئے زیورات وغیرہ استعمال کریں، اور ملک سے باہر برآمد و درآمد کی بھی عام اجازت تھی۔

اور حکومت کی طرف سے یہ عام اجازت تھی کہ جو شخص بھی جس مقدار میں سکے ڈھلوانا چاہے، وہ ڈھال کر دے گی، چنانچہ لوگ حکومت کے پاس سونے کے ٹکڑے اور سونے کی ڈھلی ہوئی دوسری اشیاء لاتے، اور حکومت ان کو سکے بنا کر واپس کر دیتی، اور اسی طرح اگر کوئی شخص سکے لاکر اس کو پگھلانے کے لئے کہتا تو حکومت ان سکوں کو پگھلا کر ٹکڑے کی شکل میں اس شخص کو واپس کر دیتی۔

۳ بعض ممالک نے بجائے ایک دھات کے دو دھات یعنی سونے چاندی دونوں کے سکوں کو بطور کرنسی کے رائج کیا، اور ان دونوں کے آپس کے تبادلے کے لئے ایک خاص قیمت مقرر کر دی، اور سونے کو بڑی کرنسی کے طور پر اور چاندی کو چھوٹی کرنسی کے طور پر استعمال کیا جانے لگا، اس نظام کو ”دو دھاتی نظام“ (Bi-Metallism) کہا جاتا ہے۔

لیکن اس نظام میں دوسری مشکلات پیدا ہو گئیں، وہ یہ کہ سونے اور چاندی کے



سکوں میں آپس میں تبادلے کے لئے جو قیمت مقرر کی گئی تھی وہ مختلف شہروں میں مختلف ہو جاتی تھی جس کی بنا پر لوگ کرنسی کی تجارت میں دلچسپی لینے لگے، مثلاً امریکا میں ایک سونے کے سکے کی قیمت پندرہ چاندی کے سکے ہوتی، لیکن بالکل اس وقت میں یورپ میں ایک سونے کے سکے کی قیمت چاندی کے ساڑھے پندرہ سکے کے برابر ہوتی، اس صورت حال میں تاجر امریکا سے سونے کے سکے جمع کر کے یورپ میں فروخت کر دیتے تاکہ وہاں سے ان کو زیادہ چاندی حاصل ہو جائے اور پھر وہ چاندی کے سکے امریکا لاکر ان کو سونے کے سکوں میں تبدیل کر دیتے اور پھر یہ سونے کے سکے دوبارہ جا کر یورپ میں فروخت کر دیتے اور اس کے بدلے چاندی لے آتے، لیکن اس تجارت کے نتیجے میں امریکا کا سونا مسلسل یورپ منتقل ہوتا رہا، گویا کہ چاندی کے سکوں نے سونے کے سکوں کو امریکا سے باہر نکال دیا، پھر جب ۱۸۳۴ء میں امریکا نے سونے اور چاندی کے سکوں کے درمیان اس تناسب کو بدل دیا اور سونے کے ایک سکے کو چاندی کے سولہ سکوں کے مساوی قرار دے دئے، تو معیہ پہلی صورت کے برعکس ہو گیا، اب سونے کے سکے امریکا میں منتقل ہونے شروع ہو گئے اور چاندی کے سکے یورپ منتقل ہونے لگے، گویا کہ سونے کے سکوں نے چاندی کے سکوں کو امریکا سے نکال دیا۔

۴۔ سسے چاہے سونے کے ہوں یا چاندی کے اگرچہ سامان اور اسباب کے مقابلے میں ان کی نقل و حمل آسان ہے، لیکن دوسری طرف ان کو چوری کرنا بھی آسان ہے، اس لئے مال داروں کے لئے ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو ذخیرہ کر کے گھر میں رکھنا مشکل ہو گیا، چنانچہ وہ لوگ ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو سناروں اور صرافوں (Money Changers) کے پاس بطور امانت کے رکھوانے لگے، اور وہ سنار اور صراف ان سکوں کو اپنے پاس رکھتے وقت ان امانت رکھنے والوں کو بطور وثیقہ کے ایک کاغذ یا رسید (Receipt) جاری کر دیتے، آہستہ آہستہ جب لوگوں کو ان سناروں پر اعتماد زیادہ ہو گیا تو یہی رسیدیں، جو ان سناروں نے امانت قبول کرتے وقت بطور دستاویز جاری کی تھیں، بیع و شراہ میں بطور

شمن کے استعمال ہونے لگیں، لہذا ایک خریدار دکاندار کو خریداری کے وقت بجائے نقد سکے ادا کرنے کے انہی رسیدوں میں سے ایک رسید اس کو دے دیتا اور دکاندار ان سٹاروں پر اعتماد کی بنیاد پر اس رسید کو قبول کر لیتا۔

اس مرحلے سے کاغذی نوٹ کی ابتدا ہوتی ہے، لیکن ابتدا میں نہ اس کی کوئی خاص شکل و صورت تھی اور نہ ان کی کوئی ایسی قانونی حیثیت تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکے، بلکہ اس کے قبول اور رد کرنے کا دار و مدار اس بات پر تھا کہ اسے قبول کرنے والا اس کے جاری کرنے والے سٹار پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے۔

۵ جب ۱۷۰۰ء کے اوائل میں بازاروں میں ان رسیدوں کا رواج زیادہ ہو گیا، تو ان رسیدوں نے ترقی کر کے ایک باضابطہ صورت اختیار کر لی، جسے بنک نوٹ کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے سویڈن کے اسٹاک ہوم بینک نے اسے بطور کاغذی نوٹ کے جاری کیا۔

اس وقت جاری کرنے والے بنک کے پاس ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں سو فیصد اتنی مالیت کا سونا موجود ہوتا تھا، اور بنک یہ التزام کرتا تھا کہ وہ صرف اتنی مقدار میں نوٹ جاری کرے، جتنی مقدار میں اس کے پاس سونا موجود ہے اور اس کاغذی نوٹ کے حامل کو اختیار تھا کہ وہ جس وقت چاہے بنک جا کر اس کے بدلے میں سونے کی سلاخ حاصل کر لے، اسی وجہ سے اس نظام کو ”سونے کی سلاخوں کا معیار“ (Gold Bullion Standard) کہا جاتا ہے۔

۶ ۱۸۳۳ء میں جب ”بنک نوٹ“ کا رواج بہت زیادہ ہونے لگا، تو حکومت نے اس کو ”زر قانونی“ (Legal Tender) قرار دے دیا، اور ہر قرض لینے والے پر یہ لازم کر دیا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے میں اس نوٹ کو بھی اسی طرح ضرور قبول کرے گا، جس طرح اس کے لئے سونے چاندی کے سکے قبول کرنا لازم ہے، اس کے بعد پھر تجارتی بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے روک دیا گیا، اور صرف حکومت کے ماتحت چلنے

والے مرکزی بینک کو اس کے جاری کرنے کی اجازت دی گئی۔

پھر حکومتوں کو زمانہ جنگ اور امن کے دوران آمدنی کی کمی کی وجہ سے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں بہت سی مشکلات پیش آنے لگیں، چنانچہ حکومت مجبور ہوئی کہ وہ کاغذی نوٹوں کی بہت بڑی مقدار جاری کر دے، جو سونے کی موجودہ مقدار کے تناسب سے زیادہ ہو، تاکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اسے استعمال کرے، اس کے نتیجے میں سونے کی وہ مقدار جو ان کاغذی نوٹوں کی پشت پر تھی وہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگی، حتیٰ کہ ابتداء میں ان نوٹوں اور سونے کے درمیان جو سو فیصد تناسب تھا، وہ نھٹے نھٹے معمولی تناسب رہ گیا، اس لئے کہ ان نوٹوں کو جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات کا یقین تھا، کہ ان تمام جاری شدہ نوٹوں کو ایک ہی وقت میں سونے سے تبدیل کرنے کا مطالبہ ہم سے نہیں کیا جائے گا، اس لئے سونے کی مقدار سے زیادہ نوٹ جاری کرنے میں کوئی حرج نہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ مقدار میں نوٹ جاری کرنے کے نتیجے میں بازار میں ایسے نوٹ رائج ہو گئے، جن کو سونے کی پشت پناہی حاصل نہیں تھی، لیکن تجارتی ایسے نوٹوں کو اس بھروسے پر قبول کرتے تھے کہ ان نوٹوں کے جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ وہ تبدیلی کے مطالبے کو پورا کر دے گا، اگرچہ اس کے پاس موجود سونے کی مقدار اس کے جاری کردہ نوٹوں کے مقابلے میں بہت کم ہے، ایسے کرنسی نوٹوں کو ”ذرا اعتباری“ (Fiduciary Money) کہا جاتا ہے۔

دوسری طرف آمدنی کی مذکورہ بالا کمی اور زیادہ روپے کی ضرورت ہی کی بنیاد پر حکومتیں جو اب تک معدنی سکوں کے ساتھ معاملات کرتی آئی تھیں، اس بات پر مجبور ہوئیں، کہ وہ یا تو سکوں میں دھات کی جتنی مقدار استعمال ہو رہی ہے اس کو کم کر دے یا ہر سکے میں اصلی دھات کے بجائے ناقص دھات استعمال کریں، چنانچہ اس عمل کے نتیجے میں سکے کی ظاہری قیمت (Face Value) جو اس پر درج تھی، اس سکے کی اصلی قیمت

(Intinsic Value) سے کئی گنا زیادہ ہوئی، ایسے سکوں کو ”علامتی زر“ (Token Money) کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس سکے کی معدنی اصلیت اس کی اس ظاہری قیمت کی محض علامت ہوتی ہے جو کبھی اس کی ذاتی قیمت کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی کیا کرتی تھی۔

۸ رفتہ رفتہ زر اعتباری کا رواج بڑھتے بڑھتے اتنا زیادہ ہو گیا کہ ملک میں پھیلے ہوئے نوٹوں کی تعداد میں موجود سونے کی مقدار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہو گئی، یہاں تک کہ حکومت کو اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ سونے کی موجودہ مقدار کے ذریعے ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ بعض شہروں میں حقیقتاً یہ واقعہ پیش آیا کہ مرکزی بینک نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔

اس وقت بہت سے ملکوں نے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے والوں پر بہت سے کڑی شرطیں لگا دیں، انگلینڈ نے تو ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد اس تبدیلی کو بالکل بند کر دیا، البتہ ۱۹۲۵ء میں دوبارہ تبدیلی کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ایک ہزار سات سو پونڈ سے کم کی مقدار کو کوئی شخص تبدیل کرانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا، چنانچہ اس شرط کے نتیجے میں عام لوگ تو اپنے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرنے سے محروم ہوئے، اس لئے کہ اس زمانے میں یہ مقدار اتنی زیادہ تھی کہ بہت کم لوگ اتنی مقدار کے مالک ہوتے تھے، لیکن اس قانون کی انہوں نے اس لئے کوئی خاص پروا نہیں کی کہ یہ کاغذی نوٹ زر قانونی رہ گئے اور ملکی معاملات میں بالکل اسی طرح قبول کئے جاتے تھے جس طرح اصلی کرنسی قبول کی جاتی تھی اور اس کے ذریعے اندرون ملک تجارت کر کے اس طرح نفع حاصل کیا جاسکتا تھا جس طرح دھاتی کرنسی کے ذریعے تجارت کر کے نفع حاصل کیا جاتا تھا۔

۹ پھر ۱۹۳۱ء میں برطانوی حکومت نے ان نوٹوں کو سونے سے تبدیل کرانے کی بالکل ممانعت کر دی، حتیٰ کہ اس شخص کے لئے بھی جو سترہ سو پونڈ کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کرے، اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ سونے کے بجائے صرف ان نوٹوں

پر استفا کریں اور اپنے تمام کاروبار اور معاملات میں اسی کا لین دین کریں، لیکن حکومتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے حق کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کے قانون کو برقرار رکھا، چنانچہ اندرون ملک امرچہ ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی ممانعت تھی لیکن ہر حکومت نے یہ التزام کیا تھا کہ اگر اس کی کرنسی دوسرے ملک میں چلی گئی اور دوسری حکومت اس کرنسی کے بدلے میں سونے کا مطالبہ کرے گی، تو یہ حکومت اپنے کرنسی نوٹوں کے بدلے میں اس کو سونا فراہم کرے گی، مثلاً اگر امریکا کے پاس برطانیہ کے اسٹرنگ پونڈ آئے اور وہ اب ان کے بدلے میں برطانیہ سے سونے کا مطالبہ کرے، تو برطانیہ پر لازم ہے کہ وہ ان کے بدلے میں امریکا کو سونا فراہم کرے، اس کو "سونے کی مبادلت کا معیار" (Gold Exchange Standard) کہا جاتا ہے۔

۱۰ اسی اصول پر سالہا سال تک عمل ہوتا رہا حتیٰ کہ جب ریاستہائے متحدہ امریکا کو ڈالر کی قیمت میں کمی کے باعث سخت بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۹۷۱ء میں سونے کی بہت قلت ہوئی تو امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ دوسری حکومتوں کے لئے بھی ڈالر کو سونے میں تبدیل کرنے کا قانون ختم کر دے، چنانچہ ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء کو اس نے یہ قانون نافذ کر دیا اور اس طرح کاغذی نوٹ کو سونے سے مستحکم رکھنے کی جو آخری شکل تھی وہ بھی اس قانون کے بعد ختم ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں بین الاقوامی مالی فنڈ (International Monetary Fund) نے سونے کے بدل کے طور پر ایک "زر مبادلہ نکلوانے کے حق" (Special Drawing Rights) کا نظریہ پیش کیا، اس نظریہ کا حاصل یہ تھا کہ بین الاقوامی مالی فنڈ کے ممبران کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ مختلف ممالک کی کرنسی کی ایک معین مقدار غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لئے نکلوا سکتے ہیں اور مقدار کے تعین کے لئے ۸۸۸۶۷۶ گرام سونے کو معیار مقرر کیا گیا کہ اتنی مقدار کا سونا جتنی کرنسی کے ذریعہ خریدا جاسکتا ہو اتنی کرنسی ایک ملک نکلوا سکتا ہے، لہذا اب صورت حال یہ ہے کہ زر

مبادلہ نکلوانے کا یہ حق جسے اختصار کے لئے (S.D.R) کہا جاتا ہے، سونے کی پشت پناہی کا مکمل بدل بن چکا ہے۔

اس طرح اب سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا اور نوٹوں اور زرِ علامتی نے پوری طرح سونے کی جگہ لے لی ہے، اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی کرتے ہیں، نہ چاندی کی، بلکہ ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن چونکہ کرنسی کے اس نظام میں ایک مستقل اور ابدی نظام کی طرح اب تک مضبوطی اور جماد پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ تقریباً تمام ممالک میں اس بات کی تحریک چل رہی ہے کہ پہلے کی طرح پھر سونے کو مالی نظام کی بنیاد مقرر کی جائے، یہاں تک کہ دوبارہ سونے کی سلاخوں کے نظام کی طرف لوٹنے کی آوازیں لگنے لگی ہیں، اس لئے دنیا کے تمام ممالک اب بھی اپنے آپ کو سونے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ ہر ملک اب بھی احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرنا ہے تاکہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور انقلابات میں یہ سونا کام آئے، لیکن سونے کی بڑی سے بڑی مقدار کا یہ ذخیرہ صرف ایک احتیاطی تدبیر کے طور پر ہے، اس کا موجودہ دور میں رائج کرنسی سے کوئی قانونی تعلق نہیں ہے، خواہ وہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ہو یا دھاتی سکوں کی شکل میں۔<sup>(۱)</sup>

(۱) احکام الاوراق النقدية، العثمانی (القاضی المفتی محمد تقی العثمانی)،

کراچی، مکتبہ دارالعلوم، طبع اول ۱۴۰۹ھ ص ۳

— ایضا کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم ص ۷

— مقدمة فی النقود والبنوک ص ۸، الدكتور محمد زکی شافعی

— تطور النقود فی ضوء الشريعة الاسلامیہ ص ۱۹، الدكتور احمد حسن احمد

الحسنی

— تعارف زر و بکاری، ص ۱۵، شیخ مبارک علی

— ایضا کتاب معاشیات حصہ دوم ص ۱۱۳ (باقی اگلے صفحے پر)

سہولت، اور آسانی کے پیش نظر زر کے ارتقاء کا خلاصہ پیش خدمت ہے، ملاحظہ

فرمائیں!

## ارتقاء زر کے تدریجی مراحل ایک نظر میں

- پہلا مرحلہ:- شی کا تبادلہ شی سے، اس کو "مقائضہ" (Barter) کہتے ہیں۔  
 دوسرا مرحلہ:- مخصوص اجناس کو بطور "شمن" قرار دیا گیا، اس کو "زر بضاعتی" کا نظام (Commodity Money System) کہتے ہیں۔  
 تیسرا مرحلہ:- اس مرحلے میں سونے چاندی کو شمن قرار دیا گیا، اس کو "نظام زر معدنی" (Metalic Money System) کہتے ہیں۔  
 تیسرے مرحلے کے دس انقلابات:-  
 ۱- کوئی خاص سکہ نہیں تھا، سونے چاندی کی مختلف شکلوں میں تبادلے کے وقت صرف وزن کا اعتبار ہوتا تھا۔

- ۲- مہر لگے ہوئے کہیں سونے اور کہیں چاندی کے سکے رائج ہو گئے، جن کی ظاہری قیمت (Face Value) حقیقی قیمت (Gold or Silver content) کے مساوی ہوتی تھی۔ اس کو "معیاری قاعدہ زر" (Gold Specie Standard) کہتے ہیں۔  
 ۳- ایک ملک میں سونے چاندی دونوں کے سکے بطور کرنسی کے رائج ہو گئے، اور ان کے آپس میں تبادلے کے لئے ایک خاص قیمت مقرر کی گئی۔ اس کو "دو دھاتی نظام"

(بیتھ شریف، کراچی)

\_\_\_\_\_ المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الاسلامي، الدكتور محمد عثمان

شبير، اردن، دار النفائس، طبع سوم ۱۴۱۹ھ، (ص ۶-۱)

\_\_\_\_\_ احكام الاوراق النقدية في الفقه الاسلامي ص ۵۵، ستر بن ثواب الجعيد

\_\_\_\_\_ السياسية النقدية والمصرفية في الاسلام ص ۲۰، عدنان خالد التركمانى

Introduction to Economic Principles, by Dr. A. N. Agarawala p. 314

Modren Economic Theory, by K.K Dewett, P: 416

(Bi-Metallism) کہتے ہیں۔

۴- حفاظت کے پیش نظر سونے چاندی کو سناروں کے پاس بطور امانت رکھوانے کا دستور شروع ہو گیا، جس کے نتیجے میں مالکان کو رسیدیں (Receipts) جاری ہونے لگیں۔ اور خریداری میں ان رسیدوں کو نمائندگی حاصل ہو گئی۔

۵- رسیدوں کے رواج میں تیزی آنے کے بعد ”بنک نوٹ“ کا رواج شروع ہو گیا۔ یہ کاغذی نوٹ ہے۔ اس میں جاری شدہ نوٹوں کے سو فیصد برابر سونا موجود ہوتا تھا، اور بوقت طلب حامل کو سونے کی سلاخ ملا کرتی تھی، اس لئے اس نظام کو ”سونے کی سلاخوں کا معیار“ (Gold Bullion Standard) کہتے ہیں۔

۶- ۱۸۳۳ء میں ”بنک نوٹ کو“ ”زر قانونی“ (Legal Tender) قرار دیا گیا۔ اس مرحلے پر صرف حکومتی مرکزی بینک ہی یہ نوٹ جاری کر سکتے تھے۔

۷- حکومتی ضروریات کے پیش نظر جاری شدہ نوٹوں کے تناسب سے زیادہ نوٹ جاری ہو گئے۔ ان نوٹوں کو ”زر اعتباری“ (Fiduciary Money) کہتے ہیں۔ اس مرحلے پر سکوں میں دھات کی مقدار یا اس کی کوالٹی ناقص کی گئی، جس سے ظاہری قیمت اصلی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہو گئی، اور اب اس کو ”علامتی زر“ (Token Money) کا نام دیا گیا۔

۸- زر اعتباری کا رواج بڑھنے کی وجہ سے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کو بالکل محدود کر دیا گیا۔

۹- ۱۹۳۱ء میں نوٹوں کو عوامی سطح پر سونے میں تبدیل کرنے کی بالکل ممانعت کی گئی، صرف ممالک کے آپس میں اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اس نظام کو ”سونے کی مبادلت کا معیار“ (Gold Exchange Standard) کہتے ہیں۔

۱۰- ۱۹۷۱ء میں ممالک کی سطح پر بھی اس کی ممانعت ہو گئی، اور یوں سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہو گیا۔ گویا کہ ۱۹۷۱ء سے کرنسی کی پشت پر کوئی سونا نہیں رہا۔ گو



اب بھی ہر ملک احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن ان ذخائر کا موجودہ کرنسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

### سکہ سازی کی تاریخ اور مختلف مراحل

زمانہ جاہلیت اور دور اسلامی کے ابتدائی زمانے تک زر، خالص ”سلع“ (Goods) کی شکل میں تھا، یعنی سکہ نہیں تھا، چنانچہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہر قتل کے دغایہ اور فارس کے دراجم بغلیہ اور تمیر یہ اہل مکہ کے پاس آتے تھے، لیکن یہ دغایہ اور دراجم ذلی کی شکل میں ہوتے تھے، جیسا کہ علامہ بلاذری نے اس کی تصریح کی ہے:-

”كانت دغایہ هر قتل ترد عنی اهل مكة فی الجاهلیة و ترد عنیهم دراهم الفرس البغلیة والحمیریة فكانوا لا یتبایعون لاعلی انها تبر“

”یعنی جاہلیت کے زمانے میں اہل مکہ کے پاس ہر قتل کے دغایہ اور فارس کے دراجم بغلیہ اور تمیر یہ آتے تھے، اور یہ لوگ آپس میں معاملات ذلی ہی سے کرتے تھے۔“<sup>(۱)</sup>

زمانہ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کرنسیوں کو برقرار رکھا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ چار سو اتنی دراجم کسری کے ساتھ کیا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) فتوح البلدان، البلاذری، احمد بن یحیی البلاذری، القاہرہ، مکتبۃ النهضة المصریة، القسم الثالث ص ۱۷۵

(۲) کسری کی طرف نسبت ہے، اور کسری، و کسری ہیں، کسری اول، جسے کسری کہا جاتا ہے، یہ ساسانی اصل تھا، اور فارس پر ۵۳۱ تا ۵۹۳ء حکومت کی، اور کسری نے ۵۹۰ تا ۶۲۸ء فارس پر حکومت کی، اسی کو ہر قتل شاہ روم نے شصت دی تھی، دراجم کسری، یہ کسری اول کی طرف منسوب ہیں۔

اسی طرح زکوٰۃ، جزیہ اور سارے معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انہی کرنسیوں کے مطابق انجام پاتے تھے، آپ نے ان میں کسی قسم کا کوئی رد و بدل نہیں فرمایا، اور ڈلی کی شکل میں ان کے ساتھ تعامل جاری رکھا، جیسا کہ مشہور حدیث ہے:-

”الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلاً بمثل والفضة بالفضة وزنا

بوزن مثلاً بمثل، فمن زاد او استزاد فهو ربا۔<sup>(۱)</sup>

”سونا سونے کے مقابلے میں برابر برابر پیچو، اور چاندی چاندی

کے مقابلے میں برابر برابر پیچو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ

ربا ہے۔“

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں رومی اور فارسی زر کے ساتھ ڈلی کی شکل میں معاملات لوگ کرتے تھے۔

یہی صورت حال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی رہی، اور ان کرنسیوں میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں بھی یہی حال رہا، اور پہلے سے جاری شدہ کرنسیاں بحال رہیں، البتہ ۱۸ھ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقش کسروی کے مطابق ذرا ہم بنائے، جن کو ”ذرا ہم بغلیہ“ کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ خنجر کے سر کی طرح ہوتے تھے، اور جن شہروں میں اس قسم کا کوئی سکہ ڈھلتا، اس شہر کا نام اس پر تحریر کیا جاتا تھا، مثلاً دمشق، بعلبک وغیرہ۔ اور یہ کہنا بظاہر درست ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی تاریخ کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلامی سکہ رائج فرمایا۔

اگرچہ مورخ بلیر کا موقف یہ ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طبرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبل سکہ ڈھالا تھا، یعنی ۱۵ھ میں۔

(۱) اخرجه مسلم، كتاب المساقاة، باب الربا۔

اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے، تو انہوں نے ایسا سکہ بنایا، جس پر ”اللہ اکبر“ نقش تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں درہم اور فلوس اسلامیہ ڈھالے گئے تھے، اور جب کوفہ اور بصرہ میں زیاد کی ولایت بن گئی، تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درہم کی طرح درہم بنایا۔

بعد میں یزید، معاویہ دوم، مروان بن حکم نے سکہ سازی میں کوئی دلچسپی نہیں لی، اور یہ بعض خود مختار حکمرانوں مثلاً قطری بن فجاءۃ الخارجی، عبداللہ بن زبیر اور مصعب بن زبیر نے مکے میں سکہ بنایا تھا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر پہلے شخص ہیں، جنہوں نے گول درہم بنایا، اور اس سے قبل گول درہم کاروان نہیں تھا۔

عبدالملک بن مروان (۶۵ تا ۸۶ھ) نے نظام زر کی اصلاح شروع کی، اور اس میں خالص اسلامی سکہ جاری کیا، چنانچہ عبدالملک بن مروان نے یہ سکہ حجاج بن یوسف اشقی کے پاس بھیجا، اور حجاج نے مختلف اطراف میں پھیلا یا، تاکہ اس کے مطابق سکہ بنائے جائیں۔

عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں باقاعدہ نگران بورڈ تھا جو ”درہم ضرب“ (جہاں سکے بنائے جاتے ہیں) کی نگرانی کرتا تھا، لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبدالملک بن مروان تاریخ اسلام میں زر کے ”مصلح اول“ ہیں۔

عمر بن ہبیرہ والی عراق (یزید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں) خالد بن عبدالملک بن بختی (ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں) اور یوسف بن عمر، ان لوگوں نے سکہ کا مہیا بہت بڑھایا، اور اس میں بہت سختی کی، اور خالص چاندی کا استعمال شروع ہوا، چنانچہ اسلامیہ کے دور میں ہبیری، خالدی اور یوسفی زر سب سے عمدہ شمار ہوتا تھا، اور منصور تو خراج وغیرہ میں اس کے علاوہ کوئی اور زر قبول بھی نہیں کرتے تھے۔

اس زمانے میں درہم کو کھوٹ سے سختی کے ساتھ بچایا گیا، اور بہت بڑا جرم قرار

دیا گیا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں ان کے پاس ایک آدمی لایا گیا، جس نے شاہی سکہ کے خلاف سکہ بنایا تھا، تو انہوں نے اس کو سزا دی اور اس کو جیل میں ڈلوادیا۔ عبدالملک بن مروان نے ایک آدمی کو اس طرح گرفتار کیا تھا، تو اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا، لیکن بعد میں اس کو معاف کیا، اور اس کو ویسی سزا دی۔

یہاں تک کہ دور عباسی آگیا، اور یہ دور جب اضطراب اور انتشار کا شکار ہو گیا، اور چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں وجود میں آگئیں، اس زمانے میں ملاوٹ اور کھوٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس کی کئی قسمیں بن گئیں:-

۱- وہ دراہم جن میں تانبے یا پیتل کی نسبت چاندی کا مادہ غالب رہتا تھا، یہ عباسی دور کا ابتدائی زمانہ تھا۔

۲- وہ دراہم جن میں چاندی اور کھوٹ دونوں برابر برابر تھے۔

۳- وہ دراہم جن میں چاندی کی نسبت دوسرا مادہ غالب تھا، یہ دراہم ظاہر برقوق کے زمانے میں وجود میں آئے، اور ان کو ”حمی زر“ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ کتب فقہ میں ”دراہم بہرجہ، دراہم ستوقہ“ کی اصطلاح اس قسم کے دراہم کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن ممانی فرماتے ہیں کہ ۳۰۰ھ کے بعد چاندی کم ہو گئی، اور نایاب ہو گئی، اور مصر میں خالص دراہم کی تعداد بہت کم ہو گئی، چنانچہ ان کی جگہ کھوٹ نے لیا، چنانچہ شام میں ایسے دراہم وجود میں آئے کہ ان میں چاندی ایک تہائی (۱/۳) سے بھی کم تھی۔

کہا جاتا ہے کہ عضد الدولہ نے مخلوط دراہم بنائے جن میں تانبا اور سیسہ بھرا ہوا تھا، تو شروع میں تجار نے ان کو لینے سے انکار کیا، صلاح الدین کی حکومت جب وسیع ہو گئی، اور سونا اور چاندی ختم ہو گئی، یعنی ان کا وجود نایاب ہو گیا، تو انہوں نے ایسے دراہم بنائے جن میں چاندی دو تہائی رکھی، اور باقی دوسرا مادہ رکھا گیا۔ اور یہی دراہم مصر اور شام میں بنو ایوب میں رائج رہے، اسی طرح پیرس میں ایسے دراہم وجود میں آئے جن میں ستر فیصد

چاندی اور باقی دوسرا مادہ ہوتا تھا۔

## فلوس کی تاریخ

کہا جاتا ہے کہ فلوس سے قبل لوگ گندم وغیرہ بطور ثمن استعمال کرتے تھے، اس کے بعد تانبے وغیرہ کے فلوس رائج ہو گئے، اس کے بعد ٹیکسال (دار الضرب) میں باقاعدہ گول فلوس بنائے جانے لگے، لیکن ان فلوس کی حیثیت بہت گنی گزری تھی، ان سے معمولی قسم کے معاملات انجام پایا کرتے تھے۔

مراجعت کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے عربی فلس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ میں ”بزنطی“ طرز پر بنایا، یہ فلوس بلادِ مصریہ میں پھیل گئے، ان فلوس پر عربی حروف میں ان کا نام بھی درج تھا۔

اس کے بعد ایسے فلوس بنائے گئے، جن پر ڈھالے جانے کی تاریخ اور مقام کا نام بھی درج ہوتا تھا، ان فلوس میں قدیم ترین فلوس ۹۰ھ کے ہیں۔ ابو الفضل حنفی نے خراسان میں فلوس کو خوب رواج دیا، چنانچہ وہ فلوس کے بارے میں کہتے تھے:-

”ہی فینا بمنزلة الفضة عندہم“

”یعنی فلوس ہمارے نزدیک فلوس کی حیثیت وہی ہے، جو ان کے

ہاں چاندی کی ہے۔“

اس زمانے میں اسی زر سے معاملات ہونے لگیں، اور یکے بعد دیگرے بادشاہ

فلوس بناتے رہیں، لیکن ۶۵۰ھ میں لوگوں کے پاس فلوس بہت زیادہ ہو گئے۔

تقریباً ۲۰ھ کے لگ بھگ امیر محمود نے قاہرہ میں فلوس ڈھالنے لگے، اور

دراہم کو ختم کر دیا، اور فلوس ہی سونے اور دوسرے معاملات کا معیار قرار دیا گیا، اب اس کا

مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں فلوس ہی نے اصل زر کی حیثیت اختیار کی۔

فلوس نے جب اصل زر کی حیثیت اختیار کی، تو ان کے اوزان اور ان کی تحدید بھی کی گئی، چنانچہ ۸۲۸ھ میں بادشاہ نے اعلان کیا کہ فلوس میں ہر رطل بارہ درہم کا برابر ہوگا، اس کے بعد اس کی قیمت زیادہ ہوگئی، اور اعلان کیا گیا کہ ہر رطل ۱۸ درہم کا ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

سکہ بنانے کا حق کس کو حاصل ہے؟

قانوناً تو یہ بات طے شدہ ہے کہ سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، عامۃ الناس سکہ نہیں بنا سکتے، اور اس طرح کرنا بہت بڑا قانونی جرم سمجھا جاتا ہے، اور اس پر تعزیری سزا جاری ہوتی ہے، لیکن شرعاً آیا سکہ بنانے کا اختیار کسی فرد کو حاصل ہے؟ اس سلسلے میں جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شرعاً بھی سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، کسی فرد کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی ملک کا سکہ بنائے، خواہ وہ سکہ، سکہ سلطانی کے موافق ہو یا اس سے مختلف ہو، اور اگر کسی نے اس طرح حرکت کی، تو یہ فساد فی الارض کے قبیل میں ہوگا، اور ایسا شخص مستحق تعزیر ہوگا، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے سکہ سلطانی کے خلاف اپنے طور پر سکہ بنایا تھا، انہوں نے اس کو سزا دی، اس کو جیل میں ڈلوادیا، اور اس کا سکہ جلا دیا۔

اسی طرح حضرت عبدالملک بن مروان نے ایک شخص کو گرفتار کروایا جس نے سکہ سلطانی کے خلاف سکہ بنایا تھا، انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا، لیکن بعد میں اس کو معاف کیا، اور اس کو دوسری قسم کی سزا دی۔

ڈاکٹر عدنان ترکمانی کہتے ہیں:-

وكره ذلك الامام مالك، وقال: انه من الفساد ولو كان

(۱) النقود الاثمانية، العمر (ابراهيم بن صالح العمر) بيروت، دارالعاصمة ۱۴۱۳ھ،

ص ۵۲ تا ۷۰

\_\_\_\_\_ السياسية النقدية والمصرفية، التركمانی (الدكتور عدنان خالد التركمانی)

بيروت، مؤسسة الرسالة ۱۴۰۹ھ (ص ۶۳)

الضرب علی الوفا کما روی عن سعید بن المسیب ان من  
یضرب النقود من غیر رجال الدولة او السلطة الحاکم  
یعتبر من الفساد فی الارض۔

اس کام کو حضرت امام مالکؒ نے مکروہ قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ یہ از  
قبیل فساد ہے، اگرچہ اس کے سکہ کی بناوٹ بادشاہ کے سکہ کے  
موافق ہو۔ اور حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ حکومت  
کے علاوہ اگر کسی شخص نے سکہ بنایا، تو یہ فساد فی الارض شمار ہوگا۔

البتہ حضرات حنفیہ کے ہاں اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ سکہ سلطانی کے موافق  
ہو، اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان لاحق نہ ہو۔

لیکن چونکہ اگر یہ اختیار ہر کسی کو حاصل ہو کہ وہ سکہ بنائے، تو اس زمانے میں اس  
کا فساد ہونا، اور اس کے معاشی نقصانات بالکل واضح ہیں، اس لئے حنفیہ کا مذہب بھی جمہور  
کا موافق ہو جائے گا، اور اب یہ سمجھا جائے گا کہ سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل  
ہے، حکومت کے علاوہ کسی بھی فرد کو یہ اختیار حاصل نہیں، خواہ اس کا بنایا ہو اسلئے سکہ سلطانی  
کے موافق ہو، یا مخالف ہو۔<sup>(۱)</sup>

## زر اور اس کے شرعی و اقتصادی وظائف

زر کے وظائف (Functions) سے مراد یہ ہے کہ زر انسانی معاشرے میں کیا  
کردار ادا کرتا ہے، اور زر بنی نوع انسان کی کیا خدمات انجام دیتا ہے۔

زر کے وظائف کے سلسلے میں ہم جب معاشیات کی کتابوں اور علماء و مفتہا کی  
عبارات کی مراجعت کرتے ہیں، تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ زر کے شرعی اور اقتصادی  
وظائف تقریباً ایک جیسے ہیں، اس لئے ہم کتب فقہ اور کتب معاشیات کی روشنی میں ان

(۱) السیاسة النقدية والمصرفية، الترمکمانی (الدکتور عدنان خالد الترمکمانی) بیروت،

مؤسسة الرسالة ۱۴۰۹ھ (ص ۶۷)

وظائف کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں، البتہ یہ بات یاد رہے کہ ماہرینِ معاشیات نے ان وظائف کو باقاعدہ عنوانات قائم کر کے ذکر کیا ہے، اور فقہائے کرام نے باقاعدہ عنوانات کی تصریح کے ساتھ ان کو ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ زکوٰۃ اور سود وغیرہ کے مسائل کے بیان کے ضمن میں ان کی جو عبارات مذکور ہیں، ان سے یہ وظائف باسانی اخذ کئے جاسکتے ہیں:

### ۱- آلہ مبادلہ (Medium of Exchange)

زر کا اولین فرض یہ ہے کہ یہ آلہ مبادلہ کا کام دیتا ہے، یعنی اشیاء اور خدمات کے خریدنے اور بیچنے کے وقت استعمال ہوتا ہے، اگر زر موجود نہ ہو، تو ہر شخص کو ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی شے دینی پڑے گی، یعنی اشیاء کا براہِ راست اشیاء کے ساتھ تبادلہ کرنا پڑے گا، ایسے نظام کو مقایضہ (Barter) کہا جاتا ہے، اور اس میں کئی مشکلات پیش آتی ہیں، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر ہو چکا ہے، لیکن زر کی بدولت یہ دشواری ختم ہوگئی، اب ہر شخص اپنی چیزیں زر کے عوض فروخت کر دیتا ہے، اور زر کی مدد ہی سے اپنی ضرورت کی اشیاء یا خدمات خرید لیتا ہے، آلہ مبادلہ کی حیثیت سے زر انسانی معاشرے کے لئے بہت ہی نافع اور مفید ہے، اور اس کے بہت فوائد ہیں، مثلاً صنعت کار خام مال اور مشینری خرید سکتے ہیں، مزدوروں کو اجرتیں ادا کر سکتے ہیں، زر کی مدد سے ہر چھوٹی موٹی چیز خریدی جاسکتی ہے۔

### ۲- معیارِ قدر (Standard of Value)

زر ”قدر“ کی پیمائش کے معیار کا کام دیتا ہے، جس طرح گندم کے وزن کی پیمائش باٹوں سے کی جاتی ہے، کپڑے کے طول و عرض کو میٹر یا گز سے ناپا جاتا ہے، اسی طرح چیزوں کی قدر و قیمت کو زر کے معیار پر ناپا جاتا ہے، اس کی بدولت ہر شخص اپنی اشیاء کی قدر کا اندازہ کر سکتا ہے، مثلاً ریڈیو ایک ہزار روپے کا ہے، کپڑا تیس روپے گز ہے، کتاب سو روپے کی ہے، وغیرہ۔



## ۳- ذخیرہ قدر (Store of Value)

زر قدر کو جمع کرنے یا ذخیرہ کرنے کے کام آتا ہے، انسان کو دولت جمع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ وہ آئندہ ضرورت پڑنے پر کام آسکے، یہ کام زرا انجام دیتا ہے، کیونکہ کوئی اور شیء مثلاً گندم یا بکریاں یہ کام انجام نہیں دے سکتیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ چیزیں فنا پذیر ہیں، اور دوم ان کی قیمت گھٹتی ہے، جبکہ زر کی قیمت عام حالات میں عام چیزوں کی طرح بدلتی نہیں رہتی، اور اس کے ضائع ہونے کا احتمال بھی کم ہوتا ہے۔

## ۴- آئندہ ادائیگیوں کا معیار (Standard of Deferred Payments)

انسانی معاشرے میں بعض ایسے باہمی معاملات ہوتے ہیں، جن کی ادائیگی ادھار ہوتی ہے، مثلاً: قرض، ادھار خرید و فروخت یہ مقصد زر کی مدد سے پورا ہو جاتا ہے، کیونکہ زر کی قدر میں بڑی حد تک استحکام پایا جاتا ہے۔

پروفیسر منظور علی کہتے ہیں:-

”غرض اگر زرنہ ہو، تو انسان کو اشیا، پیدا کرنے اور تبادلہ کرنے کے لئے قدیم فرسودہ نظام کی جانب لوٹنا پڑے، اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی میں حصہ ڈالنے والی ایجادوں میں ”زر“ ایک بہت بڑی ایجاد ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے انسانی تہذیب نے ترقی کے مرحلے تیزی سے طے کئے ہیں۔“<sup>(۱)</sup>

(۱) کتاب معاشیات حصہ دوم ص ۱۲۰

\_\_\_\_\_ احکام الاوراق النقدية للجمعيد

وفیما یسی بین تک الوظائف

۱- النقود وسيط للتبادل۔۔۔

۲- النقود مقياس للقيمة۔۔۔

۳- النقود مخزن للقيمة۔۔۔

(باقی صفحے پر)

۴- النقود وسيلة للمدفوعات الموجلة۔۔۔ ص ۶۱-۶۶

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے اس بارے میں کیا کہا ہے؟  
علامہ ابن العربی فرماتے ہیں:-

”دراہم و دنانیر کو توڑنا عظیم گناہ ہے، کیونکہ یہ اشیاء کی قیمتوں کو  
اندازہ کرنے کا ذریعہ ہے، اور اموال کی مقدار کی پہچاننے کا راستہ  
ہے، اور مبادلات میں استعمال ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بعض علماء  
نے ان کو مقادیر کے اختلاف یا مقادیر کے مجہول ہونے کے وقت  
اموال کے درمیان ”قاضی“ کہا ہے، (یعنی جب اموال کی  
مقداریں مختلف ہوں، یا مجہول ہوں، تو درہم یا دنانیر ہی اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

\_\_\_\_\_ السیاسیة النقديہ والمصرفیة فی الاسلام للترکمانی:

”ان للنقود وظیفَتین اساسیتین ووظیفَتین ثانویتین:

الوظائف الاساسیة للنقود : الوظیفۃ الاولی : النقود وسیط للتبادل --- الوظیفۃ الثانیة :

النقود كمعیار للقیمة --- الوظائف الثانیة للنقود، الوظیفۃ الاولی ثبوت النقود فی الذمة،

الوظیفۃ الثانیة : النقود مستودع للقیمة“ ص ۵۳-

The Theory of Money and Credit by Ludwing Von Mises P:41Ch:1

Modren Econmic Theory by Dewet:

"Money performs five important functions:

1. It is serves as a medium of exchange.
2. It is used as a store of value.
3. It is standard for measuring values.
4. Money serves as a standard for deffered payments.
5. It transfers value."P:412

Introduction to Economic Principles:

" Money performs four main functions:

- 1/ common medium of exchang
- 2/ A common measure of value.....
- 3/ Store of value.....
- 4/ A standard of deffered payments...."P315.

اختلاف اور جہالت کا تصفیہ کرتا ہے قاضی کی طرح۔“ (۱)

اس عبارت میں ابن العربی نے زر کے بنیادی وظائف بیان فرمائے ہیں، کہ زر قیمت کا معیار اور آلہ مبادلہ ہے۔

علامہ ابن الہمام نے بھی زر کو آلہ مبادلہ قرار دیا ہے کہ:-

”ان دونوں کی تخلیق ہی اس مقصد کے لئے ہوئی ہے کہ ان کے ذریعہ دیگر اشیاء حاصل کی جائیں.....“ (۲)

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:-

”زر کے ذریعے دیگر اشیاء کی قیمت معلوم کی جاتی ہے۔“ (۳)

علامہ ابن القاسم فرماتے ہیں:-

”سونا چاندی تمام اشیاء کی قیمتوں کا معیار ہے۔“ (۴)

علامہ ابن تیمیہ ”فلوس“ کے بارے میں فرماتے ہیں:-

”جو فلوس تعامل میں ہوں، ان میں اثمان کے معنی غالب کئے جائیں

گے، اور لوگوں کے اموال کا معیار سمجھیں جائیں گے۔“ (۵)

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:-

(۱) احکام القرآن، ابن العربی، (ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی

متوفی ۵۶۳ھ، بیروت، دارالمعرفة (۳-۱۰۶۲)

(۲) فتح القدير (۲-۱۵۵)

(۳) المبسوط، السرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، دارالمعرفة، ۱۰۱۵ھ

(۲-۱۹۳)

دوسری جلد فرماتے ہیں: ”انه تقوم الاموال بهما وان لا مقصود فيهما سوى انهما قيم الاشياء،

وبهما تعرف خيرة الاموال ومقاديرها۔“ (۳-۲۰)

(۴) بحوالہ احکام الاوراق النقدية والتجارية، ص ۷۰۔

(۵) مجموع الفتاوى (۲۹-۳۶۱)

”دراہم و دنانیر فروخت شدہ اشیاء کے اثمان ہیں، اور ثمن وہ معیار ہے، جس سے اموال کی قیمتیں متعین کی جاتی ہیں۔“<sup>(۱)</sup>

یہ چند حوالہ جات صرف بطور نمونہ بیان کئے گئے، جن سے بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ علمائے اسلام کی عبارات میں زر کے وہی وظائف مذکور ہیں، جو ماہرین معیشت ذکر کرتے ہیں۔

نوٹ:- وظائف زر کی اس تفصیل میں آپ نے کہیں یہ نہیں دیکھا کہ کسی ماہر اقتصاد یا فقیہ نے زر کا یہ وظیفہ بھی بیان کیا ہو کہ یہ محل تجارت بھی ہے، جس سے یہ بات بالکل صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ زر کا وظیفہ تجارت ہے ہی نہیں، لہذا ۱ زر کی تعریف، ۲ زر کی حقیقت اور ۳ زر کے وظائف ان تینوں مباحث سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ زر صرف آلہ مبادلہ ہے، آلہ تجارت نہیں۔

### افراط زر اور تفریط زر (Inflation and Deflation)

اس بحث کا اصل محل اس مقالے کا باب ششم ہے، جس کا عنوان ہی ”قدر زر“ (Value of Money) ہے، اس لئے اس کی اصل تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ اسی باب میں بیان کی جائیں گی، جن میں افراط و تفریط زر کے عوامل و اسباب (Causes) اس کے اثرات (Effects) اور مختلف اقسام و انواع (Kinds) پر مفصل روشنی ڈالی جائے گی، یہاں ہم صرف افراط اور تفریط زر کے معنی و حقیقت بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے:

افراط اور تفریط ایک دوسرے کی ضد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، کیونکہ لغوی معنی کے اعتبار سے ”افراط“ زیادت، مبالغہ اور کمال کو کہتے ہیں، جبکہ ”تفریط“ کمی اور تقصیر کو کہتے ہیں، لہذا افراط زر اور تفریط زر کے لغوی معنی زر کے بڑھنے اور گھٹنے کے ہوئے، اصل اصطلاحی معنی بھی لغوی معنی کے قریب ہیں، کیونکہ:-

(۱) اعلام الموقعین (۲/۱۳۷، ۱۳۸)

جب زر کا پھیلاؤ زیادہ ہو جائے، تو اشیاء کی طلب (Demand) بڑھ جاتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اشیاء کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے زر کی قدر (Value) میں کمی آ جاتی ہے، اس صورت حال کو 'افراط زر' (Inflation) کہا جاتا ہے، اس کے برعکس جب زر کا پھیلاؤ کم ہو جائے، جس سے اشیاء کی قیمتوں میں کمی ہو جاتی ہے، اور زر کی قدر میں اضافہ ہو جاتا ہے، تو اس صورت حال کو 'تفریط زر' (Deflation) کہا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

خلاصہ یہ کہ زر کے زیادہ پھیلاؤ سے اشیاء کی قیمت میں اضافہ اور زر کی قدر میں کمی ہو جاتی ہے، اور کم پھیلاؤ کی صورت میں صورت حال معکوس ہو جاتی ہے، گویا کہ اشیاء کی قیمتیں اور زر کی قدر دونوں متضاد سمتوں (Directions) میں سفر کرتے ہیں۔

قیمت شئی ↑ قدر زر ↓ → ← قیمت شئی ↓ قدر زر ↑

اس اصطلاح کی اصل حقیقت تو یہی ہے، لیکن بعد میں اس میں عموم ہوا، اور اس کو اشیاء کی قیمتوں میں ہر اضافے کے لئے استعمال کیا گیا، خواہ وہ اضافہ زر کے پھیلاؤ کی وجہ سے ہو، یا دیگر عوامل کی وجہ سے، جس کی تفصیل باب ششم میں آئے گی۔



(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت (ص ۱۰۸) جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی

مراجع اضافیہ:-

زر اور بنک داری (ص ۱۸۳) شیخ عطاء اللہ ایم اے

زر اور بنکاری (ص ۸۳) شیخ مبارک علی

مقدمة فی النقود والبنوك (ص ۶۸) الدكتور محمد زکی الشافعی

## بَابِ دَوْمِ

## رِبَا (سَوْد)

اَحْكَامِ زَرِّ مِی سَب سَے اِہْمِ حَکْمِ چَوْنِکَہ ”رِبَا“ (Interest) کَا ہَے، جِیسا کَہ اِگْلَے اِبواب سَے اِن شِءِ اللہ تَعَالٰی مَعْلُومِ ہُو جَاوے گا، اِس لَئے ضَرُورِی ہَے کَہ رِبَا کِی تَعْرِیْف اور دِیْگَر بَعْضِ مَتَعَلِقَہ بَاتُوں کُو اِس بَابِ مِی اِخْتِصَارِ کَے سَا تِھ بِیَان کِیا جَاوے۔

## تَعْرِیْفِ رِبَا

”رِبَا“ لَغَوِی مَعْنٰی کَے اِعْتِبَارِ سَے زِیَادَتِی اور بڑھوتری کُو کہتے ہِی، اور اِصْطِلَاحِی مَعْنٰی کَے اِعْتِبَارِ سَے اِس کَا اِطْلَاقِ دو مَعْنُوں پَر ہوتا ہَے:

## رِبَا النَسِیْہِ اور رِبَا الفِضْلِ

”رِبَا النَسِیْہِ“ کُو رِبَا الْقُرْآنِ، رِبَا الْجَاهِلِیَہ اور رِبَا الْقَرْضِ بَھِی کہتے ہِی، اور ”رِبَا الفِضْلِ“ کُو رِبَا الْحَدِیْثِ اور رِبَا الْبَیْعِ بَھِی کہتے ہِی۔

رِبَا النَسِیْہِ کُو رِبَا الْقُرْآنِ اِس لَئے کہتے ہِی کَہ قُرْآنِ کَرِیْمِ کِی مَتَعَدِّدِ اَیَاتِ نَے اِس کُو براہِ رِاسْتِ مَمْنُوعِ قَرَارِ دِیا ہَے، جِیسا کَہ ”دَلَالِ حَرْمَتِ“ سَے وَاضِحِ ہُو جَاوے گا، اور اِس کُو رِبَا الْجَاهِلِیَہ اِس لَئے کہتے ہِی کَہ زَمَانَہٗ جَاهِلِیَّتِ مِی اِس کَا رِوَاجِ تِھَا، اور اِہْلِ جَاهِلِیَّتِ بَھِی اِس کُو رِبَا ہِی کہتے تِھَے، اور اِس کُو رِبَا الْقَرْضِ اِس لَئے کہتے ہِی کَہ اِس کَا تَعَلِقِ قَرْضِ سَے ہَے، کیونکَہ نَسِیْہِ کَے مَعْنٰی اُدھارِ کَے ہِی۔

”رِبَا الفِضْلِ“ کُو رِبَا الْحَدِیْثِ اِس لَئے کہتے ہِی کَہ یَہِ قِسمِ صَرَفِ الْفَاظِ قُرْآنِ سَے

نہیں سمجھی گئی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہوئی، جیسا کہ ”دلائل حرمت“ سے واضح ہو جائے گا، اور اس کو ربا البیع اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق بیع سے ہے، کیونکہ فضل کے معنی زیادت کے ہیں، چنانچہ ابن العربی احکام القرآن<sup>(۱)</sup> میں فرماتے ہیں:-

”الربا فی اللغة الزیادة، والمراد فی الآیة کل زیادة لا یقابلها

عوض۔“

”ربالغت میں زیادتی کو کہتے ہیں، اور آیت کریمہ میں اس سے مراد

بروہ زیادتی ہے، جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو۔“

ابن العربی کی یہ تعریف ربا النسیئہ اور ربا الفضل دونوں کو جامع ہے، کیونکہ ایسا

اضافہ جو کسی عوض کے مقابلے میں نہ ہو، یہ ربا النسیئہ میں بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں اپنا

قرض پورا پورا لیا جاتا ہے، اور اس پر سود (Interest) کے نام سے جو اضافہ ملتا ہے، وہ بے

معاوضہ ہوتا ہے، اور ربا الفضل میں بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں دو چیزوں کا مبادلہ ہوتا

ہے، اور کسی ایک جانب میں ایسی زیادتی پائی جاتی ہے، جو کسی معاوضے کے بدلے میں نہیں

ہوتی، لہذا ابن العربی کی تعریف اپنی جامعیت کی بناء پر عمدہ تعریفات میں شمار کی جاتی ہے۔

امام ابو بکر بھاص احکام القرآن<sup>(۲)</sup> میں ربا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”وهو القرض المشروط فیہ الاجل وزیادة مال علی

المستقرض“

”قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدت ادائیگی اور مقروض پر

(۱) احکام القرآن، ابن العربی (محمد بن عبد اللہ م ۵۴۳ھ) بیروت، دار المعرفۃ، طبع سوم ۱۳۹۲ھ (۲۰۲۰ء)۔

(۲) احکام القرآن، الجصاص (احمد بن علی الجصاص م ۱۳۰۰ھ) سہیل اکیڈمی (۱۵۷۰ء) لاہور پاکستان

مال کی کوئی زیادتی متعین کر لی گئی ہو۔“

علامہ جصاص نے ”القرض“ کی قید لگا کر اس تعریف کو اس قسم کے ساتھ خاص کر دیا، یعنی ربا بالنسیئہ کے ساتھ۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب علامہ جصاص کی اس تعریف کے بارے میں فرماتے ہیں:-

”وان هذا التعريف يشمل سائر انواع ربا النسئية وكان هذا الربا محرما في سائر الاديان السماوية، وتوجد نصوص تحريمه حتى الآن في مجموعة الكتاب المقدس، وراجع سفر الخروج ٢٢: ٢٥ وسفر الاحبار ٢٥: ٣٥ وسفر التثنية ٢٣: ٢٠ من اسفار التوراة، وزبور داود عليه السلام ١٥: ٥، وسفر امثال سليمان عليه السلام ٨: ٢٨ وسفر نحميا ٥: ٤، وسفر حزقيل عليه السلام ١٨: ٨، ١٣، ١٤، ١٢، ٢٢“

”یہ تعریف ربا بالنسیئہ کی تمام اقسام کو شامل ہے، اور ربا کی یہ قسم تمام آسمانی ادیان میں حرام رہی ہے، چنانچہ اس کی حرمت کی نصوص ابھی تک کتاب مقدس میں موجود ہیں، اس کے لئے ملاحظہ ہوں: خروج: ٢٢: ٢٥، احبار: ٢٥: ٣٥، استثناء: ٢٣: ٢٠، زبور داؤدی: ١٥: ٥، سفر امثال سلیمان علیہ السلام: ٨: ٢٨، سفر نحمیاہ: ٥: ٤، اور اسفار حضرت حزقیل علیہ السلام: ١٨، ١٣، ١٤، ٢٢، ١٢“ (۱)

(۱) تکملہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۳ طبع اول ۱۴۰۵ھ (۱/۵۶۷)۔



## ”ربا النسیۃ“ کی تعریف پر مشتمل ایک مشہور حدیث کی تشریح و تحقیق

”کل قرض جر نفعاً فهو ربا“ رواہ الحارث بن ابی اسامۃ فی

مسندہ عن علی رفعہ

”حارث بن ابی اسامہ نے اپنے ”مسند“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

سے مرفوعاً روایت کی ہے، کہ جو قرض کچھ نفع کمائے، وہ ربا ہے۔“<sup>(۱)</sup>

اس حدیث شریف میں ”قرض“ کا لفظ موجود ہے، اس لئے اس کا تعلق ربا

النسیۃ سے ہی ہے۔

اس روایت پر سند کی حیثیت سے اگرچہ جرح ہوئی ہے، لیکن چونکہ دوسری

روایات و آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، اور

محدثین کرام کے نزدیک صالح للعمل ہے، بلکہ اُمت کی طرف سے اس کو ”تلقی

بالقبول“ حاصل ہے، جیسا کہ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب ”مسئلہ سود“<sup>(۲)</sup> میں اس

حدیث سے متعلق فرماتے ہیں:-

”یہ حدیث علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کی ہے، اور فیض

التقدیر شرح جامع صغیر میں اگرچہ اس کی سند پر جرح کی ہے، اسناد کو

ضعیف بتلایا ہے، لیکن اس کی شرح سرانج المنیر عزیزی نے اس کے

متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں: قال الشیخ: حدیث حسن لغیرہ، یعنی

یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، کیونکہ دوسری روایات و آثار سے اس

کی تائید ہوتی ہے، بہر حال یہ روایت محدثین کے نزدیک صالح

للعمل ہے۔“

(۱) کشف الخفاء، الجراحی (اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی م ۱۶۳ ھجری)

بیروت، مؤسسة الرسالة، طبع سوم ۱۴۰۳ھ (۲/۱۶۲)

(۲) مسئلہ سود (ص ۱۵)، ادارۃ المعارف کراچی طبع جدید، ۱۳۹۹ھ۔

امام الحرمین اور امام غزالی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔<sup>(۱)</sup>  
 نیز یاد رکھنا چاہئے کہ جمہور فقہاء و محدثین نے اس حدیث کو ایک اصول کے طور پر قبول کیا ہے، اور فقہاء و محدثین کی یہ ”تلقی بالقبول“ اس بات کی بذات خود ایک مستقل دلیل ہے کہ یہ اصول قرآن و سنت کے عین مطابق ہے، لہذا بعض عربی مصنفین اور علماء<sup>(۲)</sup> کا اس حدیث کو دیگر احادیث کا معارض قرار دینا یا اس کی صحت سے بالکل انکار کرنا درست نہیں۔

مذکورہ حدیث میں ”منفعت“ سے مراد ہر وہ منفعت مراد ہے، جو مشروط یا معروف ہو، کیونکہ معروف بھی بیشتر احکام شرعیہ میں مشروط کے حکم میں ہے، چنانچہ امام ابو بکر جصاص وغیرہ نے جو تعریف بیان فرمائی ہے، اس میں ”المشروط“ کی قید اس لئے لگائی ہے، نیز منفعت عام ہے، خواہ مال کی شکل میں ہو، یا کسی اور شکل میں ہو، لہذا اب مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ”قرض کی وجہ سے جو بھی مشروط یا معروف نفع خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، حاصل ہو، وہ سود ہے، اور اس سے بچنا واجب ہے۔“  
 مذکورہ بالا تشریح و مطلب میں دو باتیں آگئیں:-  
 ۱- حدیث میں نفع سے مراد مشروط یا معروف نفع ہے۔  
 ۲- نفع عام ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو۔

(۱) تلخیص الحبیر، العسقلانی (علامہ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲) الریاض، مکتبہ نزار مصطفی الباز، طبع اول ۱۴۱۷ھ (۳/۹۹۷)  
 ”قال عمر بن بدران المغنی: لم یصح فیہ شیء، واما امام الحرمین، فقال: ”انه صحیح“ وتبعه الغزالی۔“

فتح القدير (۳۵۶/۶)

(۲) ان میں سے ڈاکٹر رفیق یونس مصری (الجامع فی اصول الربا)، شیخ صالح بن فوزان الفوزان (الفرق بین البیع والربا)، اور ڈاکٹر عبداللہ بن محمد بن حسن السعیدی (الربا فی المعاملات المصرفية المعاصرة)۔

پہلی بات کی دلیل وہ تمام احادیث و روایات ہی، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کئی واقعات میں قرض لے کر ادائیگی کے وقت کچھ زیادہ عطا فرمایا۔<sup>(۱)</sup>

اور دوسری بات کی دلیل یہ ہے کہ ائمہ اربعہ نے بہت سی ایسی صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے، جن میں مترض کو اپنے دیئے ہوئے قرض پر کچھ نفع حاصل ہو رہا ہے، حالانکہ وہ نفع ”مال“ کی شکل میں نہیں ہوتا، اور ممانعت کی بنیاد یہی حدیث شریف ہے، مثلاً:

۱- شیء مہون سے مشروط یا معروف انتفاع حرام ہے۔<sup>(۲)</sup>

۲- قرض خواہ کے لئے مقروض کی سواری پر سوار ہونا یا قرض کی وجہ سے اس کے

گھر میں کھانا کھانا جائز نہیں۔<sup>(۳)</sup>

۳- اگر کوئی کسی کو اس شرط پر قرض دے کہ مقروض اس کو اپنا مکان فروخت

کرے گا، تو یہ ناجائز ہے۔<sup>(۴)</sup>

۴- ”سُفْتَجَه“ کو اسی حدیث کی بناء پر ائمہ نے ممنوع قرار دیا ہے، حالانکہ اس

(۱) مجمع الزوائد، الہیتمی (الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی م ۸۰۷ھ) بیروت، لبنان، دارالکتاب طبع دوم ۱۹۶۷ء، (۱/۲۱۱)

”استسلف النبی ﷺ من رجل من الانصار اربعین صاعاً، فاحتاج الانصاری فاتاه، فقال رسول ﷺ ماجاء ناشی، فقال الرجل واراد ان يتكلم، فقال رسول الله ﷺ لا تقل الا خیراً، فانا خیر من تسلف، فاعطاه اربعین فضلاً واربعین لسلفه فاعطاه بمائتین۔“

”عن عطاء بن یعقوب قال استسلف ابن عمر منی الف درهم فقضانی اجود منها، فقلت له ان دراهمك اجود من دراهمی، قال ما كان فيها من فضل نازل لك من عندی۔ ومالی ذلك من الاحادیث۔“

(۲) الدر المختار ورد المحتار (۱۰/۷۰)

(۳) الفقہ الاسلامی وادلتہ الزحیلی (الدكتور وهبه الزحیلی) بیروت دارالفکر (۲/۲۲)

(۴) مرجع سابق

میں کوئی زیادتی مال نہیں۔<sup>(۱)</sup>

لہذا یہ کہنا کہ منفعت جو حرام ہے اس سے مراد صرف ”زیادتی مال“ ہے، درست نہیں، جیسا کہ ماضی قریب کے ایک ماہر اقتصاد شیخ محمود احمد مرحوم<sup>(۲)</sup> نے علامہ جصاص وغیرہ کی تعریفات کے ظاہر کو دیکھ کر یہ بات کی ہے، کیونکہ ان تعریفات میں ”مال“ کا لفظ موجود ہے۔

حالانکہ ان تعریفات میں ”مال“ کی قید تغلیباً ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں زیادہ تر اسی طرح ہوتا تھا، تو یہ کوئی قید احترازی نہیں، کیونکہ اس صورت میں علامہ جصاص کی تعریف خود مذکورہ حدیث (جس میں منفعت عام ہے) کی معارض ہو جائے گی، نیز بہت سارے علمائے اسلام نے ربا کی تعریف میں ”مال“ کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔<sup>(۳)</sup>

خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث کی رو سے قرض پر ہر مشروط یا معروف نفع حاصل کرنا خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، ”ربا النسئہ“ ہے، اور قرآن و حدیث کی روشنی میں حرام اور ممنوع ہے، اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

اور ”سفتجہ“ اس کی جمع سفتج ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زید مثلاً تاجر ہے، تو عمر و اس قرض دیتا ہے، لیکن عمر و اس کو قرض دیتے وقت یہ شرط عائد کرتا ہے کہ یہ قرض میرے شہر میں جو میرا دوست یا میرے والد ہیں، ان کو ادا کرنا، اس کو فقہائے کرام نے ممنوع قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں مقرض یعنی عمر و کو راستے کے خطرات سے بچاؤ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، جو ”قرض جرنفعا“ میں داخل ہے، اور ممنوع ہے۔ دیکھئے! الشامیہ (۲۹۸/۷)۔

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۳/۲۳۴)

(۲) کتاب سود کی متبادل اساس۔ شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء۔

(۳) مسئلہ سود۔

## ربا الفضل

ربا الفضل سے مراد وہ اضافہ ہے جو کچھ مخصوص اجناس کے باہمی تبادلے پر

حاصل ہو۔

ربا الفضل کے سلسلے میں حدیث مشہور ہے، جسے ”اشیائے ستہ“ والی حدیث کہتے

ہیں، کیونکہ اس میں چھ چیزوں کا ذکر موجود ہے، اس حدیث کے الفاظ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں!

”الذهب بالذهب مثلاً بمثلًا والفضة بالفضة مثلاً بمثلًا،  
والتمر بالتمر مثلاً بمثلًا والبر بالبر مثلاً بمثلًا، والملح  
بالمح مثلاً بمثلًا، والشعير بالشعير مثلاً بمثلًا فمن زاد  
او ازداد فقد اربى، بيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم يدا  
بيد، الحديث<sup>(۱)</sup>

”سونے کو سونے کے بدلے میں برابر برابر پیچو، چاندی کو چاندی  
کے بدلے میں برابر برابر پیچو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر برابر  
پیچو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر برابر پیچو، نمک کو نمک کے  
بدلے میں برابر برابر پیچو، جو کو جو کے بدلے میں برابر برابر فروخت  
کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے  
گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے، فروخت  
کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس  
طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔“

یہ حدیث مختلف کتابوں<sup>(۲)</sup> میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے، لیکن حاصل سب کا

(۱) کنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث ۴۶۶۹۔

(۲) مثلاً صحیح مسلم، القشیری (ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری) باب المساقاة

صحیح البخاری، البخاری (ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری) باب المساقاة

سنن ابی داؤد السجستانی (سلیمان بن الأشعث بن اسحاق السجستانی)، البیوع

ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ مخصوص اجناس کے باہمی تبادلے کے وقت کسی ایک جانب اضافے سے آپ نے ممانعت فرمائی ہے۔

اس حدیث شریف میں صرف چھ چیزوں کا ذکر ہے، لیکن اس پر اتفاق ہے کہ ربا صرف ان چھ چیزوں کے تبادلے میں منحصر نہیں، بلکہ اور چیزیں بھی اس ممانعت میں آسکتی ہیں، اب یہ کس طرح معلوم ہوگا، اس کے لئے مجتہدین نے ”تعلیل“ کا سہارا لیا، یعنی اس حدیث میں سوچا گیا کہ ان چیزوں کے باہمی تبادلے میں اضافے کو کس علت کی بنیاد پر ممنوع قرار دیا ہے؟ چنانچہ ہر مجتہد نے اجتہاد کر کے اپنے اجتہاد کے مطابق علت نکالی، اور اس علت پر مزید احکام متفرع کئے، جس کی تفصیل کتب فقہ اور کتب اصول فقہ میں مذکور ہے۔

### حرمتِ ربا کے دلائل کا خلاصہ

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي  
يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ  
الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا۔ الْآيَةُ<sup>(۱)</sup>

”جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے، جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو، اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام الخ“

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ  
أَثِيمٍ<sup>(۲)</sup>

(۱) سورة البقرة آیت ۲۷۵

(۲) سورة البقرة آیت ۲۷۶

”اللہ سود کو مٹاتا ہے، اور خیرات کو بڑھاتا ہے، اور تمام ایسے لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں، جو ناشکرے اور گنہگار ہوں۔“

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ  
الآية<sup>(۱)</sup>“

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جس قدر سود رہ گیا ہے، اسے چھوڑو، اگر تم ایمان والے ہو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا، تو پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ.....“

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً الْآيَةُ<sup>(۲)</sup>  
”اے ایمان والو! سود مت کھاؤ چند در چند.....“

عن ابن مسعود قال: لعن رسول الله ﷺ أكل الربا وموكله<sup>(۳)</sup>

وفي رواية لمسلم وغيره: لعن رسول الله ﷺ أكل الربا، وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء“

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے، اور ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے سود کھانے، سود کھلانے، لکھنے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت کی ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔“

(۱) سورة البقرة آیت ۲۷۱

(۲) سورة البقرة آیت ۲۷۱

(۳) بخاری کتاب الطلاق، مسلم کتاب المساقاة، ابوداؤد کتاب البيوع، وغيرها

”الربا بضع وسبعون بابا والشرك مثل ذلك“<sup>(۱)</sup>

”سود کی خرابیاں ستر سے اوپر ہیں، اور شرک اس کے برابر ہے۔“

”الدرهم يصيبه الرجل من الربا اعظم عند الله من ثلاثة وثلاثين زينة يزنيها في الاسلام“<sup>(۲)</sup>

”سود کا ایک درہم اللہ کے نزدیک تینتیس مرتبہ زنا سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے، جو زنا حالتِ اسلام میں انسان کرے۔“

”الربا ثلاث وسبعون بابا يسرها مثل ان ينكح الرجل امه“<sup>(۳)</sup>

”سود کے تہتر قسم کی خرابیاں ہیں، ان میں سب سے معمولی یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔“

”ما احد اكثر من الربا الا كان عاقبة امره الى قلة“<sup>(۴)</sup>

”جس شخص نے سود کے ذریعے سے زیادہ مال کمایا، انجام کار اس میں کمی ہی ہوگی۔“

”اذا ظهر الزنا والربا في قرية فقد احلوا بانفسهم عذاب الله“<sup>(۵)</sup>

”کسی بستی میں زنا اور سود کا کاروبار پھیل جائے، تو بستی والوں نے اللہ کا عذاب اپنے اوپر اتار لیا۔“

(۱) رواه البزار ورواته رواة الصحيح، وهو عند ابن ماجه باسناد صحيح باختصار۔

(۲) الطبرانی الكبير، الطبرانی (سليمان بن احمد م ۳۴۵)

(۳) مستدرک حاکم، الحاکم (محمد بن عبد الله الحاکم م ۳۴۵)، بیروت، دارالکتب

العلمية، ۱۴۱۱ھ

(۴) ابن ماجه والحاکم

(۵) المستدرک للحاکم



”مامن قوم یظہر فیہم الربا الا اخذوا بالسنة“ الحدیث<sup>(۱)</sup>  
 ”جس قوم میں سود پھیل جائے، وہ یقیناً قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی  
 ہے۔“

”بین یدی الساعة یظہر الربا“ الحدیث<sup>(۲)</sup>

”قیامت سے پہلے سود کی کثرت ہو جائے گی۔“

”لیاتین عسی الناس زمان لا یبقی احد الا اکد الربا، فمن  
 لم یاکله اصابه من غبارہ۔“<sup>(۳)</sup>

”ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی بھی شخص سود خوری سے بچے گا نہیں، اور  
 اگر وہ بچ بھی گیا، تو اس کا اثر اس تک ضرور پہنچے گا۔“

یہ چند قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ ہم نے سود اور ربا کی وعید سے متعلق  
 یہاں ذکر کی، یہ صرف بطور ایک نمونے کے ہیں، ورنہ سود خوری کی مذاہن سے متعلق اور  
 کئی متعدد احادیث اور روایات موجود ہیں، جن میں سود خوری اور سودی معاملات کرنے  
 کے بارے میں بہت شدید وعیدیں اور سزائیں مذکور ہیں، اگر ان احادیث کی تفصیل  
 مطلوب ہو، تو مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے مشہور رسالہ ”مسئلہ سود“ کا مطالعہ  
 فرمایا جائے، جو خاص سود ہی کے موضوع پر ہے، اور اس میں سود کی وعیدوں سے متعلق  
 پہلی حدیث موجود ہیں۔

نیز شرکت و مضاربت کے موضوع پر ڈاکٹر عمران اشرف عثمانی صاحب کا مقالہ  
 کئی ان احادیث کے مطالعے کے لئے موزوں ہے، یہ مقالہ پی ایچ ڈی کے لئے لکھا گیا  
 ہے، اور جامعہ کراچی کے منظور کیا ہے، اور اب مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل

۲۔ المعجم الطبری

۳۔ سنن ابی داؤد

اللہ تعالیٰ سود کی لعنت سے اور اس کی وعیدوں سے پوری امت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔

## علت کے معنی اور علت و حکمت میں فرق

لغت میں ”علت“ عین کے کسرے کے ساتھ ”بیماری“ کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں علت کی متعدد تعریفات کی گئی ہیں:-<sup>(۱)</sup>

”علت“ کی مشہور تعریف کا حاصل درج ذیل ہے:-

”علت اس شئی کو کہتے ہیں جو نص کے حکم کے لئے علامت ہو، اور نص

میں موجود ہو، اور جب یہ علامت غیر نص (فرع) میں پائی جائے، تو

اس کی بنیاد پر غیر نص کو بھی وہ حکم مل جاتا ہے۔“<sup>(۲)</sup>

(۱) مباحث العلة فی القیاس عند الاصولیین، الہیتی (عبدالحکیم عبد الرحمن السعد السعدی الہیتی العراقی، بیروت، لبنان، دارالبشائر الاسلامیة طبع اول ۱۴۰۶ھ (ص ۶۸)۔  
”واما بالكسر فانها تأتي بمعنی المرض۔۔۔ وعلماء الاصول لهم تعریفات کثیرة للعلة۔۔۔ اھ“

(۲) کشف الاسرار شرح نور الانوار، النسفی (ابو البرکات عبد اللہ بن احمد المعروف ب”حافظ الدین النسفی“ م ۷۱۰ھ)، بیروت، دارالکتب العلمیہ، طبع اول ۱۴۰۶ھ  
”ما جعل علما علی حکم النص مما اشتمل علیہ النص وجعل الفرع نظیرا له فی حکمہ بوجودہ فیہ“ (۲/۲۴۸)

\_\_\_\_\_ حاشیة جامع الاسرار فی المنار للنسفی للکاکی، الافغانی (فضل الرحمن عبد الغفور الافغانی)

”قلت: اختلفت عبارات الاصولیین فی تعریف العلة واوضح تعریفاتہا واحسنہا فی نظری ہو ما عرفہ بعضهم بقوله:

”الوصف الخارج المناسب للحکم بحيث یكون مضافا لیه“ (۳/۱۸۳)

”علت اس خارجی وصف کو کہتے ہیں، جو حکم کے لئے مناسب ہو، اور حکم اس کی طرف مضاف ہو۔“

The Historic Judgment on Interest

Justice Muhammad Taqi Usmani

"The Illat is the basic feature of a transaction without which the relevant law cannot be applied to it." P: 80

لیکن تمام تعریفات کا جو حاصل نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ علت غیر منصوص میں مدار حکم ہوتی ہے، اگر علت ہو، تو حکم بھی موجود ہوگا، اور اگر علت نہ ہو تو حکم بھی موجود نہیں گا، البتہ علت منصوص میں مدار حکم نہیں ہوتی، اور نہ ہی منصوص میں حکم اس کی طرف مضاف ہوتا ہے، بلکہ یہاں حکم خود نص کی طرف مضاف ہوگا، لأن النص اولی و اقوی من العلة۔<sup>(۱)</sup>

حکمت (Wisdom): - حکمت لغت میں مضبوطی اور استحکام کو کہتے ہیں، اور

اصطلاح میں حکمت کی تعریف درج ذیل ہے:-

”حکمت اس مصلحت کو کہتے ہیں، جس کی وجہ سے کوئی حکم مشروع ہوا

ہو، خواہ وہ مصلحت منفعت کے حصول کی شکل میں ہو، یا دفع ضرر کی

شکل میں۔“<sup>(۲)</sup>

یعنی شارع نے کسی کام کو کرنے کا حکم دیا ہے، یا کسی کام کرنے سے منع کیا ہے۔

(۱) نسمات الاسرار علی المنار، الشامی (علامہ ابن عابدین الشامی) کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ضلع سوم ۱۴۱۸ھ

ثم هو علم علی حکم فی الفراء عند اکثر مشائخنا لان حکم فی الفرع مضاف الیہ لا حکم فی الاصل عندهم“ (ص-۲۱)

(۲) حکمت التشریح الاسلامی فی تحریم الربا۔ ڈاکٹر یوسف حامد العالم، دارجامعہ ام درمان الاسلامیہ، طبع اول ۱۴۰۳ھ (ص ۳۰)

”من المتفق علیہ بین جمهور العلماء المسلمین ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ ماشرع حکماً الا لمصلحة عباده وان هذه المصلحة اما جلب نفع لهم واما دفع ضرر عنهم“

مباحث العلة فی القیاس عند الاصولیین، الہیتی (عبد الحکیم عبدالرحمن)

”فالجمهور یطلقها علی ما یترتب علی التشریح من جلب مصلحة او تکمیلها او دفع مفسدة او تقلیلها“ (ص ۱۰۵)

The Historic Judgment on Interest (by Justice Muhammad Taqi Usmani)

”The Hikmahat is the wisdom and the philosophy taken into account by the legislator while framing the law ...“ P:80

”حکمت اس مصلحت اور فلسفے کو کہتے ہیں، جو مقنن قانون وضع کرتے وقت پیش نظر رکھتا ہے۔“

اس میں پیش نظر یہ ہے کہ بندہ اس کام کرنے کی وجہ سے فلاں فائدہ حاصل کرے، یا فلاں نقصان سے بچ جائے، یا ممانعت کی صورت میں کام نہ کرنے کی وجہ سے فلاں فائدہ حاصل کرے، یا فلاں نقصان سے بچ جائے، یہ حکم کی حکمت ہے۔

فرق: - علت اور حکمت کی تعریف سے دونوں میں فرق خود بخود واضح ہو گیا، کہ علت مدار حکم ہے، لہذا شرعی احکام کا مدار و مدارِ علل پر ہوگا، حکمت پر نہیں، کیونکہ حکمت بعض اوقات بالکل مخفی ہوتی ہے، اور بندوں کو اس پر بالکل اطلاع نہیں ہوتی، اب اگر حکمت پر حکم کا مدار ہو، تو اس صورت میں حکم معطل ہو جائے گا، مثلاً: -

مسافر کے لئے ”قصر“ کا حکم ہے، اب اس حکم کی تشریح میں حکمت و مصلحت ”مشقت“ سے بچنا ہے، لیکن کہاں مشقت ہے، اور کہاں مشقت نہیں ہے، یہ فیصلہ نہایت مشکل ہے، اس لئے مذکورہ حکم کے لئے علت ”سفر“ کو مقرر کیا گیا، اب حکم کا مدار مشقت پر نہیں، بلکہ سفر شرعی پر ہے، سفر شرعی ہے، تو قصر کا حکم بھی ہے، سفر شرعی نہیں ہے، تو قصر کا حکم بھی نہیں ہے۔

حکمت اور علت میں فرق واضح کرنے کے لئے بعض علمائے کرام نے عام دنیاوی قانون میں یہ مثال بیان فرمائی ہے، کہ مثلاً ٹریفک کا قانون ہے کہ جب سرخ بتی جل رہی ہو، تو سگنل پر گاڑی روکی جائے، اب ”گاڑی روکنا“ ایک حکم یا قانون ہے، اور سرخ بتی کا روشن ہونا اس کی علت ہے، اور یہ قانون کیوں بنا؟ اس کی مصلحت، حکمت اور فلسفہ حوادث سے بچاؤ ہے، لیکن یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ مذکورہ حکم کا مدار سرخ بتی ہے، اگر وہ روشن ہے، تو گاڑی روکنا لازم ہے، ورنہ نہیں، مذکورہ مصلحت اور حکمت اس کا مدار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر دوسری سائڈ سے بالکل ٹریفک نہ ہو، اور سرخ بتی جل رہی ہو، تب بھی گاڑی روکنا لازم ہے، حالانکہ اس صورت میں حادثے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) تکملة فتح الملہم شرح صحیح مسلم - العثماني (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) (۱/۵۷۴) کراچی، مکتبہ دارالعلوم، طبع اول ۱۴۰۵ھ۔

Historic Judgment on Interest (by Justice Muhammed Taqi Usmani)

تنبیہ :- علت اور حکمت میں فرق بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے، کہ اس زمانے میں سود جائز کرنے والے جو حیلے پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ آج کل بنکوں سے سود پر جو قرضہ کاروبار کے لئے لیا جاتا ہے، یا بنک لوگوں سے جو قرضہ سود پر لیتا ہے، اس میں کسی فریق پر کوئی ”ظلم“ نہیں، بلکہ دونوں کا فائدہ ہے، اور سود کی ممانعت ظلم کی وجہ سے ہے، لہذا بنک کے اس قسم کا سود جائز ہوگا، اس کو ناجائز کہنا درست نہیں، ناجائز سود تو وہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں، یا پہننے کے لئے کچھ نہیں، اور وہ کسی سے قرضہ لیتا ہے، تاکہ وہ اس سے اس ضرورت کو پورا کرے، تو قرض دہندہ اس کو کچھ اخصانے کی شرط کے ساتھ قرضہ فراہم کرتا ہے، تو اس میں بلاشبہ ظلم ہے، اور یہ ناجائز ہے، لیکن کاروباری نوعیت کے قرضے میں ظلم تو دور کی بات ہے، بلکہ یہ تو عین انصاف ہے، کہ بنک نے قرضہ لے کر اس کو کسی کاروبار میں لگایا اور اس پر بنک کو نفع حاصل ہوا، اب اس نفع میں سے بنک نے کچھ حصہ اکاؤنٹ ہولڈر کو دیا، اور کچھ خود رکھ لیا، دونوں کا فائدہ ہو گیا، تو اس کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

حکمت اور علت میں فرق بیان کرنے سے بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے، کہ حکم کا مدار علت پر ہے علت موجود ہوں، تو حکم بھی موجود ہوگا، اور علت موجود نہیں ہوگی، تو حکم بھی موجود نہیں ہوگا، حکم کا مدار حکمت پر نہیں، ظلم ربا کی حکمت ہے، علت نہیں، لہذا کسی قرضے میں ظلم کے ہونے یا نہ ہونے پر ربا کا حکم لاگو نہیں ہوگا، بلکہ علت کو دیکھا جائے گا، اور اس پر حکم کا مدار ہوگا، جو بلاشبہ مذکورہ قرضوں میں موجود ہے، لہذا کاروباری قرضوں پر سود کا لین دین بھی حرام ہوگا۔

نیز ان قرضوں میں ظلم بھی ہے، جس کو علمائے امت نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی تحریرات میں ذکر کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) مستند سود

## زر میں علتِ ربا کی تحقیق

زر میں ربا کی دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں، ربا الفضل بھی اور ربا النسیئہ بھی، زر میں ربا الفضل کے حرام ہونے کی علت کے بارے میں تین قول مشہور ہیں، جن کا خلاصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:-

۱- قدر + جنس: یعنی اگر زر میں یہ دونوں باتیں پائی جائیں، تو اس صورت میں تبادلہ زر کے وقت کسی ایک جانب زیادتی جائز نہیں ہوگی، مثلاً: سونے کا سونے کے ساتھ اگر تبادلہ ہو، یا چاندی کا چاندی کے ساتھ اگر تبادلہ ہو، تو چونکہ یہ موزونات میں سے ہیں، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہے، اس لئے یہاں کسی جانب اضافہ جائز نہیں، بلکہ مماثلت ضروری ہے۔

یہ مذہب حضراتِ حنفیہ کا ہے، اور امام احمد بن حنبل کا مشہور قول بھی یہی ہے۔<sup>(۱)</sup>

یہ حضرات اپنے موقف کو قرآن، سنت اور قیاس سے ثابت کرتے ہیں:-  
قرآن کریم:- قال الله تعالى:-

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ج وَزِنُوا  
بِالْقِسْطِ الْمُسْتَقِيمِ ج<sup>(۲)</sup>

(۱) الدر المختار مع رد المحتار (۳۰۵/۷)

”وعلته ای علة تحریم الزیادة القدر المعهود بکیل او وزن مع الجنس، فان وجد حرم الفضل“

\_\_\_\_\_ البحر الرائق شرح کنز الدقائق (۲۰۷/۶)

”وعلته القدر والجنس ای وجوب المساواة التي يلزم عند فوتها الربا“۔

— ابن قدامہ (موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی

م ۶۲۰ھ) المغنی، دار عالم الکتب، الرياض طبع اول ۱۴۰۶ھ

”فروی عن احمد فی ذلك ثلث روايات اشهرهن ان علة الربا فی الذهب والفضة كونه موزون جنس“ (۵۴/۶)

(۲) سورة الشعراء آیت ۱۸۱

”ماپ پورا بھر کر دو، اور نقصان دینے والے مت ہو، اور سیدھی ترازو سے تولو۔“

وقال الله تعالى:

وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَ هُمْ الْآيَةَ <sup>(۱)</sup>

”اور اے قوم! ماپ اور تول کو پورا کرو انصاف کے ساتھ، اور نہ گھٹاؤ لوگوں کی ان کی چیزیں۔“

وقال الله تعالى:

وَيَذِّرْ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ <sup>(۲)</sup>

”خرابی ہے گھٹانے والوں کی، وہ لوگ جب ماپ کر لیں، لوگوں سے تو پورا بھر لیں، اور جب ماپ کر دیں ان کو یا تول کر دیں، تو گھٹا کر دیں۔“

ان آیات کریمہ میں کیل اور وزن کو پورا پورا دینے کا حکم دیا گیا ہے، اور ان میں کمی کرنے سے ڈرایا گیا ہے، جس سے اشارۃً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ربا کی عدت ”کیل ووزن“ ہے۔ <sup>(۳)</sup>

سنت :- وہ تمام احادیث جن کا تعلق اشیائے ستہ سے ہے، اور جن میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحت میں ہو چکا ہے، اور بعض مزید ذیل میں ذکر کی جا رہی ہیں، اس

(۱) سورۃ ہود آیت ۱۵

(۲) سورۃ التطفیف۔

(۳) بدائع الصنائع الکساننی (علاء الدین ابوبکر الکساننی) کراچی، ایچ ایم سعید، طبع

اول ۱۹۱۰ء، (۵-۱۸۴)

”علت“ کا ماخذ ہیں۔

”الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلاً بمثل والفضة بالفضة وزنا بوزن مثلاً بمثل، فمن زاد او استزاد فهو ربا۔“<sup>(۱)</sup>

”سونا سونے کے مقابلے برابر سرابریچو، اور چاندی چاندی کے مقابلے میں برابر سرابریچو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔“

”لا تبيعوا الذهب بالذهب الا وزنا بوزن۔“<sup>(۲)</sup>

”سونے کو سونے کے مقابلے میں مت بیچو مگر یہ کہ برابر سرابریچو۔“

”لا تبيعوا الدرهم بالدرهمين ولا الصاع بالصاعين“<sup>(۳)</sup>

”ایک درہم دو درہموں کے بدلے میں مت بیچو، اور ایک صاع دو صاعوں کے بدلے میں مت بیچو۔“

اس حدیث میں ”درہم“ کا تعلق وزن سے ہے، اور ”صاع“ کا تعلق کیل سے ہے، اور صاع پیمانے کو کہتے ہیں، لیکن یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو اس پیمانے میں ماپی جاتی ہو، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ بھی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ علت ربا قدر + جنس ہے، اور یہی حال اشیائے ستہ والی احادیث کا بھی ہے، کیونکہ ان میں بھی جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہے، اور ہر چیز یا موزونات میں سے ہے، اور یا مکیلات میں سے ہے۔

”ماوزن مثلاً بمثل اذا كان نوعاً واحداً وما کیل فمثل ذلك، فاذا اختلف النوعان فلا بأس به۔“<sup>(۴)</sup>

(۱) اخرجه مسلم، كتاب المساقاة، باب الربا۔

(۲) حوالہ بالا

(۳) مجمع الزوائد (۲/۱۱۲)

(۴) نیل الاوطار، الشوکانی (محمد بن علی بن محمد الشوکانی م ۱۲۵۵ھ) من ابواب الربا۔



”جو چیز تولی جاتی ہو، تو وہ برابر ہونی چاہئے، اور جو چیز ناپی جاتی ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے، البتہ جب دونوں قسمیں مختلف ہو جائیں، تو اس صورت میں (زیادتی میں) کوئی حرج نہیں۔“

قیاس :- بیع مال کے بدلے میں مال دینے سے عبارت ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں جانب تساوی ہو، یعنی دونوں جانب میں جو مال ہو، کسی مال کا کوئی جز عوض سے خالی نہ ہو، اور ایک دینار مثلاً ایک دینار کا صورت بھی مثل ہے، اور معنی بھی مثل ہے، صورتہ مشبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں موزونات میں سے ہیں، اور معنی اس لئے مماثلت ہے کہ دونوں ہم جنس ہیں، اب اگر کسی جانب ایک دینار یا نصف دینار کا اضافہ ہو، تو یہ دینار یا نصف دینار عوض سے خالی ہوگا، اور یہی حقیقت رہا ہے۔ اب یہ تماثل صورتہ و معنی جس مبادلے میں بھی پایا جائے گا، وہاں کسی ایک جانب زیادتی جائز نہ ہوگی، لہذا معدوم ہوا کہ رہا الفضل کی علت قدر جنس ہے۔<sup>(۱)</sup>

۲ :- زر میں رہا الفضل کی حرمت کی علت ”جنس + خلقی ثمنیت“ ہے، جس کو ”ثمن جوہریہ“ یا ”ثمنیت غالبہ“ بھی کہتے ہیں، اس کے قائل حضرات امام شافعی ہیں، اور امام مالک کا مشہور قول بھی یہی ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) بدائع الصنائع (۵/۱۸۶)

(۲) مذکورہ نول السنوی (محمی الدین یحییٰ بن شرف النووی) روضة الطالبین (۱۳-۱۴) المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم ۱۴۰۵ھ۔

وقال الجمهور العنة فيهما صلاحية الثمنية الغالبة، وان شئت قلت جوهرية الاثمان غالباً، والعبارة تشمدان التبر والمضروب والحلي والاواني منهما، وفي تعدى الحكم الى الفوس اذ راجت وجد، والصحيح انه لا ربا فيها، لانتفاء الثمنية الغالبة، ولا يتعدى الى غير الفوس من الحديد والنحاس والرصاص وغيرها قطعاً۔

نیز مذکورہ نول السنوی (ابو الولید محمد بن احمد القرطبی م ۵۲۰ھ) المقدمات الممهدات (۲/۳۵)۔

واما الذهب والفضة فم يقس عليهما شيئاً من العروض التي تكال او توزن لان العنة عنده في منع التفاضل في كل واحد هي انهما اثمان لاشياء۔

اس قول کے مطابق جب خلقی اور جوہری ثمنیت ربا الفضل کی علت قرار پائی، تو ظاہر ہے کہ یہ علت ثمنِ خلقی ہی کے ساتھ محدود رہے گی، اور وہ صرف سونا چاندی یا ان دونوں متعلقات ہیں، لہذا صرف سونا چاندی کے تبادلے میں ربا الفضل حرام ہوگا، فلوس وغیرہ میں ربا جاری ہی نہیں ہوگا۔

ان حضرات کے من جملہ دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سونے، چاندی کا سلم تمام اشیاء میں جائز ہے، حتیٰ کہ موزونات میں بھی جائز ہے، اب اگر علت سونے اور چاندی میں ”وزن“ ہو، تو سلم میں تو ”تاجیل“ ضروری ہوتی ہے، اب اس کا حاصل ہوگا، کہ یہ موزون کی موزون کے ساتھ ادھار بیع ہے، حالانکہ جب جنس مختلف ہو، لیکن قدر ایک ہو، تو یہاں زیادتی تو جائز ہوتی ہے، لیکن نساء (ادھار) ناجائز ہوتا ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ سونے چاندی کا سلم موزونات میں صحیح نہ ہو، حالانکہ اس کے جواز پر سب فقہائے کرام متفق ہیں، معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں حرمتِ ربا کی علت وزن نہیں، بلکہ ثمنیت ہے۔<sup>(۱)</sup>

تردید:- سونے چاندی میں حرمتِ ربا کی علت ”ثمنیت غالبہ“ قرار دینا ”علتِ قاصرة“ ہے، یعنی یہ سونے اور چاندی تک منحصر رہتی ہے، اور اس میں تعدی کی صلاحیت نہیں، لہذا منصوص میں تو اس علت کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ منصوص میں حکم نص کی طرف مضاف ہوتا ہے، نہ کہ علت کی طرف، اور فرع کی طرف یہ متعدی نہیں ہوتی، تو اس تعلیل کا فائدہ کیا؟<sup>(۲)</sup>

۳:- زر میں حرمتِ ربا کی علت ”جنس + ثمنیت مطلقہ“ ہے، یہ مالکیہ کا مذہب<sup>(۳)</sup> ہے، اور حنفیہ میں سے امام محمد کا قول بھی ہے۔<sup>(۴)</sup>

(۱) مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۹/۴۷۱)

(۲) احکام الاوراق النقدية والتجارية الجعید (ستر بن ثواب) السعودیة، الطائف، مکتبۃ

الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص ۱۵۰)

(۳) حوالہ بالا (بحوالہ المدونۃ للامام مالک)

(۴) بدائع الصنائع (۶/۵۹)

اس قول کے مطابق ربا الفضل کی علت جب مطلق ثمنیت ہے، تو فلوس اگر رائج ہوں، یا کوئی اور چیز بطور زر اور ثمن رائج ہو جائے، تو اس میں بھی ربا الفضل جاری ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں فلسفہ فلسفین کی بیع ناجائز ہے، اور یہ سودی معاملہ ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔<sup>(۱)</sup>

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب فلوس اپنے وظیفے (Function) کے اعتبار سے دینار اور درہم کی طرح ہو گیا، یعنی جو وظائف درہم اور دینار کے ہیں، وہی وظائف فلوس کے بھی ہو گئے، تو حکم ربا میں بھی فلوس درہم اور دینار کی طرح ہوں گے۔<sup>(۲)</sup>

### ربا النسیئہ کی علت

یہ ساری تفصیل ذریعہ ”ربا الفضل“ کی حرمت کی علت سے متعلق تھی، اور جہاں تک ذریعہ ”ربا النسیئہ“ کی حرمت کی علت کا تعلق ہے، تو وہ بالکل واضح ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، کیونکہ قرض کے جس معاملے میں کچھ شرط یا معروف اضافہ جو خالی عن العوض ہوگا پایا جائے، تو وہ معاملہ ناجائز ہوگا۔

بلکہ یہ حقیقت میں یہی علت ربا الفضل کی بھی ہے، لیکن چونکہ وہاں احادیث موجود ہیں، جن میں ربا کو صرف چھ چیزوں میں ذکر کیا ہے، اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ حکم صرف ان چھ چیزوں میں منحصر ہے، یا کہیں اور بھی متعدی ہوگا، اسی وجہ سے علمائے امت کی ایک جماعت ایسی بھی ہے، جو ربا الفضل کو صرف انہی اشیاء میں منحصر گرا دیتی ہے، جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے، اور یہی وہ ربا ہے جس میں حضرات عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے، اور ہمارے لئے ابواب ربا کو واضح نہیں فرمایا، لہذا علمائے امت نے ان احادیث میں غور و خوض کر کے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اس حکم کی علت مستنبط کی، اور اس پر حکم کا مدار رکھا، جس کی تفصیل بیان ہوئی، لیکن ”ربا النسیئہ“ میں

(۱) احکام الاوراق النقدية، العثمانی (المفتی القاضی محمد تقی العثمانی) (ص ۱۸)

(۲) بدائع الصنائع (۵-۱۸۵)

کوئی خاص شی کا ذکر نہیں، بلکہ فرمایا "کل قرض جر نفعاً فهو ربا" اس میں آپ نے ایک اصل کلی بیان فرمائی کہ جس قرض میں بھی "جرِ منفعت" کی بات پائی جائے، تو وہ ربا ہے، اور حرام ہے، اور اس سے بچنا واجب ہے۔

فائدہ ۱ (حکم ربا کی تعدی وقصر):-

اشیائے ستہ والی حدیث ان اشیاء میں حرمتِ ربا پر صریح نص ہے، اور اُمت ان اشیاء میں حرمتِ ربا پر متفق ہے، لیکن کیا یہ حرمت انہی اشیاء منصوصہ میں منحصر ہے، یا دیگر اشیاء میں بھی پائی جاسکتی ہے؟ اس سلسلے میں علماء کی دو جماعتیں ہیں:-

ایک جماعت "تعدی" کی قائل ہے، جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی، اور دوسری جماعت "قصر" کی قائل ہے، یعنی یہ کہ یہ حکم صرف انہی اشیاء ستہ میں منحصر ہے، اور دیگر اشیاء پر یہ حکم لاگو نہیں ہوگا، اس جماعت میں درج ذیل حضرات شامل ہیں:-

۱۔ طاووس، ۲۔ قتادہ، ۳۔ شععی، ۴۔ مسروق، ۵۔ عثمان بتی، ۶۔ قاضی ابوبکر الباقلانی، ۷۔ صدیق حسن خان، ۸۔ علامہ ابن حزم اور تمام اہل ظاہر۔<sup>(۱)</sup>

ان حضرات کے اس موقف کا منشاء یا تو:-

۱- حجیتِ قیاس سے انکار ہے، یا

۲- یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، اور یا

۳- یہ کہ پہلی جماعت (معللہ) نے استخراجِ علت میں ایک دوسرے سے

اختلاف کیا ہے، لہذا اس اختلاف کی وجہ سے ساری علتیں کمزور پڑ گئیں، اور کوئی ایسی قوی

(۱) المغنی لابن قدامہ مع الشرح الكبير (۱۲۳/۳)

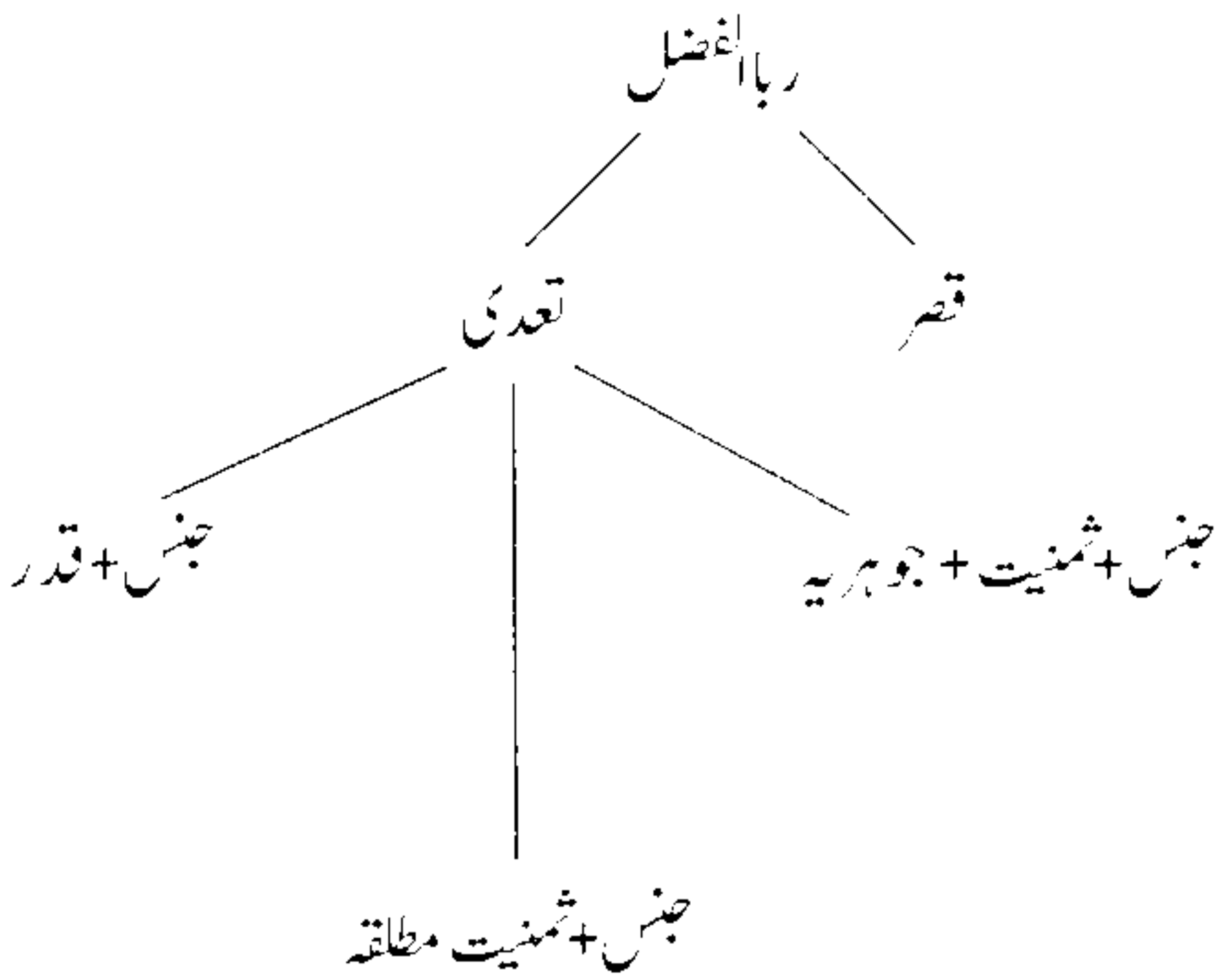
— ابن حزم (ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم م ۳۵۲ھ) المحلی (۴۶۸/۸)

ادارة الطباعة المنيرية مصر، طبع اول ۱۳۵۰ھ

"ومن قال: "لاربا الا في الاصناف المذكورة" طاووس، وقتادة و عثمان البتي، وابو

سليمان و جميع اصحابنا"

وکیل موجود نہیں، جس کی بنیاد پر اس حکم کو متعدی کیا جاسکے۔



فائدہ ۲ (ربا النساء اور ربا النسئیہ میں فرق):

ربا کے سلسلے میں ہم دو لفظ بکثرت سنتے ہیں :-

۱۔ ربا النساء اور ۲۔ ربا النسئیہ

ان دونوں میں فرق ہے، اور وہ یہ کہ ربا النساء کا تعلق "بیع" (Sale) سے ہے، اور

ربا النسئیہ کا تعلق "قرض" (Loan) سے ہے۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اگر :-

۱۔ سونے کا تبادلہ سونے کے ساتھ ہو، یا

۲۔ چاندی کا تبادلہ چاندی کے ساتھ ہو، یا

۳۔ سونے کا تبادلہ چاندی کے ساتھ ہو، یا

۴۔ چاندی کا تبادلہ سونے کے ساتھ ہو،

تو یہی دو صورتوں میں دو قسم کا ربا پایا جاسکتا ہے، ربا الفضل کہ کسی ایک جانب

زیادتی ہو، اور ربا النساء کہ ایک غرض پر قبضہ ہو، اور وہ اسے ادھار ہو، تو یہ ادھار ربا النساء کہلاتا

ہے، اور آخری دو صورتوں میں زیادتی تو جائز ہے، لیکن ادھار جائز نہیں، یہ ربا النساء ہے۔  
 ”بیع صرف“ میں اس کی مزید وضاحت آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور ربا النسیئہ کا تعلق  
 عقد قرض سے ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر گئی۔<sup>(۱)</sup>

ثمنیت کسے کہتے ہیں؟

ثمنیت کے معنی کسی شے کے ”ثمن ہونے“ کے ہیں، اور ”ثمن“ کی تعریف درج  
 ذیل ہے:-

”الثمن اسم لما هو عوض من المبيع“<sup>(۲)</sup>

”جو کسی بیچی ہوئی چیز کا بدل بن سکے، اس کو ثمن کہتے ہیں۔“

”قال لاهری: قال الليث: ثمن كل شئى قيمته“<sup>(۳)</sup>

”ہر شے کا ثمن اس کی قیمت ہے۔“

”والمعروف ان الثمن هو ما جعل عوضا فى عقد البيع“<sup>(۴)</sup>

”مشہور یہی ہے کہ ثمن وہ چیز ہے جو عقد بیع میں عوض بنے۔“

(۱) جہاد فی رفع بلوی الربا، محمد خاطر محمد الشیخ، (۱۰/۱)

”وعلى هذا ينقسم ربا لبیوع الى قسمین:

۱- ربا الفضل: ويتحقق ببيع احد الاصناف۔۔۔۔

۲- ربا النساء: ويكون فى بيع الاموال الربوية بجنسها او بغير جنسها، يتحد معها فى

العلة عند تأجيل القبض فى احد البدلين الخ“

بحوث فى الربا، الامام ابو زهرة، بيروت، دارالفکر العربی، (ص ۶۶)

”فان ذلك يكون ربا ويسمى ربا النساء وليس هو ربا النسيئة الذى بيناه من قبل“

(۲) کتاب المغرب فى ترتيب المعرب، المطرزی (ابو الفتح ناصر الدین عبد السید بن

علی المطرزی المتوفى ۶۱۶ هج)، بیروت، دارالکتب العربی۔

(۳) تهذیب الاسماء واللغات، النووی (ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی المتوفى

۶۷۶ هج) مصر، ادارة الطباعة المنيرية (۳۵/۱)

(۴) تطور النقود للدكتور احمد حسن احمد الحسنى، ص (۱۳۳)

ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ عقد بیع (Sale) میں جو بیع کے مقابلے میں آجائے، وہ ثمن ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمن زر کا مترادف نہیں، بلکہ زر سے عام ہے، یعنی ہر زر ثمن ہے، لیکن ہر ثمن کا زر ہونا ضروری نہیں، مثلاً:-

اگر کوئی شخص اپنا گھر غلام کے مقابلے میں فروخت کرے، تو اس مثال میں غلام ثمن ہے، لیکن غلام زر نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، لہذا جن حضرات کے نزدیک زر میں عدت رہا ثمنیت مطلقہ ہے، تو اس سے مراد یا ثمن خلقی ہوگا، یا پھر وہ ثمن ہوگا، جو زر جیسا ہو، یعنی لوگ اپنے معاملات میں اس کو زر ہی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ فلوس اور کانڈی نوٹ وغیرہ، اس درجے میں زر ثمن کا مترادف ہو سکتا ہے۔

تو گویا کہ ثمن کی بھی تین قسمیں ہو گئیں:-

۱	ثمن خلقی	=	سونا، چاندی
۲	ثمن اصطلاحی یا عرفی	=	فلوس، نوٹ وغیرہ
۳	ثمن اتفاتی	=	مثال مذکور میں غلام

باب اول اور باب دوم کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ مال، زر، کرنسی اور ثمن میں

فروق موجود ہیں، اور یہ ایک ہی چیز کے مختلف نام نہیں ہیں۔



## باب سوم

## کرسی نوٹ اور فلوس (Pices)

## نوٹ کسے کہتے ہیں؟

ارتقاء زر کی بحث میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ منہجی میں صرافوں اور سناروں کی طرف سے جاری شدہ رسیدوں نے ترقی کر کے باقاعدہ نوٹوں کی شکل اختیار کی، اور اس کے بعد اس پر مختلف مراحل گزرتے گئے، تو نوٹ یا بینک نوٹ (Bank Note) درحقیقت مذکورہ رسیدوں کی ترقی یافتہ شکل اور باضابطہ شکل ہے، جو بعد میں زر قانونی (Legal Tender) قرار پایا، لہذا ہم نوٹ کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کر سکتے ہیں:-

”نوٹ حکومت کا ایک عہد نامہ ہے جو بہ حکم کی طرح واجب

القبول بنایا گیا ہے۔“ (۱)

علامہ سید احمد بیگ الحسینی اپنی کتاب ”بہجة المشتاق“ میں نوٹ کے بارے

میں لکھتے ہیں:-

”جب ہم نے لفظ ”بنک نوٹ“ کی ماہیت کے بارے میں تحقیق

کی، تو معلوم ہوا کہ یہ فرانسیسی زبان کی اصطلاح ہے، اور ”لاروس“

جو فرانسیسی زبان کی سب سے بڑی اور مشہور لغت ہے، اس میں بینک

نوٹ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

(۱) جدید فقہی مباحث (۸۸/۲)



”بنک نوٹ“ ایک کرنسی نوٹ ہے، جس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت دے دی جائے گی، اور یہ نوٹ بالکل اسی طریقے پر رائج ہوتا ہے، البتہ یہ نوٹ مضمون ہوتے ہیں، یعنی اس کے بدل کی ضمانت دی جاتی ہے، تاکہ لوگ اس لین دین پر اعتماد کریں.....<sup>(۱)</sup>

یاد رہے کہ نوٹ، بنک نوٹ اور کاغذی زر (Paper Money) ایک ہی چیز ہے، جس کو عربی میں ”الاوراق النقدية“ یا ”النقود الورقية“ یا ”النواط“ کہتے ہیں۔

### نوٹوں کی فقہی و شرعی حیثیت (ایک تفصیلی جائزہ)

کرنسی نوٹ کی فقہی تہذیب (فقہی وصف کہ نوٹ فقہی احکام کے لحاظ سے کیا چیز ہے؟) میں مختلف نظریات رہے ہیں، اور اس سلسلے میں علماء و مفتیوں کی آراء مختلف ہیں چنانچہ بعض کتابوں میں سات تک اقوال ذکر کئے گئے ہیں، لیکن ہم یہاں صرف ان اقوال کو ذکر کرنے پر اکتفا کئے دیتے ہیں، جو زیادہ معروف اور مشہور ہیں، اور وہ چار ہیں:-

- ۱- نوٹ دین (Debt) کی ”سند“ (Certificate) ہے۔
- ۲- نوٹ ”سامان“ (Goods) ہے۔
- ۳- نوٹ سونے اور چاندی کا ”بدل“ یا قائم مقام (Substitute) ہے۔
- ۴- نوٹ بذات خود ”شمن عرفی“ (Customary Price) ہے، اور فلوس کے حکم میں ہے۔

ان اقوال کی تفصیل، دلائل کی تفتیح، تفریحات کی تشریح اور مناقشہ ذیل میں

ملاحظہ ہوں:-

(۱) بحوالہ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۱۰۱)

## نوٹ کی فقہی حیثیت سے متعلق پہلا نظریہ

گزشتہ صدی کے بیشتر علمائے ہند (جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ بھی شامل ہیں) کا نوٹ سے متعلق یہ موقف رہا ہے کہ نوٹ دین کی سند ہے، نوٹ نہ مال ہے، نہ سونے اور چاندی کا بدل ہے، اور نہ بذاتِ خود ثمن ہے، بلکہ یہ محض اس دین کی ایک سند (Certificate) ہے، جو حاملِ نوٹ کے لئے جاری کنندہ کے ذمہ واجب ہے۔<sup>(۱)</sup>

## دلائل

۱- اس موقف پر ایک اہم دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہر نوٹ پر یہ وعدہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس کے حامل کو بوقتِ مطالبہ اس نوٹ کی حقیقی قیمت ادا کی جائے گی، لہذا یہ وعدہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ نوٹ دین کی سند اور وثیقہ ہے، چنانچہ علامہ سید احمد بک لکھنوی نوٹ کی ماہیت اور حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”فقولہ: ”قابلة لدفع قيمتها لدى الاطلاع لحاملها الخ“ لم

يجعل شكافي انها سندات ديون الخ“

”یہ بات کہ اس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی

قیمت ادا کر دی جائے گی، بلاشبہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ

(۱) امداد الفتاویٰ، تھانوی (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۳، (۵/۲)۔

جدید فقہی مباحث للقاہی (۱۸۱/۲)۔

احکام الاوراق النقدية والتجارية للجعید (ص ۱۷۶)۔

احکام الاوراق النقدية للعثمانی (ص ۱۰)۔

نوٹ قرض کی سند ہے الخ“،<sup>(۱)</sup>

۲- ان نوٹوں کا بدل بصورت سونا یا چاندی جاری کنندہ کے خزانے میں ہونا ضروری ہے، جس سے یہ بات واضح ہے کہ ان نوٹوں کی قیمت اسی بدل کی وجہ سے ہے، لہذا نوٹ اس بدل کی سند ہے۔<sup>(۲)</sup>

۳- نوٹ کاغذ کا ایک معمولی پرزہ (Piece) ہے، پھر ایک پرزہ زیادہ قیمت کا ہے، اور دوسرا کم قیمت کا ہے، مثلاً ۱۰۰ کا نوٹ اور ۵۰ کا نوٹ، حالانکہ ذاتا دونوں کاغذ برابر ہیں، لیکن قیمت میں فرق ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اصل چیز بدل ہی ہے۔

۴- اگر ان نوٹوں کے ذریعے تعامل (Custom) ختم ہو جائے، تو حکومت اس کا ضمان ادا کرتی ہے، یہ بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اس دین کی سند ہے۔<sup>(۳)</sup>

تفریعات (یعنی اس قول پر جو فرعی اور فقہی مسائل مرتب ہوتے ہیں)

اس قول پر جو فقہی مسائل متفرع ہوتے ہیں، ان میں سے بعض مشہور مسائل

درج ذیل ہیں:-

۱- بیع سلم میں نوٹ رأس المال نہیں بن سکتا، کیونکہ نوٹ پر قبضہ ثمن پر قبضہ نہیں، بلکہ اس کی سند پر قبضہ ہے، تو گویا کہ رأس المال (Capital) پر قبضہ نہیں پایا گیا، حالانکہ بیع سلم میں رأس المال پر قبضہ ضروری ہے، ورنہ ”بیع الکالنی باکالنی“ (ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ) ہو جائے گی، جو شرعاً ممنوع ہے۔

(۱) بلوغ الامانی عسی الفتح الربانی، الساعاتی (احمد عبد الرحمن البنا) مصر، مطبعة الفتح الربانی، طبع اول، ۱۳۵۶ھ (۲/۲۰۸)

(۲) الفتاوی السعدیة، السعدی (الشیخ عبد الرحمن الناصر السعدی) السعودیہ، الرياض، مكتبة المعارف، طبع دوم، ۱۹۹۲ء، (ص ۳۲۳)

(۳) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للجمعید (۶-۱) (۲) کما هو مصرح به فی جمیع کتب الفقہ۔

۲- نوٹ کے ذریعے سونے یا چاندی کا معاملہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہوگی، اور بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے، حالانکہ یہاں نوٹوں پر قبضہ درحقیقت سونے یا چاندی کی رسید پر قبضہ ہے، اور سونا یا چاندی ادھار ہے، تو عوضین پر قبضہ نہیں پایا گیا۔<sup>(۱)</sup>

۳- فقیر کو محض نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں گی۔<sup>(۲)</sup>

۴- نوٹوں کے ذریعے معاملہ ”حوالہ“ ہے، جو ”تعاطی“ (کسی خاص لفظ کے بغیر لین دین کرنا) کے طریقے سے درست ہے، یعنی زید عمر و کو نوٹ دے کر اس سے کتاب خریدتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زید عمر و کو نوٹ دے کر گویا یہ کہہ رہا ہے کہ میرے ذمہ تمہارا جو دین ہے، اس کی یہ سند ہے، اور تم بجائے مجھ سے اس کے جاری کنندہ سے وصول کرو، اور یہی حوالہ ہے۔<sup>(۳)</sup>

۵- نوٹ کا تبادلہ نوٹ سے درست نہیں ہوگا، اگرچہ مختلف الجنس ہوں، کیونکہ یہ بیع الکالی بالکالی (ادھار کا ادھار کے ساتھ بیع) ہے، جو ممنوع ہے۔

### مناقشہ

اس موقف سے احکام شرعیہ اور مختلف معاملات (Transactions) میں جو مشقت اور حرج لازم آتا ہے، وہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ نوٹوں کے ذریعے مذکورہ بالا جیسے سارے معاملات معطل ہو جائیں گے، حالانکہ حرج شریعت میں بنصوص قرآن و سنت مدفوع اور مدفوع ہے، چنانچہ محقق عبدالرحمن السعدی صاحب اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:-

”لا یخفی ان جمیع اقطار الدنیا الالانز الیسیر کل معاملاتہم فی ہذہ الاوراق التی تسمی الانواط، فلو حکم

(۱) احکام الاوراق النقدیة للعثمانی (ص ۱۰)

(۲) امداد الفتاویٰ (۵/۲)

(۳) بهجة المشتاق بحوالہ احکام الاوراق النقدیة للجعید-

لها باحكام السندات والديون لتعطلت المعاملات في  
الوقت الذي تقتضى الاحوال وظروفها ان يخفف فيه غاية  
التخفيف“

”تمام دنیا کے معاملات انہی نوٹوں کے ذریعے انجام پاتے ہیں،  
لہذا اگر یہ کہا جائے کہ یہ نوٹ دین کی سندات ہیں، تو تمام معاملات  
معطل ہو جائیں، حالانکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات میں  
بہت ہی تخفیف ہو جائے۔“<sup>(۱)</sup>  
بسنس منشی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

”فيه حرج عظيم والمعهود من الشريعة السمحة في مثله  
السعة والسهولة الخ۔“

”اس میں عظیم اور ناقابل برداشت حرج ہے، حالانکہ شریعت مطہرہ  
کا مزاج ان جیسے حالات میں گنجائش اور وسعت کرنے کا ہے۔“<sup>(۲)</sup>

نیز اس تنگی کو لوگ قبول تو کریں گے نہیں، تو حرام معاملات کا ارتکاب کریں  
گے، اور نوٹ کا سند دین ہونا کسی نص صریح قطعی سے ثابت تو ہے نہیں، جس میں کوئی اور  
احتمال نہ ہو، لہذا بہتر یہی ہے کہ نوٹ کو سند دین نہ قرار دیا جائے، تاکہ لوگ ارتکاب حرام  
سے محفوظ ہوں۔

کرنسی نوٹ پر جو وعدہ لکھا ہوا ہوتا ہے، جس کی تفصیل گزر چکی، یہ شروع میں تو  
درست تھا، لیکن اب یہ بے معنی ہے، اب جاری کنندہ اس بات کا کوئی پابند نہیں کہ نوٹ کے  
حامل (Holder) کو سونا یا چاندی دیدے، بلکہ کانڈی نوٹ کی پشت پر کوئی سونا یا چاندی  
ہے ہی نہیں، بلکہ اس وعدہ اور ضمانت کا صرف اتنا فائدہ ہے کہ جاری کنندہ حامل کو بوقت

(۱) الفتاویٰ السعدیة (ص ۱۶۲)

(۲) احکام الاوراق النقدیة للعثمانی (ص ۱۶)

مطالبہ کر سکے یا دوسرے نوٹ دے دیتا ہے، یا کوئی سامان دے دیتا ہے، جیسا کہ جیوفرے گراؤتھر (Geoffry Growther) لکھتے ہیں:-

"The promise to pay which appears on their face is now utterly meaningless. Not even in amounts of 1700 cannot now be converted into gold. The note is no more than a piece of paper, for no intrinsic value whatever, and if were presented for redemption, the Bank of England could honour its only by giving silver coins or another notes, but it is accepted as money throughout the British Isles."

”کرنسی نوٹوں پر جو یہ عبارت لکھی ہوئی ہوتی ہے کہ حاملِ ہذا کو مطالبے پر ادا کرے گا، اب اس عبارت کا کوئی مقصد اور معنی باقی نہیں رہے، اس لئے اب موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں کی کسی بھی مقدار کو سونے میں تبدیل کرانے کی کوئی صورت نہیں، چاہے ان نوٹوں کی مقدار سترہ سو پونڈ یا اس سے زیادہ کیوں نہ ہو، اب موجودہ دور میں یہ کرنسی نوٹ ایک کاغذ کا پُرزہ ہے، جس کی ذاتی کوئی قیمت نہیں، اور اگر کوئی شخص اس پونڈ کو بنک آف انگلینڈ میں پیش کرے، تو بنک یا تو علامتی سکے دے دے گا، یا سکے بجائے دوسرے نوٹ پکڑا دے گا، لیکن کاغذی پونڈ برطانیہ کے تمام جزائر میں زر کے طور پر رائج ہیں۔“<sup>(۱)</sup>

خلاصہ یہ کہ یہ ”وعدہ“ (Promise) نوٹ کی ثمنیت کو باطل نہیں کرتا، بلکہ اس کو مزید تقویت بخشتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے نوٹ کے ساتھ لین دین کے سلسلے میں لوگوں کا اعتماد بڑھ جاتا ہے۔

لہذا یہ موقف نہایت کمزور اور موجبِ حرج ہے، بلکہ ناقابلِ عمل ہے، اس لئے

(۱) بحوالہ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۲۵)۔

آج کل کے حالات میں اس کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

## نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق دوسرا نظریہ

نوٹ مال اور سامان (Goods) ہے، کیونکہ لین دین اور سارے معاملات انفس کاغذی سے متعلق ہوتے ہیں، اور کاغذ مال متقوم (قیمت والا) ہے، جس کی قدر و قیمت عرف و رواج کی وجہ سے بڑھ گئی، جیسے ہیرے، جواہرات کہ انتہائی قیمتی ہوتے ہیں، لیکن ان کی حیثیت مال اور سامان کی ہوتی ہے۔

ہندوستانی علمائے کرام میں علمائے رام پور اور جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کی بھی یہی رائے ہے، اور یہی شیخ عبدالرحمن بن سعدی کے نزدیک راجح معلوم ہوتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

احمد رضا خان صاحب بریلوی کا اس موضوع پر باقاعدہ رسالہ ہے، جس کا نام ہے "کفل الفقہ الفہم فی احکام القرطاس والدرہم" اس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ نوٹ مال اور سامان ہے، سند دین یا خود شمن نہیں، چنانچہ فرمایا:۔

"اما اصلہ فمعلوم انه قطعة کاغذ والکاغذ مال متقوم وما زادتہ هذه السکة الارغبة للناس الیہ و زیادة فی صلوح ادخارہ للحاجات، وهذا معنی المال ای ما یبیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ للحاجة الخ"

"اس کی (نوٹ) اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، اور کاغذ مال متقوم ہے، اور اس کے سکے ہونے سے اس کی طرف رغبتیں بڑھائیں، اور یہ کہ وقت حاجت کے لئے اٹھا رکھنے اور ذخیرہ

(۱) الفتاویٰ السعدیہ (ص ۳۲ تا ۳۹)۔

کرنے کا زیادہ لائق ہو گیا، اور مال کے یہی معنی ہیں، کہ طبع اس کی طرف مائل اور رغبت ہو، اور زمانہ مستقبل کی ضرورتوں کے لئے اس کو ذخیرہ کیا جاسکے۔“ (۱)

## دلائل

۱- عروض (سامان) کی جتنی تعریفات ہوئی ہیں، وہ سب کاغذی نوٹ پر صادق آتی ہیں، مثلاً:-

”العروض هو كل ماعدا العين والطعام من الاشياء كلها“  
 ”سونے چاندی اور طعام کے علاوہ تمام اشیاء سامان میں داخل ہیں۔“

”هو ماسوی النقد“

”جو نقد کے علاوہ ہو، وہ سامان ہے۔“

”هو كل مالازكوة في عينه“

”سامان ہر وہ چیز ہے، جس کی ذات میں زکوٰۃ واجب نہ ہو۔“

”هو ماعدا الحيوان والطعام والنقد“

”سامان حیوان، طعام اور نقد کے علاوہ ہر چیز کو کہتے ہیں۔“ (۲)

۲- جب نوٹ کے بدلے میں کوئی چیز خریدی جائے، تو عقد اسی نوٹ پر واقع سمجھا جاتا ہے، سونے یا چاندی پر واقع نہیں سمجھا جاتا، اور اس نوٹ کی قیمت مقرر ہوتی ہے، تاکہ لوگ اس میں رغبت کا اظہار کریں، یہ نوٹ اپنی ذات کے اعتبار سے سونے چاندی

(۱) كفل الفقيه الفاهم في احكام القرطاس والدرهم، بریلوی (مولوی احمد رضا خان

بریلوی) لاہور، شبیر بر درز، اردو بازار لاہور، (ص ۱۳)

(۲) شرح الصاوی للشیخ محمد ابراہیم المبارک، بحوالہ احکام الاوراق النقدية

والتجارية للجمعید (ص ۱۹۰)



تہ بالکل مختلف ہے، یہ ایک محض ایک کاغذ ہے، اگرچہ ٹخن بننے میں سونے چاندی کی طرح ہے، اور سونے چاندی کے موافق ہے، لیکن اس موافقت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو سونے یا چاندی کا حکم دیا جائے، دیکھئے موتی یا بیر اگر قیمت میں سونے چاندی کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے، تو کیا موتی یا بیر کے کو سونے یا چاندی کا حکم دیا جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں، اسی طرح نوٹ کا معاملہ بھی ہے۔<sup>(۱)</sup>

۳۔ نوٹ نہ مکیلات میں سے ہے، اور نہ موزونات میں سے، اور اس کی کوئی

ایسی جنس بھی نہیں، جس پر نوٹ کو قیاس کیا جائے۔

۴۔ فقہائے کرام نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ نئے واقعات کو مشابہ ترین (Most

Similar) منصوص عدیہ شیء کے ساتھ ملایا جائے گا، اور اسی کا حکم ان واقعات جدیدہ کو دیا جائے گا، اس قاعدہ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نوٹ کو سامان کے ساتھ ملایا جائے، کیونکہ سامان اس وقت ہے کہ جو نہ کیلی ہو، اور نہ وزنی، نہ حیوان ہو، اور نہ زمینی۔<sup>(۲)</sup>

۵۔ ان نوٹوں کی حکومت اگر ختم ہو جائے، تو ان نوٹوں کی کچھ قیمت باقی نہیں

رہتی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بذات خود نقد (زر) نہیں، گو وقتی طور پر زر (Money) قرار دیا گیا ہے، تاکہ لوگوں کی رہتیں بڑھ جائیں، بخلاف سونے چاندی کے کہ اس میں یہ بات نہیں، وہ بہر حال نقد ہی ہے، لہذا سونے چاندی پر نوٹوں کو قیاس کرنا اور ان کے احکام ان کو دینا قیاس مع الفارق ہے۔<sup>(۳)</sup>

## تفریحات

۱۔ اس موقف پر جو سب سے اہم اور خطرناک مسئلہ متنازع ہوتا ہے وہ یہ کہ

کامندی نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں، لہذا نوٹوں میں ربا الفضل جائز ہوگا، مثلاً زید

(۱) الفتاویٰ السعدیة (ص ۳۱۸)

(۲) جريدة البلاد السعودية العدد ۲۹۱ (۲۲-۲۰-۸۰ھ) (ص ۱۳)

(۳) الفتاویٰ السعدیة (ص ۳۲۰)

عمر کے ہاتھ ایک ہزار روپے آٹھ سو روپے میں فروخت کر سکتا ہے، البتہ ربا النسبیہ نوٹوں میں ان کے ہاں بھی ناجائز ہے، کیونکہ وہ ”کل قرض جر نفعاً فهو ربا“ کے کلیہ میں داخل ہے۔

چنانچہ احمد رضا خان صاحب بریلوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”نعم يجوز بیعه بازید من رقمه وبانقص منه کیفما تراضیا  
الخ“

”ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہوئی ہے، اس سے زائد یا کم پر اس کا بیچنا جائز ہے، جبکہ باہمی رضامندی سے ہو۔“<sup>(۱)</sup>  
اور فتاویٰ سعیدیہ میں مذکور ہے:-

”فتعین انها سلع یثبت لها مایثبت لسائر السلع من زیادة  
ونقصان وجواز بیع بعضها ببعض متماثلاً او متفاضلاً من  
جنس او اجناس الخ“

”تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نوٹ سامان ہے، دوسرے سامان کی طرح اس میں بھی کمی بیشی جائز ہوگی خواہ دونوں نوٹ ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں۔“

اور شیخ سلیمان الحمد ان اپنے ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں:-

”اذا علم هذا فلا مانع من بیع الورق علی اختلاف انواعه و  
مسمایاته من الریالات او الدنانیر او الجنیہات باحد  
النقدین الذهب والفضة متفاضلاً او نساء ولا دخل للربا  
فی شئی من ذلك لان الورق لیس من الاموال الربویة

(۱) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام القرطاس والدرہم (ص ۶۲)

ولان الربا مختص بالمكيزات والموزونات والورق ليس  
بمكين ولا موزون۔“

”.....نوٹوں کے تبادلے میں ربا کا کوئی دخل نہیں، کیونکہ نوٹ  
اموال ربویہ میں سے نہیں، اور اس لئے بھی کہ ربا خاص ہے مکلیات  
اور موزونات کے ساتھ اور نوٹ نہ مکمل ہے، اور نہ موزون۔“<sup>(۱)</sup>

۲۔ نوٹوں میں اگر تجارت کی نیت نہ ہو، تو زکوٰۃ واجب نہیں۔<sup>(۲)</sup>

۳۔ نوٹوں کے ذریعے مضاربت جائز نہیں، کیونکہ مضاربت میں مال کا دراجہ یا

دنایہ ہونا ضروری ہے، یا نقود کا ہونا ضروری ہے، جبکہ نوٹ نقود نہیں، بلکہ عرض ہے۔

### مناقشہ

پہلی بات تو یہ کہ نوٹوں میں اس موقف کے مطابق ربا الفضل یا ربا النسا، جاری  
نہیں ہوگا، اور یہ بہت ہی خطرناک بات ہے، کیونکہ اس ربا کا دروازہ کھل جائے گا، اور اس  
موقف کے مطابق ربا نوٹوں میں اس لئے جاری نہیں ہوتا کہ نوٹ عرض ہیں، نہ مکلیات  
میں سے ہیں، اور نہ موزونات میں سے ہیں، اور نہ ان میں شہیت ہے، لہذا ربا الفضل کی  
کوئی عدت بھی نوٹ میں موجود نہیں۔

موقف ثانی کی دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عرض کی تعریفات نوٹوں  
پر صادق آتی ہیں، حالانکہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ یہ تعریفات فقہائے کرام نے خاص خاص  
مقامات کی مناسبت سے ذکر کی ہیں، یہ عام تعریفات نہیں، مثلاً زکوٰۃ کے باب میں زکوٰۃ  
حیوان کو ذکر کیا، زکوٰۃ ارض کو ذکر کیا، زکوٰۃ سیم و زر کو ذکر کیا، پھر عرض کی باری آئی، تو مقام

(۱) جريدة البلاد السعودية العدد - ۲۹۱ (۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱

کی مناسبت سے اس کی ایسی تعریف کی، جو اسی مقام کے ساتھ مناسب تھی، جیسا کہ کتب مالکیہ میں ہے:-

”المراد بالعرض هنا مقابل الذهب والفضة“

”عرض سے یہاں مراد وہ چیز ہے، جو سونے چاندی کے مقابلے میں ہو۔“ (۱)

دلائل میں یہ کہنا کہ جب جب نوٹوں کی حکومت ختم ہو جاتی ہے، تو ان کی قیمت ختم ہو جاتی ہے، جو تعریف میں ”یہاں“ کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ”عرض“ کی یہ تعریف صرف یہاں کے خاص ہے، یہ کوئی عام تعریف نہیں۔

زوالِ ثمنیت کی دلیل ہے، تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ہماری گفتگو نوٹوں کے بارے میں اس وقت ہے، جب ان کی قیمت برقرار ہو، تو اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ ان کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ اور جب ان کی قیمت ہی نہ رہے تو یہ صورت ہماری بحث سے خارج ہے۔

### نوٹوں کی شرعی حیثیت سے متعلق تیسرا نظریہ

تیسرا موقف نوٹوں سے متعلق یہ ہے کہ نوٹ سونے چاندی کا قائم مقام ہے، یعنی نہ تو ان کی حیثیت محض سندِ دین کی ہے، اور نہ یہ عروض ہے، اور ان میں بذاتِ خود ثمنیت ہے، لیکن چونکہ عرف و رواج کی وجہ سے کاغذی نوٹ اصل ثمن (سونے چاندی) کے قائم مقام اور اس کا بدل (Substitute) ہے، لہذا جو احکام اصل اور ”مبدل“ کے ہوں گے، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس

(۱) الخرشنی علی سیدی خلیل، الخرشنی (محمد الخرشنی المالکی) بیروت، دارالصادر

نظریے کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک نوٹ ٹمن تو ہے، لیکن اس پر احکام سونے چاندی کے لاؤ ہوں گے، نہ کہ فلوس کے، نوٹ کے بارے میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:-

”پس پیسے (فلوس) اگرچہ عرفاً ٹمن ہیں، مگر عین ٹمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں، بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ٹمن خلقی ہے، گو شمیت خلقیہ نہیں، بلکہ شمیت عرفیہ ہو، پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو، کیونکہ پیسے غیر جنس ٹمن ہیں، حقیقہً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں بھی شمیت کی صفت آئی ہو، پس جبکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ٹمن خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا جائے گا، اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔“ (۱)

شیخ احمد ابنا نوٹ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:-

”قالذی اراه حقا وادین اللہ علیہ ان حکم الورق المالی کحکم النقدين تماما سواء بسواء لانه يتعامل به کالنقدين تماما، ولان مالکہ یمكنه صرفه فی قضاء مصالحه به فی ای وقت شاء فمن ملک النصاب من الورق المالی ومکت عنده حولا كاملا وجبت علیه زکاة باعتبار الفضة الخ“

”جس کو میں حق سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ کاغذی نوٹ بالکل برابر سونے اور چاندی کے حکم میں ہے، کیونکہ نوٹ کے ذریعے سونا چاندی کی طرح معاملہ ہوتا ہے، اور نیز نوٹ کے مالک کے لئے ممکن ہے کہ وہ نوٹ

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ، لکھنوی (مولانا عبدالحی) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک

سے اپنی ضروریات جس وقت چاہے، پوری کر سکتا ہے، لہذا جو نوٹ میں سے نصاب کا مالک ہو، اور اس نصاب پر پورا سال گزر جائے تو ایسے شخص پر چاندی کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔“ (۱)

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی اس سلسلے میں جو قرارداد ہے، اس کے الفاظ درج ہیں:-

”وبعد الاطلاع علی قرار المجمع رقم ۹ فی الدورة الثالثة بان العملات الورقية نقود اعتبارية فيها صفة ثمنية كاملة، ولها الاحكام الشرعية المقررة للذهب والفضة من حيث احكام الربا والزكاة والسلم وسائر احكامها۔“

”پیپر کرنسی زرا اعتباری ہے، جس میں کامل ثمنیت ہے، سود، زکوٰۃ، سلم اور دیگر احکام جو سونے چاندی کے ہیں، وہ احکام نوٹ کے بھی ہیں۔“ (۲)

## دلائل

۱- اس پر اتفاق ہے کہ نوٹ تمام معاملات میں سونے چاندی کا بدیل ہے، اور اس کا مقام ہے، اور تمام معاملات میں نوٹ نے سونے چاندی کا مقام لیا، تو لامحالہ احکام میں بھی نوٹ سونے چاندی کی طرح ہوگا، خاص طور پر جبکہ مشہور اصولی قاعدہ ہے کہ: ”البدل له حکم المبدل“ یعنی بدل احکام میں مبدل کی طرح ہوگا، یہاں مبدل سونا اور چاندی ہے، اور بدل کاغذی نوٹ ہے۔

۲- احکام شرعیہ میں اعتبار معانی اور مقاصد کا ہے، معروف اصولی قاعدہ ہے:

(۱) الفتح الربانی

(۲) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث، ۱۴۰۹ھ،

(ص ۲۲۶)

”الامور بمقاصدھا“ یعنی تمام امور کا دار و مدار مقاصد پر ہے، الفاظ اور ظاہری شکلوں پر نہیں، تو نوٹ کی وضع سے مقصد ثمنیت ہے، لہذا مقاصد کے اعتبار سے نوٹ سونے اور چاندی کی طرح ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱- نوٹ تمام احکام شرعیہ میں جب سونے چاندی کی طرح ہو گیا، اور سونے چاندی کا مقام نوٹ کو نیابتاً حاصل ہو گیا، تو نوٹ کے وہی احکام ہوں گے، جو سونے چاندی کے ہیں، اور وہ معروف ہیں، لہذا:-

الف:- نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ب:- نوٹ کے ذریعے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

ج:- نوٹ میں ربا کی تمام اقسام جاری ہوں گی، یعنی ربا الفضل، ربا النسیئہ اور ربا النساء، نوٹ میں حرام ہوں گے، لیکن اس نظر سے کہ اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ دو نوٹوں کا تفاضلاً تبادلہ اس وقت ناجائز ہوگا، جبکہ ان دونوں نوٹوں کا مبادلہ اور اصل سونا ہے، یا چاندی ہے، اس صورت میں چونکہ یہ دونوں نوٹ متحد الجنس ہوں گے، اس لئے ان کا تفاضلاً بیع درست نہ ہوگی، لیکن اگر دونوں نوٹ ایسے ہوں کہ ان میں سے ایک کا مبادلہ اور اصل سونا ہے، اور دوسرے کا چاندی ہے، تو اس صورت میں ان دونوں نوٹوں کا تفاضلاً بیع درست ہوگی، کیونکہ یہ دونوں نوٹ مختلف الجنس ہیں، البتہ جائزین سے قبضہ جس کو ”تقابض“ کہتے ہیں، ضروری ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہے، جس میں تقابض ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے مستقل بحث کی شکل میں آئے گی۔

د:- بیع صرف اپنی شرائط کے ساتھ نوٹ میں جائز ہوگی۔

(۱) الفتاویٰ السعدیة (۳۲۲ تا ۳۲۴)۔

## مناقشہ

معاملات میں نوٹ کا سونے اور چاندی کی طرح رواج پانے سے لازم نہیں آتا کہ یہ کہا جائے کہ اصل سونا چاندی ہے، اور نوٹ نایب ہے، لہذا دونوں کے احکام ایک ہوں گے، کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے، نوٹ کو مستقل ثمن کی حیثیت حاصل ہو، جیسا کہ فلوس کو یہ حیثیت حاصل ہے، حالانکہ فلوس بھی سونا چاندی کی طرح رواج میں رہے ہیں، لہذا یہ وجہ نہایت کمزور ہے۔

نیز جب ان نوٹوں کی پشت پر سرے سے سونا یا چاندی موجود ہی نہیں، تو زکوٰۃ یا سود کے مسائل میں یہ فیصلہ کس طرح ہوگا کہ اس نوٹ کا مبدل اور اصل سونا ہے، اور اس کا چاندی ہے، اس صورت میں یہ فیصلہ بہت مشکل ہوگا، اور ان مسائل میں لوگ حرج عظیم میں مبتلاء ہو جائیں گے، حالانکہ حرج دین اسلام کے مزاج کے یکسر خلاف ہے، اور قرآن اور حدیث نے اس کی نفی کی ہے۔

## نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا نظریہ

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا موقف یہ ہے کہ نوٹ بذاتِ خود ثمنِ عرفی ہے، اور احکام میں فلوس کی طرح ہے، یعنی نوٹ نہ سندِ دین ہے، نہ عروض ہے، اور نہ سونے چاندی کا بدیل ہے، بلکہ خود ثمن ہے، اور احکام شرعیہ میں فلوس کی طرح ہے۔

اکثر علماء اسی نظریے کے قائل ہیں، اور یہی نظریہ ہمارے نزدیک راجح ہے، اس لئے ہم اس کو قدر زیادہ تفصیل کے ساتھ اور مفصل حوالہ جات کے ساتھ بیان کریں گے، چند مشہور اور معروف علمائے عرب و عجم کی عبارات ملاحظہ مع ترجمہ ملاحظہ ہوں:-

۱- شیخ عبداللہ بن سلمان جو دارالافتاء ریاض کے رکن ہیں، فرماتے ہیں:-

”هذه النظرية ترى ان الاوراق النقدية كالفلوس في



طرو الثمنية عليها فما ثبت للفلوس من احكام الربا  
والزكاة والسلم تثبت للاوراق النقدية مثلها وقد قال بهذه  
النظرية مجموعة كبيرة من افاضل العلماء و يعتبر القائل  
بها في الجملة وسطا بين القائلين بالنظرية السندية  
والقائلين بالنظرية العرضية. ولا شك انه اقرب الاقوال  
الى الاصابة في نظرنا۔ (النقد الورقي ص ۸۳)

”اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ نوٹ ٹمن طاری ہونے میں فلوس کی  
طرح ہیں، سوربا، زکوٰۃ اور سلم کے جو احکام فلوس میں جاری ہوتے  
ہیں، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے، اس نظریے کا قائل  
فاضل علماء کی ایک بڑی جماعت ہے، اور اس نظریے کا قائل دو  
نظریوں یعنی یہ نظریہ کہ نوٹ سند ہے، اور یہ نظریہ کہ نوٹ عرض ہے،  
کے درمیان فیصلہ اور ثالث ہے، (یا اس نظریے کا قائل مذکورہ دو  
نظریوں کے قائلین کے درمیان میں ہے، یعنی یہ نظریہ اعتدال پر مبنی  
ہے۔) اور بلاشبہ یہ نظریہ ہماری نظر میں حق اور درستگی کے زیادہ  
قریب ہے۔“<sup>(۱)</sup>

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے اس نظریے کی کتنی پر زور تائید

فرمائی کہ:-

الف:- اس قول کو علمائے افاضل کی ایک بڑی جماعت کی طرف منسوب کیا۔

ب:- اس قول کے قائل کو ”وسط“ کہا۔

ج:- اس قول کو حق کے زیادہ قریب کہا۔

شیخ احمد خطیب اس سلسلے میں فرماتے ہیں:-

(۱) بحوالہ جدید فقہی مباحث للقاہی۔

”فتبین بجمیع ذلك ان النوت كالفلوس النحاسية في  
جمیع احكامها ظاهراً وباطناً (اقناء النفوس بالحاق النوت  
بالفلوس ص ۴۸)

”ان تمام (دلائل) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوٹ ظاہر اور باطناً تمام  
احکام میں تانبے سے بنے ہوئے فلوس کی طرح ہے۔“<sup>(۱)</sup>  
شیخ عبداللہ بن بسام فرماتے ہیں:-

”لانها ليست ذهباً ولا فضة وانما هي اثمان تتغير كما  
تتغير القروش بالكساد والرواج وتقرير  
الحكومات۔۔۔ فان كان الورق بالقروش اشبه وبه اولی  
فلا حسن ان تلحق به وان تعطي حكمه وحكم القروش  
معروف الخ (الورق النقدي ص ۸۱)<sup>(۲)</sup>

”کیونکہ یہ (نوٹ) سونا اور چاندی نہیں، یہ تو اثمان ہیں، ان میں  
”کساد، رواج“ اور حکومتوں کے انقلابات سے اس طرح تغیر واقع  
ہوتا ہے جس طرح نیکل کے سکے بدلتے ہیں، پس اگر نوٹ نیکل کے  
سکوں کے زیادہ مشابہ ہیں، اور ان کے زیادہ قریب ہیں، تو پھر بہتر  
یہی ہے کہ ان کو ان ہی کے ساتھ ملایا جائے، اور ان کو ان ہی کا حکم دیا  
جائے، اور نیکل کے سکوں کا حکم معروف ہے۔“<sup>(۳)</sup>

سعودیہ عربیہ کے علمائے کبار کی مجلس نے نوٹوں کے سلسلے میں اکثریت کے ساتھ  
جو قرار داد منظور کی، وہ درج ذیل ہے:-

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) بحوالہ: جدید فقہی مباحث للقاہی جلد دوم۔

(۳) ایضاً۔

”ان الورق النقدي يعتبر نقداً قائماً بذاته كقيام النقدية في الذهب والفضة وغيرها من الاثمان وانه اجناس تتعدد بتعدد جهات الاصدار بمعنى ان الورق النقدي السعودي جنس وان الورق النقدي الامريكى جنس وهكذا كل عملة ورقية جنس مستقل بذاته الخ“

”نوٹ بذات خود زر ہے، جیسا کہ سونا چاندی اور دیگر اثمان ہیں، اور یہ کہ نوٹ کی جنس جاری کنندہ کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے، (یعنی دو نوٹ اس وقت مختلف جنس شمار ہوں گے، جب ہر نوٹ کا جاری کنندہ الگ الگ ہو۔) مطلب یہ کہ سعودی نوٹ (ریال) الگ جنس ہے، امریکی نوٹ (ڈالر) الگ جنس ہے، اور اسی طرح ہر کاغذی کرنسی مستقل جنس ہے۔“<sup>(۱)</sup>

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں:-

”فاتضح بنا ذکرنا ان النقود الورقية لم تبق الان سندات لديون في تخريجها الفقهي، وانما صارت اثمانا رمزية يعبر عنها الفقهاء بكلمة الفلوس النافقة، فان الفلوس النافقة تكون قيمتها الاسمية اضعاف قيمتها الذاتية فكذلك الاوراق النقدية تكون قيمتها الاسمية اضعاف قيمتها الذاتية وجرت بها التعامل العام فيما بين الناس دون ايما فرق بينها وبين الفلوس النافقة الخ“

”ہماری بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ کاغذی نوٹ اب دیون کی سندات نہ رہے، اب تو یہ علامتی اثمان بن گئے، جن سے فقہائے

(۱) ابحاث هیئة كبار العلماء بالمنكة العربية السعودية، طبع اول ۱۴۰۹ هج (۲۰۱۸ء)

کرام ”فلوس نافقہ“ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ فلوس نافقہ کی ظاہری قیمت اس کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، چنانچہ کاغذی نوٹ کا یہی حال ہے، کہ ان کی ظاہری قیمت ان کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہے، اور ان نوٹوں کے ذریعے لوگوں کے درمیان تعامل جاری ہے، اور تعامل کے لحاظ سے ان میں اور فلوس میں کوئی فرق نہیں۔“<sup>(۱)</sup>

ڈاکٹر محمد سلیمان الاشراف اس بابت فرماتے ہیں:-

”القول الثالث انها عملة نقدية قائمة بذاتها تعامل معاملة الذهب والفضة الا انها شئى آخر ليست هي الذهب وليست هي الفضة وليست هي قائمة مقام الذهب ولا الفضة، بل هي اجناس اخرى بحسب الدول المصدرة لها، فالدينانير الكويتية جنس والدينانير العراقية جنس ثان والدولارات الامريكية جنس ثالث وهكذا۔ ودليل هذا القول دليل واحد وهو القياس على الذهب والفضة بجامع الثمنية، وهذا القول هو السائد الآن في الاوساط الاسلامية الملتزمة بالشريعة۔۔۔ وقد درج عليه غالبية المسلمين الملتزمين في التعامل۔۔۔ وصدرت الفتاوى من كثير من المفتين بهذا القول وصدرت قرارات من بعض المجامع الفقهية بموجبه الخ“

”(نوٹوں کے سلسلے میں) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ بذاتِ خود ایک کرنسی زر ہے، جس کے ساتھ سونے چاندی جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، مگر

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۱۵)

مختلف چیز ہے، نہ یہ سونا ہے، نہ چاندی ہے، اور نہ سونے چاندی کا قائم مقام ہے، بلکہ یہ (نوٹ) جاری کنندہ ممالک کے پیش نظر بالکل مختلف اجناس ہیں، کویتی دینار ایک جنس ہے، عراقی دینار جنس ثانی ہے، امریکی ڈالر جنس ثالث ہے، اور اسی طرح دوسری کرنسیوں کا حال ہے۔ اور اس قول کی دلیل ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ نوٹوں کو سونے چاندی پر علت ”ثمنیت“ کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے۔ اب ان ممالک میں جہاں شریعت کی پابندی کی جاتی ہے، اسی قول کو درست سمجھا جاتا ہے، اور اکثر مسلمان اسی کے مطابق باہمی معاملات چلاتے ہیں، بہت سارے مفتیان کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے، اور بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔“<sup>(۱)</sup>

ڈاکٹر اشقر کی یہ عبارت اس موقف پر نہایت صاف، واضح اور بے غبار ہے، اور اس میں بہت باتیں اہم ہیں، جن کا مختصر تجزیہ درج ہے :-

۱- نوٹ بذات خود کرنسی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نوٹ سند دین نہیں، اور نہ ہی عروض ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

۲- جس کے ساتھ سونے چاندی جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، مگر مختلف چیز ہے، نہ یہ سونا ہے، نہ چاندی ہے، اور نہ سونے چاندی کا قائم مقام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ نوٹ تعامل میں سونے چاندی کی طرح ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تعامل کی وجہ سے نوٹ سونے چاندی کا مقام قرار دیا جائے، اور سونے چاندی کا بدلہ قرار دیا جائے، اور احکام میں اس کو سونے چاندی کا تابع بنایا جائے، جیسا کہ تیسرے

(۱) مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث، ۱۴۰۹ھ،

نظر یہ والوں نے کیا ہے۔

۳- اور اس قول کی دلیل ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ نوٹوں کو سونے چاندی پر علتِ ”ثمنیت“ کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی ”مقیس علیہ“ ہے، نوٹ ”مقیس“ ہے، اور ”ثمنیت“ علت ہے۔

۴- اب ان ممالک میں جہاں شریعت کی پابندی کی جاتی ہے، اسی قول کو درست سمجھا جاتا ہے، اور اکثر مسلمان اسی کے مطابق باہمی معاملات چلاتے ہیں، بہت سارے مفتیانِ کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے، اور بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔ اس عبارت میں مختلف طریقوں سے اس قول کی ترجیح ذکر ہے کہ:-

الف:- اکثر ممالک میں یہ قول درست سمجھا جاتا ہے۔

ب:- اکثر ممالک میں اس کے مطابق تعامل جاری ہے۔

ج:- بہت سارے مفتیانِ کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے۔

د:- بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔

## دلائل

دلیلِ اوّل:- نوٹ قانونی کرنسی (Legal Tender) بن گیا ہے، اور معاملات میں نوٹ قبول کرنے پر اس طرح لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے، جس طرح دوسرے عرفی اثمان کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو دوسری مالی دستاویزات کی قبولیت پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا جاتا، مثلاً اگر کسی نے دوسرے شخص کو قرضہ دیا، یا کسی نے دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی بیچی، اور وہ مقروض یا خریدنے والا اس کو نوٹ دیتا ہے، تو اس صورت میں اس کے لئے انکار کی گنجائش نہیں، لیکن اگر وہ اس کو نوٹ کے بجائے چیک پکڑاتا ہے، تو وہ چیک قبول کرنے سے قانوناً انکار کر سکتا ہے، نیز یہ بھی یاد رہے کہ کرنسی

نوٹ غیر محدود قانونی کرنسی (Unlimited Legal Tender) ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی۔

**دلیل دوم:-** ”سند ذین“ قانوناً ہر کوئی جاری کر سکتا ہے، مثلاً مدیون دائن کے لئے کوئی رقم تحریر کرے، جیسا کہ معاملات میں ہوتا رہتا ہے، لیکن نوٹ جاری کرنے کا اختیار قانوناً ہر کسی کو حاصل نہیں۔

**دلیل سوم:-** اگر دیکھا جائے تو نوٹ پر ہر جگہ اور ہر عرف میں ”نمن“ اور ”زر“ کا اطلاق بولا جاتا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نوٹ سند ذین یا عروض نہیں، اور نہ ہی سونے چاندی کا بدیل ہے۔

**دلیل چہارم:-** دیکھئے! سکوں میں کاروبار جاری ہے، اور لوگ سکوں کے ذریعے باہمی معاملات چلا رہے ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی پشت پر سونا یا چاندی ہے، یا نہیں، یہی حال بجینہ آج کل نوٹوں کا ہے، کہ لوگوں کے معاملات میں نوٹ چل رہے ہیں، اور تعامل میں نوٹ جاری ہیں، لیکن کسی کا سونا یا چاندی کی طرف ذہن ہی نہیں جاتا، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے نوٹ کو سونے چاندی کی سند، یا عروض یا سونے چاندی کا بدیل کس طرح کہیں گے؟

**دلیل پنجم:-** سونے چاندی کے ارتقاء (Evolution) پر جو مراحل گزرے ہیں، اس میں یہ بات ہم نے ذکر کی ہے کہ اب کچھ عرصے سے ان نوٹوں کی پشت سونے اور چاندی سے بالکل خالی ہو گئی، اور نوٹ کو سونے چاندی کا کوئی سہارا حاصل نہیں، اس حال میں نوٹ سونا یا چاندی کی کس طرح سند ہوگی، یا کس طرح بدیل ہوگا؟ اس سلسلے میں جیوفری گراؤتھر (Geoffry Growther) کی عبارت پیچھے گزر چکی ہے۔

**دلیل ششم:-** یہ بات تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ نوٹ کو سند ذین یا عروض قرار دینے کی صورت میں کئی مفاسد لارم آتے ہیں، اور ربا کا درزاہ کھل سکتا ہے، نیز اس سے ”سد الذرائع“ کے قاعدے میں جو شریعت کا بہت اہم قاعدہ ہے، خلل پڑ سکتا ہے،

کیونکہ اگر نوٹ کو عروض قرار دے کر اس میں رِبَا الْفَضْلِ کو جائز قرار دیا جائے، تو لوگ اس کا بصورتِ بیع (Sale) کاروبار شروع کریں گے، اور رِبَا الْفَضْلِ کا بازار گرم ہو جائے گا، کیونکہ ہمارے ہاں سونا چاندی تو ہے نہیں، یہی نوٹ سب کچھ ہے۔

دلیلِ ہفتم:۔ نوٹ کو سندِ دین یا عروض قرار دینے کی صورت میں لوگ معاملات کے سلسلے میں مختلف مشاغل اور مسائل میں واقع ہو جائیں گے، اور معاملات میں حرج و مشقت پیش آجائے گی، تفصیل گزر چکی ہے، اور حرج شریعتِ اسلامیہ میں مرفوع اور مدفوع ہے، جبکہ نوٹ کو بذاتِ خود ثمن قرار دینے میں اس قسم کی کوئی خرابی نہیں، اور نہ ہی کوئی حرج ہے۔

دلیلِ ہشتم:۔ بابِ اوّل میں ”زَرَّ“ کی جو تعریف (Definition) بیان ہو چکی ہے، وہ مکمل طریقے سے نوٹ پر صادق ہے، لہذا نوٹ کو زَرَّ نہ کہنا خلافِ انصاف ہے۔

دلیلِ نہم:۔ بابِ اوّل میں زَرَّ کے جو وظائف (Functions) بیان ہو چکے ہیں، زَرَّ وہ تمام وظائفِ بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں، پھر کیوں نوٹ کو زَرَّ نہ کہا جائے؟<sup>(۱)</sup>

## نوٹ کی فقہی حیثیت میں قولِ راجح

انہی دلائل اور وجوہات کی بناء پر نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ:۔

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية في الفقه الاسلامي للجعید عن الورق النقدي لابن منيع (ص ۱۴۷)

\_\_\_\_\_ مجلة البحوث الاسلامية، العدد الاول من المجلد الاول (ص ۲۰۵)

\_\_\_\_\_ فقه الزكاة للقرضاوى (۱/۲۷۱)

\_\_\_\_\_ المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الاسلامي

\_\_\_\_\_ جديد فقهي مباحث

\_\_\_\_\_ احکام الاوراق النقدية للعثماني



نوٹ بذاتِ ثمن ہے، اس پر سونے چاندی کی طرح ثمن کے احکام جاری ہوں گے، بس اتنا فرق ہے کہ سونا چاندی ثمنِ خلقتی ہے، اور نوٹ ثمنِ عرفی ہے، نوٹ نہ سند دین ہے، نہ عوض ہے، اور نہ سونے چاندی کا بدیل (Substitute) ہے۔

## وجوہ ترجیح

وجوہ ترجیح اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ ہوں!

- ۱- نوٹ پر زر کی ذکر کردہ تعریفات مکمل طور پر صادق آتی ہیں۔
- ۲- زر کے جو شرعی اور اقتصادی وظائف ہیں، وہ نوٹ بحسن و خوبی سرانجام دیتا ہے۔
- ۳- نوٹ کو زر اور بذاتِ خود ثمن قرار دینے سے زکوٰۃ، سلم، مشارکہ، مضاربہ وغیرہ معاملات میں نہایت سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔
- ۴- نوٹ کو زر اور ثمن قرار دینے سے سود کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور شریعت کے اہم اصل "سد الذرائع" پر عمل ہو جاتا ہے۔
- ۵- نوٹ کی پشت پر سونا چاندی نہیں ہیں۔
- ۶- ہر علاقے اور ہر عرف میں نوٹ پر زر کا اطلاق ہوتا ہے۔
- ۷- نوٹوں کے ساتھ تعامل کے وقت کسی کا ذہن سونے یا چاندی کی طرف نہیں جاتا۔

۸- نوٹ کو قانونی طور پر کرنسی کا درجہ دیا گیا ہے۔

۹- نوٹ کے اجراء کا حق ہر کسی کو حاصل نہیں، بلکہ صرف مرکزی بینک ہی اس کا

مجاز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور علمائے امت نے اسی قول کو اختیار کیا، اور اسی کو ترجیح دی، اور احکام شرعیہ میں اسی قول کے مطابق فتاویٰ صادر کرتے ہیں، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ

ان کی اصل عبارات بمع اردو ترجمے کے ذکر ہوئیں۔<sup>(۱)</sup>

### تنبیہ

اگر دیکھا جائے، تو ان حضرات کی بات بھی درست ہے، جو نوٹ کو سند دین قرار دے رہے ہیں، لیکن یہ بات اس وقت درست تسلیم کی جاسکتی تھی، جب اس کی پشت پر سونا یا چاندی تھی، لہذا جس زمانے میں نوٹ کی پشت سونے چاندی سے خالی نہیں تھی، اس وقت اگر کوئی نوٹ کو سند دین کہتا، تو اس کی بات درست تھی، لیکن جب اس کی پشت سونے چاندی سے خالی ہوگئی، تو اب اس کو سونے چاندی کی سند کہنے کی کوئی معقول اور وزنی وجہ اور دلیل موجود نہیں۔

یہ قاعدہ شرعیہ مسلم ہے کہ زمانے میں تغیر (Changing) واقع ہونے کی وجہ سے غیر منصوص احکام شرعیہ میں تغیر واقع ہو سکتا ہے، جس کے شریعت میں بہت نظائر ہیں، یہاں ان کو ذکر کرنا مناسب نہیں، انہی میں سے نوٹ کا مسئلہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے، کہ اس وقت یہ سند تھا، اور بعد میں بذات خود ثمن بن گیا، تو آراء میں اختلاف، زمانے میں اختلاف کی وجہ سے ہوا۔

(۱) اضافی حوالہ جات:- المعاملات المالية المعاصرة "الراجح ماذهب اليه الفريق الثالث من ان النقود الورقية تقوم مقام النقود الذهبية والفضية في التعامل، وتأخذ صفة الثمنية لان العرف العام الخ" (ص ۱۹۱)

جدید فقہی مباحث میں مذکور ہے: "حاصل کلام یہ کہ کاغذی نوٹ فلوس کی طرح اثمان مرؤجہ ہیں، لہذا جو احکام فلوس کے ہوں گے، وہی اس کے بھی ہوں گے اگرچہ الخ" (۱۸۵/۲)

اسلام و جدید معیشت و تجارت میں ہے: "صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ نوٹ رسید نہیں بلکہ خود مال ہیں، سونے چاندی کی طرح ثمن حقیقی نہیں بلکہ ثمن عرفی ہیں الخ" (ص ۱۰۶)۔

کذافی اقتصادیات النقود فی اطار الفکر الاسلامی، متولی (ابوبکر الصدیق عمر) قاہرہ، مکتبہ وہبہ، طبع اول ۱۴۰۳ھ۔

## فائدہ

نوٹ سے متعلق مذکور چار نظریوں میں سے نظریہ سند اور نظریہ عروض بالکل الگ اور ممتاز ہیں، ایک دوسرے سے بھی ممتاز ہیں اور آخری دو نظریوں سے بھی ممتاز ہیں، البتہ آخری دو نظریے پہلے دو نظریوں سے تو ممتاز ہیں، لیکن باہم ملتے جلتے ہیں، جس کی وجہ سے اشتباہ (Confusion) میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے، تو خوب سمجھنا چاہئے کہ یہ دونوں نظریے اس بات پر متفق ہیں کہ نوٹ سند دین یا عروض نہیں، بلکہ ثمن ہے، ثمنیت پر ان کا اتفاق ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ نظریہ سوم کی رو سے نوٹ بذات خود ثمن نہیں، بلکہ سونے چاندی کا بدلہ (Substitute) ہے، اس وجہ سے ہم اس کو ثمن کہتے ہیں، لہذا اس کے احکام اول سے آخر وہی ہوں گے جو سونے چاندی کے ہیں، یہاں تک کہ اس نظریہ کی رو سے نوٹوں کا تبادلہ صرف ہو سکتا ہے، جبکہ نظریہ چہارم کی رو سے نوٹ بذات خود ثمن ہے، یہ کسی شے کا قائم مقام نہیں، البتہ ثمن ہونے کی وجہ سے اس کے احکام سونے چاندی کے ہوں گے، لیکن خلقت اور عرف کا فرق ہوگا، نوٹ ثمن عرفی ہے، اس لئے فلوس کی طرح ہوں گے، اور ان کا تبادلہ صرف ہمیں ہوگا، اور سونا چاندی ثمن خلقی ہے، اس لئے ان میں صرف ہو سکتا ہے، اس لئے زکوٰۃ کے مسئلے کی تخریج میں بھی دونوں موقفوں میں فرق ہے، جس کی تفصیل گزر گئی۔

## فلوس (Pices) کی حقیقت

فلوس ”فلس“ کی جمع ہے، فلس پیسہ کے معنی میں ہے، اسی سے ”افلاس“ اور ”تفلیس“ مشتق (Drived) ہے، افلاس کے معنی غربت کے ہیں، اور تفلیس کے معنی ہیں: حاکم کا کسی کو مفلس قرار دینا۔<sup>(۱)</sup>

اور اصطلاح میں فلوس تانبے کے ان ڈھلے ہوئے ٹکڑوں (Pieces) کو کہتے

(۱) لسان العرب، ابن المنصور متوفی ۱۱۱ھ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، طبع

اول ۱۴۰۸ھ (۲۰۱۰ء)۔

ہیں، جو لوگوں میں سکوں کی طرح رائج ہوں، اس کو ”فلوس نافقہ“ یا ”فلوس رائجہ“ بھی کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

## فلوس کے ارتقائی مراحل کا خلاصہ

۱- زمانہ جاہلیت، یعنی اسلام سے قبل اور ظہور اسلام کے بعد ایک عرصہ تک لوگ فلوس کی جگہ انڈے، یا گندم وغیرہ استعمال کرتے تھے، اور انڈے یا گندم یا کوئی بھی غلہ تعامل استعمال ہوتا تھا۔

۲- اس کے بعد لوگوں نے تانبے کے ٹکڑے استعمال کرنے لگے، لیکن یہ ٹکڑے ڈھلے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔

۳- اس کے بعد فلوس باقاعدہ ڈھلنے لگے، اور ان کو ایک قانونی شکل دی گئی، ہر فلس کی ایک جانب اس وقت کے بادشاہ کا نام اور لقب کندہ ہوتا تھا، اور دوسری جانب متعلقہ ملک کا نام درج ہوتا تھا، نیز جس سن میں سکہ ڈھلا ہے، وہ سن درج ہوتا تھا، یہاں سے باقاعدہ فلوس کا آغاز ہوا۔

۸۱ھ میں ملک ظاہر برقوق کے زمانے میں فلوس کا بہت زیادہ رواج ہو گیا، اور

(۱) الفقه الاسلامی وادلتہ، الزحیلی (الدكتور وهبه الزحیلی) دمشق، دارالفکر، طبع اول ۱۳۰۳ھ

”الفلوس جمع فلس، وهو قطعة من النحاس كان يتعامل بها الخ“ (۸۰۹/۳)۔

\_\_\_\_\_ اقرب الموارد، الشرتونی (علامہ سعید الخوری الشرتونی) لبنان، دارالاسوة للطباعة النشر، طبع اول ۱۳۷۲ھ۔

”الفلس قطعة مضروبة من النحاس يتعامل بها وهي من المسكوكات القديمة (۱۹۷/۳)

\_\_\_\_\_ شرح منح الجلیل (علامہ محمد علیش

”فلوس بضم الفاء جمع فلس بفتحها وسكون اللام، ای النحاس المسكوك الذي يتعامل به (۵۳۳/۳)۔

کذا فی دائرة معارف القرآن، وجدی، (محمد فرید وجدی) مطبعة دائرة معارف القرآن ۱۳۵۷ھ (۲۰۳/۷)۔

فلوس میں رواج اور تعامل اس حد تک بڑھنے لگا کہ قریب تھا کہ درہم کا وجود ہی ختم ہو جاتا، بعض روایات میں ہے کہ اس وقت کے امیر نے بہت بڑی تعداد میں فلوس ڈھالے، اور درہم میں تعامل کو معطل کر دیا۔

فلوس میں تعامل وزناً بھی ہوتا تھا، اور عدداً بھی، بعد میں فلوس عددی اشیاء میں شمار ہونے لگے، چنانچہ احکام شرعیہ میں فلوس کا عددی ہونے کے لحاظ سے اعتبار ہے۔<sup>(۱)</sup>

### فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف فقہاء

”زر“ کے استعمال اور اس کے اطلاق کے سلسلے میں باب اول میں تین موقعوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا تھا، وہاں یہ بات ذکر ہوئی تھی کہ بعض فقہائے کرام کے ہاں زر کے اطلاق کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور ان کے ہاں زریا ثمن کا اطلاق ”فلوس“ پر بھی ہوتا ہے، یہیں سے فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف فقہاء کا آغاز ہو جاتا ہے، کہ بعض حضرات فلوس کو ثمن اور زر کہتے ہیں، جبکہ دیگر حضرات فلوس کو زریا ثمن نہیں کہتے، ہم یہاں قدرے تفصیل سے ان اقوال کو جمع اولہ اور تفریعات کے ذکر کرتے ہیں۔

فقہائے کرام کی عبارات کے تتبع اور استقراء سے اور ان پر غور کرنے سے اس سلسلے میں تین اقوال سامنے آتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

۱- حضرات حنفیہ میں سے امام محمد، محمد بن الفضل، علامہ سرخسی، علامہ حلوانی، حضرات مالکیہ، علامہ ابن تیمیہ، اور علامہ ابن القیم، ان حضرات کا قول یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں۔

۲- حضرات حنفیہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف کے ہاں فلوس کو ثمنیت لازم نہیں اور متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں، اور حضرات شافعیہ کا قول یہ ہے کہ فلوس اثمان نہیں۔

(۱) تطور النقود فی إطار الفكر الاسلامی، الحسنی (الدكتور احمد حسن احمد الحسنی)

طبع اول ۱۴۱۰ھ، دارالمدنی۔

۳- حضراتِ حنابلہ کی اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، یہی امام احمد بن حنبلؒ سے منصوص قول ہے، اور یہی ان کے ہاں رائج ہے، اور دوسری روایت بعض حنابلہ علماء کی ہے، اور وہ یہ کہ فلوس اثمان نہیں ہیں، گویا کہ حنابلہ ایک روایت میں فریقِ اول کے ساتھ ہیں، اور دوسری روایت کے مطابق فریقِ ثانی کے ساتھ ہیں۔

فریقِ اول:- امام محمدؒ کا مذکورہ موقف ان احکام سے معلوم ہوتا ہے، جو ربا، سلم، مشارکہ اور مضار بہ کے ضمن میں فقہائے کرام نے بیان کئے ہیں، مثلاً ”ربا“ (Interest) کے مسئلے میں علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:-

”ویجوز بیع المعدودات المتقاربة من غیر المطعومات  
بجنسها متفاضلاً عند ابی حنیفة و ابی یوسف بعد ان  
یکون یداً بید کبیع الفلوس بالفلسین باعیانہما، وعند  
محمد لا یجوز۔ وجہ قولہ، ان الفلوس اثمان فلا یجوز  
بیعها بجنسها متفاضلاً کالدراہم والدنانیر، ودلالة الوصف  
عبارة عما تقدر به مالیه الاعیان ومالیة الاعیان کما تقدر  
بالدراہم والدنانیر تقدر بالفلوس فکانت اثماناً، ولہذا  
کانت اثماناً عند مقابلتها بخلاف جنسها، وعند مقابلتها  
بجنسها حالة المساواة، وان کانت ثمناً فالثمن لا یتعین  
وان عین کا الدراہم والدنانیر فالتحق التعین فیہما  
بالعدم فکان بیع الفلوس بالفلسین بغير اعیانہما، وذا  
لا یجوز، ولانہا اذا کانت اثماناً فالواحد یقابل الواحد  
فبقي الآخر فضل مال لا یقابله عوض فی عقد المعاوضة

وهذا تفسير الربا الخ<sup>(۱)</sup>

”کھانے جانے والی اشیاء کے علاوہ جو اشیاء، ”معدودات متقاربه“ میں سے ہوں، ان کی بیع بجنسہا زیادت کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ ہاتھ در ہاتھ ہو، جیسا کہ ایک فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع جائز ہے، جبکہ یہ دونوں معین ہوں، اور امام محمد کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ امام محمد کے قول کا وجہ یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، لہذا ذرا ہم اور ذرا نیر کی طرح ان کی بیع بجنسہا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں، اور وصف (ثمنیت) کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز سے اشیاء کی مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، اور اشیاء کی مالیت کا اندازہ جس طرح ذرا ہم اور ذرا نیر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس طرح فلوس کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے، لہذا فلوس اثمان ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ فلوس کا مقابلہ جب غیر جنس کے ساتھ ہو، یا جنس کے ساتھ ہو، لیکن دونوں طرف ساوی ہوں، تو فلوس کو اثمان قرار دیا جاتا ہے، اور جب جب فلوس

ابدانہ الصنائع، الکسانی، الامام العلامة علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکسانی،

کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، طبع اول ۱۳۲۸ھ

مراجعہ اضافیہ

البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم (الشيخ العلامة زين الدين بن ابراهيم متوفى

۹-۹ھ) بيروت، دارالكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۸ھ (۲۱۹/۶)

فتح القدير شرح الهداية، ابن الهمام (كمال الدين محمد بن عبد الواحد المعروف بابن

الهمام) كونه، المكتبة الرشيدية، كونه باكستان، (۲۰۸/۶)

الفتاوى العالمگیریة، جماعة من العلماء الكبار، كونه، مكتبة رشيدية، طبع دوم، ۱۴۰۲ھ

۲۲۲/۳-



اثمان ہیں، تو ثمن تعین سے متعین نہیں ہوتے، جیسا کہ ذرا ہم اور  
 دنانیر کا معاملہ ہے، لہذا ان میں ”تعین“ کا عدم ہوگئی، تو اب یہ سمجھا  
 جائے گا، کہ یہاں غیر معین فلس کی غیر معین فلسین کے ساتھ بیع ہوئی،  
 اور یہ جائز نہیں، اور اسی لئے بھی کہ جب یہ اثمان ہیں، تو ایک فلس  
 ایک فلس کے مقابلے میں آجائے گا، اور ایک فلس عوض سے خالی رہ  
 جائے گا، اور یہی ربا کی تفسیر ہے۔“

علامہ کاسانی کی یہ عبارت کئی مفید نکات پر مشتمل ہے:-

۱- اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد کے نزدیک فلس کی بیع فلسین کے  
 ساتھ ناجائز ہے۔

۲- عدم جواز کی وجہ ان کے نزدیک فلوس کا ثمن ہونا ہے۔

۳- ثمن کے فلوس ہونے کی دلیل فلوس کے وظائف ہیں، چونکہ فلوس کے

وظائف وہی ہیں جو ذرا ہم و دنانیر کے ہیں، اس لئے فلوس وصفِ ثمنیت کے ساتھ متصف  
 ہوں گے۔

۴- فلوس کے ثمن ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ جب بیع میں ایک طرف

فلوس ہوں، اور دوسری طرف مثلاً غلام ہو، یا جب ایک فلس کا مقابلہ ایک فلس کے ساتھ ہو،  
 تو ان صورتوں میں بالاتفاق فلوس کو ثمن قرار دیا جاتا ہے، لہذا فلس بفلسین کی صورت میں بھی  
 فلوس اثمان ہوں گے۔

۵- اور جب فلوس اثمان ہو گئے، تو ثمن تعین سے متعین نہیں ہوتے، لہذا فلوس

میں عاقدین یعنی بائع اور مشتری کی تعین کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور عدم تعین کے وصف میں  
 فلوس درہم و دینار کی طرح ہوں گے۔

۶- اب یہ سمجھا جائے گا کہ ایک فلس ایک فلس کے مقابلے میں آگیا، اور ایک



فلس عوض سے خالی رہ گیا، اور یہی تو ربا کی تعریف اور تفسیر ہے، لہذا فلس کی بیع بفلسین ناجائز ہوگی۔

۷۔ البتہ بیع فلس بفلسین کی صورت میں چونکہ جنس ایک ہے، اس لئے عدت قاصرہ کے تحقق کی وجہ سے ”نساء“ بالاتفاق ناجائز ہوگا۔

شرکت اور مضاربت کے بارے میں علامہ کا سائی فرماتے ہیں:-

”واما الفلوس فان كانت كاسدة فلا تجوز الشركة ولا المضاربة بها، لانها عروض، وان كانت نافقة فكذلك في الرواية المشهورة عن ابي حنيفة وابي يوسف وعند محمد تجوز۔ والكلام فيها مبني على اصل وهو ان الفلوس الرانجة ليست اثمانا على كل حال عند ابي حنيفة وابي يوسف لانها تتعين بالتعيين في الجملة وتصير مبيعا باصطلاح العاقدين، وعند محمد الثمنية لازمة للفلوس النافقة فكانت من الاثمان المطلقة، لهذا ابي جواز بيع الواحد منهما باثنين، فتصير رأس مال الشركة كسائر الاثمان المطلقة الخ“<sup>(۱)</sup>

”فلوس امر كسوة ہوں (یعنی رواج میں نہ ہوں)، تو ان میں شرکت اور مضاربت جائز نہیں، کیونکہ یہ عروض ہیں، اور اگر کسے ہوں، (یعنی رواج میں ہوں) بھی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان شرکت جائز نہیں، اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ فلوس میں یہ بحث ایک اور اصل پر مبنی (Based) ہے، اور وہ یہ کہ فلوس رانجہ ہر حال میں اثمان نہیں، کیونکہ یہ کسی نہ کسی درجے میں

(۱) بدائع الصنائع (۶/ ۲۹)

تعیین سے متعین ہو جاتے ہیں، اور عاقدین کے کی اصطلاح سے  
فلوس بیع بھی بنتے ہیں، اور امام محمدؒ کے نزدیک فلوس نافقہ کو وصفِ  
ثمنیت لازم ہے، لہذا فلوس اثمانِ مطلقہ میں سے ہیں، اسی وجہ سے  
امام محمدؒ ایک فلس کی بیع دو کے مقابلے میں جائز قرار نہیں دیتے ہیں،  
لہذا شرکت میں فلوس دوسرے اثمانِ مطلقہ کی طرح کارؤس المال  
(Capital) بنا دُرست ہوگا۔“

جاننا چاہئے کہ شرکت اور مضاربت میں شرعی اصول یہ ہے کہ ان دونوں میں  
رأس المال کا نقود ہونا ضروری ہے، سامان رأس المال نہیں بن سکتا، اسی اصول کی بناء پر  
امام محمدؒ کے نزدیک فلوس کے ساتھ شرکت اور مضاربت دُرست ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور  
امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دُرست نہیں۔

علامہ کاسانیؒ نے ”فی الروایة المشہورة عن ابی حنیفة و ابی یوسف“  
کہا، کیونکہ اس سلسلے میں ان حضرات سے ایک غیر مشہور روایت بھی مروی ہے، جس کے  
مطابق ان کے ہاں بھی فلوس میں شرکت اور مضاربت دُرست ہیں، چنانچہ تنویر  
الابصار متن الدر المختار میں ہے:-

”ولا تصح مفاوضة وعنان بغير النقدين والفلوس النافقة  
الخ“

”اور شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان سونے، چاندی اور فلوس کے  
بغیر دُرست نہیں۔“ (۱)

اس عبارت سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ فلوس کے ساتھ بھی

(۱) تنویر الابصار متن الدر المختار، التمر تاشی (محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب  
التمر تاشی الغزی المتوفی ۹۳۹) بیروت، دار احیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۱۹ھ  
(۳۷۵/۶)

شرکت درست ہے، اور اس حکم میں مضاربت شرکت کی طرح ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ مشہور اور صحیح روایت وہی ہے کہ فلوس میں ان کے نزدیک شرکت اور مضاربت درست نہیں۔

## ازالہ وہم

امام محمد کی مشہور کتاب ”کتاب الاصل“ میں یہ مذکور ہے کہ فلوس میں امام محمد کے نزدیک ”سلم“ درست ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلے میں امام محمد نے فلوس کے سلسلہ میں اپنا موقف ترک کر دیا، تب ہی تو فلوس میں سلم کو جائز قرار دیا، کیونکہ سلم کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ”مسلم فیہ“ (بیع) ایسی شئی ہو، جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہو، یہی وجہ ہے کہ درہم و دینار میں بیع سلم درست نہیں، کیونکہ درہم و دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، تو جب امام محمد نے فلوس میں بیع سلم کو جائز قرار دیا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے فلوس میں وصف ثمنیت کو باطل کیا، اور فلوس کو یہاں عرض میں شمار کیا، چنانچہ مشہور کتاب فقہ ”تحفة الفقہاء“ میں مذکور ہے:-

”واما السلم فی الفلوس فقد ذکر فی ”الاصل“ وقال انه

یحوز

”فلوس میں سلم کے بارے میں امام محمد نے ”الاصل“ میں فرمایا کہ یہ

جائز ہے۔“<sup>(۱)</sup>

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کتاب الاصل میں ذکر کردہ یہ موقف درحقیقت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے، اور امام محمد نے یہاں اپنا موقف ذکر نہیں کیا ہے، لہذا اس سے اس وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ امام محمد نے اس مسئلے میں اپنا موقف تبدیل کیا ہے، جیسا کہ صاحب تحفہ نے مذکورہ عبارت ذکر کر کے فرمایا:-

(۱) تحفة الفقہاء، السمرقندی، (علامہ علاء الدین المتوفی ۵۳۹ھ)، دمشق، مطبعة

جامعہ دمشق، طبع اول، ۱۳۰۰ھ

”ووجب ان يكون ذلك على قول ابي حنيفة و ابي

يوسف---وعلى قول محمد لا يجوز“

”یہ ضروری ہے کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول پر

مبنی ہو، اور امام محمد کے قول کے مطابق یہ معاملہ درست نہیں۔“ (۱)

چنانچہ علامہ کاسائی سلم کے بارے میں صاف انداز میں لکھتے ہیں:-

”واما السلم في الفلوس عددا فجاز عند ابي حنيفة و ابي

يوسف وعند محمد لا يجوز بناء على ان الفلوس اثمان

عنده فلا يجوز السلم فيها كما لا يجوز السلم في الدراهم

او الدنانير وعند هام الخ“

”فلوس میں سلم عدد کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف

کے نزدیک درست ہے، اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، اور وجہ

یہ ہے کہ فلوس امام محمد کے نزدیک اثمان ہیں، لہذا ان میں سلم ناجائز

ہوگا، جیسا کہ درہم اور دنانیر میں بیع سلم جائز نہیں ہے، اور ان کے

ز نزدیک الخ،“ (۲)

## خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ربا، مشارکت، مضاربت اور سلم کے ان ذکر کردہ مسائل سے یہ

بات بالکل واضح ہو کر سامنے آئی کہ فلوس امام محمد کے نزدیک اثمان مطلقہ ہیں، اور وصف

ثمنیت ان کو لازم ہے، اور حضرات شیخین (یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف) کے

ز نزدیک فلوس اثمان مطلقہ نہیں، وصف ثمنیت ان سے الگ ہو سکتی ہے۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) بدائع الصنائع (۲۰۸/۵)، کذا فی البحر الرائق (۲۶۱/۶) وفی الدرالمختار مع

ردالمحتار (۳۳۹/۷)

محمد بن الفضل، شمس الائمہ سرخسی اور شمس الائمہ حلوانی کا موقف  
محمد بن الفضل، شمس الائمہ سرخسی اور شمس الائمہ حلوانی: ان کے موقف کے  
بارے میں استاد الجعید فرماتے ہیں:-

”ویوافق محمد بن الحسن علی هذا الاصل بعض علماء

الحنفية مثل محمد بن الفضل واختاره السرخسی وشیخه

الحلوانی“

”اس اصل میں امام محمد کے ساتھ بعض علمائے حنفیہ متفق ہیں، مثلاً:

محمد بن الفضل، اور اسی کو علامہ سرخسی اور ان کے استاد علامہ حلوانی

نے اختیار کیا ہے۔“<sup>(۱)</sup>

### حضرات مالکیہ

مالکیہ کے ہاں فلوس اثمان ہیں، البتہ بیع فلس بفلسین میں ان کے ہاں اقوال  
مختلف ہیں، یعنی یہ کہ یہ معاملہ حرام ہے، مکروہ ہے، حلال ہے۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے نزدیک قول راجح یہی ہے کہ یہ معاملہ ناجائز اور  
حرام ہے، جیسا کہ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے:-

”وذلك ان بیع الفلس بالفلسین حرام مطلقاً وهو من الربا

المحرم شرعاً عند الامام مالک بن انس ومحمد بن

الحسن الشیبانی الخ“

”اور یہ اس وجہ سے کہ فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع حرام

مطلق ہے، اور یہ ثمرناً امام مالک بن انس اور امام محمد کے نزدیک ربا

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية عن البدائع والفتاویٰ الهندية والمبسوط (ص ۳۹)

حرام ہے۔“ (۱)

حضرات مالکیہ کے ہاں ان تین اقوال کا منشاء یہ نہیں کہ ان کے ہاں فلوس کے ثمن ہونے میں اختلاف ہے، بلکہ ان کے ہاں فلوس اثمان ہیں، اور یہی ہمارا مقصود ہے، بلکہ اس کا منشاء دو چیزیں ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

## منشاء اول

الف:- فلوس کو اگر سونے اور چاندی پر قیاس کیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ ثمنیت کی علت کی وجہ سے یہ سونے اور چاندی کی طرح ہیں، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ فلوس احکام میں سونے اور چاندی کی طرح ہو، لہذا جس طرح ایک دینار کے مقابلے میں دو دیناروں کی اور ایک درہم کے مقابلے میں دو درہموں کی بیع حرام ہے، اسی طرح ایک فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع بھی حرام ہو۔

ب:- اور اگر یہ کہا جائے کہ ٹھیک ہے فلوس اثمان ہیں، لیکن سونا اور چاندی کی طرح نہیں، اور نہ ہی یہ سونا چاندی ہیں، اور احادیث نہیں میں سونا اور چاندی کا ذکر ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ معاملہ حلال ہو۔

ج:- اور اگر اس تذبذب کو دیکھا جائے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ معاملہ مکروہ ہو۔

## منشاء دوم

نقدین (سونے چاندی) میں ربا کے حرام ہونے کی جو علت ہے وہ متعدی ہوتی ہے، یا نہیں، جو تعدی کے قائل ہیں ان کے نزدیک مذکورہ معاملہ حرام ہے، جو تعدی کے

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۷۱)

قابل نہیں، تو ان کے نزدیک مذکورہ معاملہ حلال ہے، اور جو تذبذب کا شکار ہیں، ان کے نزدیک مکروہ ہے۔<sup>(۱)</sup>

حضرت امام مالک کی مشہور کتاب "المدونة" سے چند عبارات بطور نمونہ

ملاحظہ ہوں :-

"قلت : ارأیت ان اشتريت فلوسا بدر اھم فافترقنا قبل ان نتقابض، قال : لا یصلح هذا فی قول مالک، وهذا فاسد، قال : لی مالک : لا خیر فیھا نظرة بالذهب ولا بالورق، ولو ان الناس اجازوا بینھم الجلود حتی تكون لھا سكة وعین لک رھتھا ان تباع بالذهب والورق نظرة۔ قلت : ارأیت ان اشتريت خاتم فضة او خاتم ذهب او تبر ذهب بفلوس فافترقنا قبل ان نتقابض ایجوز هذا فی قول مالک ؟ قال : لا یجوز فلس بفلوسین۔۔۔ قال اللیث بن سعد عن یحی بن سعید وربیعة انھما کرھا الفلوس بالفلوس و بینھما فضل اور نظرة وقالوا : انھا صارت سكة مثل سكة الدنانیر والدراھم۔"

"میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر دراهم کے بدلے فلوس خریدوں اور پھر ہم قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، فرمایا: یہ امام مالک کے قول میں درست نہیں، اور یہ فاسد ہے، مجھے امام مالک نے فرمایا: فلوس اگر سونے یا چاندی کے مقابلے میں اوتھار ہوں، تو اس

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجعید عن شرح التلقین لِمَا زَرِي فِي الْفَقْهِ الْمَالِكِي وَشَرْحِ التَّهْذِيبِ فِي الْفَقْهِ الْمَالِكِي الْمَخْطُوطِينَ بِمَرْكَزِ الْبَحْثِ الْعِلْمِيِّ بِجَامِعَةِ ام الْقُرَى ۱۰

معاملے میں کوئی خیر نہیں، اور اگر لوگ کھالوں میں میں تعامل شروع کریں، یہاں تک کہ یہ سکھ اور ذات بن جائیں، تو میں ان کھالوں کا تبادلہ سونے چاندی کے ساتھ ادھار مکروہ قرار دوں گا۔ میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کی انگوٹھی خریدوں، اور پھر قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، تو یہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے؟ فرمایا: یہ امام مالک کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ امام مالک نے فرمایا: فلس کا فلسین کے مقابلے میں معاملہ جائز نہیں..... لیث بن سعد یحییٰ بن سعید اور ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں فلوس کا فلوس کے مقابلے میں ایسے معاملے کو مکروہ فرماتے ہیں جس میں زیادتی یا ادھار ہو، اور یہ فرمایا: کیونکہ یہ دنانیر اور دراهم کی طرح سکھ ہو گیا۔“<sup>(۱)</sup>

”وقال مالك : اكره ذلك في الفلوس ولا اراه حراما  
كتحريم الدنانير والدرهم، قلت: ارأيت ان اشتریت فلساً  
بفلسین ایجوز هذا عند مالك؟ قال: لا یجوز فلس  
بفلسین۔“

”اور امام مالک نے فرمایا: میں اس کو فلوس میں مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں اس معاملے کو دنانیر اور دراهم کی حرمت کی طرح حرام نہیں سمجھتا ہوں، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ امام مالک کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے؟ فرمایا: ایک فلس کی بیع دو

(۱) المدونة الكبرى، الاصبیحی (الامام مالك بن انس الاصبیحی المتوفی ۱۷۹، بیروت،

دارالکتب العلمیة، طبع اول ۱۴۱۵ هج (۵/۳، ۲)



فلسوں کے ساتھ جائز نہیں۔“ (۱)

## علامہ ابن تیمیہ کا موقف

علامہ ابن تیمیہ بھی فریق اول میں داخل ہیں، جو فلوس کو اثمان کہتا ہے، چنانچہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:-

”الاضرہ المنع من ذلك فان الفلوس النافقة يغلب عليها

حکم الاثمان وتجعل معيار الاموال الناس۔“

”ظاہر منع ہی ہے کیونکہ فلوس نافقہ پر اثمان کا حکم غالب ہے، اور

فلوس کو لوگوں کے اموال کا معیار قرار دیا جاتا ہے۔“ (۲)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

”فاذا صارت الفلوس اثمانا صار فيها هذا المعنى، فلا يباع

ثمن بثمان الى اجل۔“

”سو جب فلوس اثمان ہو گئے، تو ان میں یہ معنی آگئے، لہذا اب ثمن کو

ثمن کے مقابلے میں ادھار نہیں بیچا جائے گا۔“ (۳)

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ فلوس علامہ ابن

تیمیہ کے نزدیک اثمان ہی ہیں۔

## علامہ ابن القیم

علامہ ابن القیم بھی ان علماء میں سے ہیں، جو فلوس کو ثمن قرار دیتے ہیں، چنانچہ

اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں:-

(۱) مرجع سابق (ص ۱۵۹)

(۲) مجموعة الفتاوى لابن تیمیة (۲۹/۱۷۱)

(۳) حوالہ بالا

”والثمن هو المعيار الذي به يعرف تقويم الاموال فيجب ان يكون محددًا مضبوطًا، لا يرتفع ولا ينخفض الخ“  
 ”ثمن وہ معیار ہے جس سے اموال کی قیمتیں معلوم کی جاتی ہوں، لہذا ضروری ہے کہ ثمن کی کوئی تحدید ہو، اور وہ منضبط ہو، یعنی اس میں اُتار چڑھاؤ نہ ہو۔“<sup>(۱)</sup>

”كما رأيت من فساد معاملاتهم والضرر اللاحق بهم حين اتخذت الفلوس سلعة تعد للربح فعم الضرر وحصل الظلم ولو جعلت ثمنًا واحدًا لا يزداد ولا ينقص بل تقوم به الاشياء ولا تقوم هي بغيرها لصلح امر الناس۔“  
 ”جیسا کہ میں نے لوگوں کے معاملات کا فساد اور ان کو جو نقصان لاحق ہوا وہ دیکھا، جبکہ لوگوں نے فلوس کو سامان بنایا اور ان کو نفع کا ذریعہ بنایا، تو اس طریقے سے نقصان عام ہو گیا، اور ظلم سامنے آ گیا، اور اگر فلوس کو ثمن قرار دیا جاتا اور اس میں اُتار چڑھاؤ نہ ہوتا، بلکہ ان اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ کیا جاتا، اور یہ خود کسی شے سے اندازہ نہ کیا جاتا، تو لوگوں کے معاملات درست ہوتے۔“<sup>(۲)</sup>

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ علامہ ابن القیمؒ فلوس کو اثمان قرار دے رہے ہیں، اور ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ فلوس کو اثمان قرار نہ دینے سے لوگوں کو نقصان اور ضرر لاحق ہو گیا، اور ظلم عام ہو گیا، اور دوسری بات علامہ ابن القیمؒ کی عبارت سے معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے فلوس کو زر سمجھا، سامان نہیں، جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱) اعلام الموقعین (۲/۱۳۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

## امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا موقف

فریق ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا موقف یہ ہے کہ فلوس کو ثمنیت لازم نہیں، اور فلوس متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں، لہذا جو احکام امام محمدؒ کے موقف پر متفرع ہوتے تھے، وہ احکام ان حضرات کے موقف کے مطابق برعکس ہو جائیں گے، تفصیل اور حوالہ جات فریق اول کے بیان کے ضمن میں گزر گئے، انہما سے کی ضرورت نہیں۔

## امام شافعیؒ کا موقف

شافعیہ کے ہاں بھی فلوس اثمان نہیں، چنانچہ علامہ کوہنجی علت ربا کے ضمن میں فرماتے ہیں:-

”وعلة الربا في الذهب والفضة الثمنية وهي منتفية عن  
العروض والفلوس۔“

”ربا کی علت سونے اور چاندی میں ثمنیت ہے، اور یہ عروض اور  
فلوس میں نہیں پائی جاتی۔“ (۱)

اور علامہ نووی فرماتے ہیں:-

”اذا راجت الفلوس رواج النقود لم يحرم الربا فيها، هذا هو  
الصحيح المنصوص وبه قطع المصنف والجمهور۔“

”جب فلوس میں ایسا تعامل جاری ہو جائے، جیسا کہ زر میں ہے، تو  
بھی ان میں ربا حرام نہیں ہوگا، یہی درست ہے، اسی کو مصنف نے  
جزم کے ساتھ بیان کیا، اور جمہور کا یہی موقف ہے۔“ (۲)

(۱) زاد المحتاج شرح المنهاج، الكوهنجي (الشيخ عبدالله بن الشيخ حسن الحسن الكوهنجي  
قطر، طبع اول ۱۴۰۲ھ (۲۰۲۰ء))

(۲) المجموع شرح المذهب، النووي (الامام ابو زكريا محي الدين بن شرف النووي،  
بيروت، دار الفكر۔)

## اہم تنبیہ

عربی مصنفین نے اگرچہ یہ بات واضح انداز میں لکھی ہے کہ شافعیہ کے ہاں فلوس اثمان نہیں، اور علامہ کوہچی شافعی کی مذکورہ عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرات شافعیہ کی فقہی عبارات پر جب غور کیا جاتا ہے، تو ان عبارات سے فلوس میں مطلقاً ثمنیت کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ ”ثمنیت جوہریہ“ یا ”ثمنیت غالبہ“ کی نفی ہوتی ہے، کہ فلوس ثمن جوہری یا خلقی نہیں، اور ان کے ہاں چونکہ نقد میں علت حرمتِ ربا ”ثمنیت جوہریہ“ ہے، اور فلوس میں یہ علت نہیں پائی جاتی، اس لئے انہوں نے فلسِ بفسلسین کی بیع کو جائز قرار دیا، تو جواز کی وجہ یہ نہیں کہ فلوس ثمن نہیں، بلکہ جواز کی وجہ یہ ہے کہ ثمنیت جوہریہ جو علت ہے، وہ فلوس میں نہیں پائی جاتی۔

حضرات شافعیہ کی فقہی عبارات سے ثمنیت جوہریہ کی نفی ہوتی ہے، یعنی مقید کی نفی ہے، اور مشہور قاعدہ ہے کہ جب مقید پر نفی داخل ہو، تو اس سے قید کی نفی ہوگی، نہ کہ ذاتِ مقید کی نفی، مثلاً جب یہ کہا جائے کہ میں نے زید کو بندھا ہوا نہیں مارا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مارا تو ہے، لیکن اس وقت وہ بندھا ہوا نہیں تھا، تو اس سے نفی باندھنے کی ہوئی، نہ کہ مارنے کی، اسی طرح مذکورہ مسئلے میں نفی ثمنیت جوہریہ کی ہے، نہ کہ ثمنیت کی، اس لئے راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ فلوس نافقہ ان کے ہاں بھی اثمان ہیں، لیکن اثمان جوہریہ نہ ہونے کی وجہ سے علتِ ربا نہیں اس لئے فلسِ بفسلسین کی بیع جائز ہے، چنانچہ چند عبارات ملاحظہ ہوں:-

”وقال الجمهور: العلة فيهما صلاحية الثمنية الغالبة، وان

شئت قلت: جوهرية الاثمان غالباً،--- وفي تعدى الحكم

الى الفلوس اذا راجت وجه، والصحيح انه لا ربا فيها لانتفاء

الثمنية الغالبة۔“

”اور جمہور نے کہا کہ سونے اور چاندی میں غلت ان میں ثمنیت غالبہ کی صلاحیت کا ہونا ہے، اور اگر آپ چاہے تو کہے کہ جوہریت اثمان..... اور حکم (ربا) کو فلوس رائج کی طرف متعدی کرنے میں ایک روایت ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان میں ربا نہیں ہے، کیونکہ ان میں ثمنیت غالبہ نہیں ہے۔“<sup>(۱)</sup>

حواشی شروانی میں ہے:-

”وعنة الربا فيه جوهرية الثمن فلاربا في الفلوس وان راجت الخ“

”اور ربا کی غلت اس میں ثمن کی جوہریت ہے، لہذا فلوس میں ربا نہیں ہے، اگرچہ رائج ہوں۔“<sup>(۲)</sup>

## حنابلہ کا موقف

فقہائے حنابلہ سے اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں فلوس ثمن نہیں، اور دوسری روایت کے مطابق فلوس ثمن ہیں، اور یہی روایت ان کے نزدیک رائج اور قوی ہے، چنانچہ رائج قول کے مطابق ان کے ہاں فلس بفلسین کی بیع ناجائز ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) روضة الطالبين، النووي (علامہ محی الدین بن شرف النووي) بیروت، المكتب الاسلامی، طبع دوم ۱۴۰۵ھ

(۲) حواشی الشروانی بن قاسم العبادی (۲۹۴-۲۰۰)

(۳) وقال لا يبيء الفس بالفلسين ولا السكين بالسكينين ولا ابرة بابرتين، اصله الوزن المغني مع الشرح الكبير (۱۲۹۴)

\_\_\_\_\_ وجزم ابو الخطاب في خلافه الصغير بانها (الفلوس - عصمت) مع نفاقها لا تبيء بمثلها الامماتة معللا بانها اثمان - (الانصاف، المرادوى، علاء الدين ابو الحسن علي بن سيمان المرادوى الحنبلي) قاهره، مطبعة السنة المحمدية، طبع اول ۱۳۰۶ھ (۱۵۰۵)

\_\_\_\_\_ فان احمد قال لا ارى السلم في الفلوس لانه يشبه الصرف وهذا قول محمد بن الحسن وابي ثور لانها ثمن فجازت الشركة بها كالدراهم والدنانير - (المغني والشرح الكبير ۱۲۵۰۵)

خلاصہ یہ جمہور فقہاء و مجتہدین کے نزدیک فلوس اثمان ہیں، اور فلوس کا فلوس کے ساتھ خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ ناجائز اور حرام ہے۔

## اس بارے میں قولِ راجح

فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں قولِ راجح یہی ہے کہ:-

- ۱- فلوس اثمان ہیں۔
- ۲- تعین سے متعین نہیں ہوتے۔
- ۳- کمی بیشی کے ساتھ ان کی بیع حرام ہے۔
- ۴- ان میں شرکت درست ہے۔
- ۵- ان میں مضاربت صحیح ہے۔
- ۶- فلوس میں سلم درست نہیں۔

## وجہ ترجیح

اس قول کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ فلوسِ نافقہ میں سونے اور چاندی کی طرح تعامل جاری ہے، اور سونے چاندی کے جو وظائف ہیں، وہ فلوس بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں، نیز زر کی تعریف تمامہ فلوس پر صادق آتی ہے، لہذا فلوس کو اثمان کہنا بجا ہے، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہئے جو نقد کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جمہور امت فلوس میں ثمنیت کے قائل ہے، جن میں:-

امام محمد، امام مالک، امام احمد، شمس اللائمہ السرخسی، شمس اللائمہ الحلوانی، محمد بن الفضل، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور اس زمانے کے تقریباً بیشتر علماء و فقہاء شامل ہیں۔



## باب چہارم

## بیع صرف

## بیع صرف اور اس کی حقیقت

## بیع صرف لغت

”صرف“ کے لغوی کنی معانی ہیں :-

- ۱- نقل :- ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔
- ۲- پھیرنا :- فلاں نے اس سے اپنا چہرہ پھیرا۔
- ۳- تخلیہ :- کسی کو چھوڑنا، مثلاً میں نے مزدور کو چھوڑ دیا۔
- ۴- انفاق :- خرچ کرنا، میں نے پیسے صرف کئے، یعنی خرچ کئے۔
- ۵- بیع :- زیادت اور اضافہ۔
- ۶- توبہ۔
- ۷- زینت اور خوبصورتی۔
- ۸- شور مچانا اور آواز نکالنا۔

لغت کے اعتبار سے ان سب معانی کے لئے لفظ ”صرف“ استعمال ہوتا ہے،

اور اسم فاعل اس سے ”صیر فی“، ”صیر وف“، اور ”صیر آف“ ہے۔

”عقد صرف“ کو صرف اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مقصود ہی اضافہ ہوتا ہے،

کیونکہ اس میں زر کا مقابلہ زر کے ساتھ ہوتا ہے، اور زر اجناس کی طرح بذات خود تو قابل

انتفاع ہے نہیں، جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل گزر چکی، بلکہ اس صورت میں اس سے مقصود تجارت اور ربح (نفع) ہے، جو زر کی ذات پر ایک اضافہ ہے، اور بعض حضرات نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ جب سونے یا چاندی کو بوقت بیع ترازو میں رکھی جاتی ہے، تو اس سے ایک قسم کی آواز نکلتی ہے، اس لئے اس کو بیع صرف کہا گیا۔ واللہ اعلم۔<sup>(۱)</sup>

## بیع صرف اصطلاحاً

حضرات حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ”بیع صرف“ کی تعریف درج

ذیل ہے:-

(۱) الددالمختار وردالمختار: هو (الصرف) لغة الزيادة، وفي ردالمحتار: (هولغة الزيادة) "هذا احد معانيه ففي المصباح: صرفته عن وجهه صرفاً من باب ضرب، وصرفت الاجير والصبى، خلعت سبيله، وصرفت المال: انفقته، وصرفت الذهب بالدرهم بعتة، واسم الفاعل من هذا صيرفي وصيروف، وصراف للمبالغة، قال ابن الفارس: الصرف فضل الدرهم في الجودة على الدرهم وصرفت الكلام: زينته (۴۰۲/۷) \_\_\_\_\_ فتح القدير:

"(الزيادة) وهذا العقد لا يقصد به الا الزيادة دون الانتفاع بعين البدل الآخر في الغالب لانه لا ينتفع بعينه بخلاف نحو الطعام والثوب والحمار، والمراد ان قصد كل من المتعاقدين التجارة والربح فيه بالنقل والاخلا العقد عن الفائدة، والزيادة تسمى صرفاً وبه سميت العبادة النافلة صرفاً في قوله ﷺ: من انتمى الى غير ابيه لا يقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً الخ" (۲۵۹/۶)

\_\_\_\_\_ كذا في البحر الرائق (۳۲۱/۶)

\_\_\_\_\_ ومجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر،

الشيخى زاده، (العلامة عبدالرحمن بن محمد بن سلمان المتوفى ۱۰۷۸ هج) بيروت، دارالكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۹ هج (۱۶۱/۳)

\_\_\_\_\_ كشف القناع

، البهوتى، (العلامة منصور بن يونس المتوفى ۱۰۵۱ هـ)، السعوديه العربيه، مطبعة الحكومة بمكة ۱۳۹۴ هج۔

"سميت بذلك لصريفهما وهو تصويتهما في الميزان" (۲۵۳/۳)



”ثمن (یا زر) کے مقابلے میں ثمن (یا زر) کی خرید و فروخت، خواہ دونوں کی جنس ایک ہو، یا مختلف ہو۔“

لیکن باب صرف میں دونوں جانبوں میں ”ثمن“ سے مراد ثمن خلقی ہے، یعنی سونا اور چاندی، خواہ سونا یا چاندی کسی بھی شکل میں ہو، مثلاً درہم یا دینار ہو، سونے یا چاندی کا برتن ہو، یا زیور ہو، یا ڈلی ہو۔

ابذا اگر کسی ایک جانب یا دونوں جانبوں میں عوضین ثمن عرفی ہو، مثلاً کرنسی نوٹ یا فیس، تو اس کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا، اور اس پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں:-

”وشرعاً بیع الثمن بالثمن ای ما خلق للثمنية، ومنه

المصوغ جنساً بجنس أو بغير جنس۔“

”اور شریعت میں بیع صرف عبارت ہے ثمن کی ثمن کے ساتھ خرید و فروخت سے، یعنی جو خلقی طور پر ثمن ہو، اور اسی سے بنا ہوا برتن بھی ہے، خواہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہو، یا خلاف جنس کے ساتھ ہو۔“<sup>(۱)</sup>

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:-

”سواء كانا يتعینان كالمصوغ أو لا يتعینان كالمضروب،

أو يتعین احدهما ولا يتعین الآخر، لا طلاق ما روینا، ولأنه

ان كان يتعین ففیه شبهة التعین لكونه ثمناً خلقیة

فی شرط قبضه اعتباراً للشبهة فی الربا۔“

(۱) الدر المختار لاصحکفی شرح تنویر الابصار للتمر تاشی و متن رد المحتار لابن عابدین

المعروف بالشامی (۲۰۲)۔

”چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف سکہ ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی ثمن ہے، تو اس میں تعین کے باوجود شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو ضروری قرار دیا۔“<sup>(۱)</sup>

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، اور دوسری طرف بھی سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، یا دونوں طرف درہم یا دنانیر ہوں، یا ایک طرف درہم یا دینار ہو، اور دوسری طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، تو یہ تمام صورتیں بیع صرف کی ہیں، کیونکہ یہ تمام ثمن خلقی ہیں، لہذا ان تمام صورتوں میں تقابض ضروری ہوگا۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں:-

”وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير فيصح بيعها بجنسها متفاضلا والتبايع والاستقراض بما يروج عددا او وزنا او بهما ولا يتعين بالتعيين لكونها اثمانا۔“

”کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ درہم یا دنانیر کے حکم نہیں ہوں گے، لہذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے

(۱) الهداية مع الفتح، المرغيناني (شيخ الاسلام برهان الدين ابو الحسن ابوبكر المرغيناني المتوفى ۵۹۳ھ) كونه، باكستان، مكتبه رشيدية (۶/۲۶۱)

متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں۔“ (۱)

اس پر علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:-

”قوله “ولا يتعين بالتعيين لكونها اثمانا” يعنى مادامت

تروج لانها بالا صطلوح صارت اثمانا، فمادام ذلك

الاصطلاح موجودا، لا تبطل الثمنية لقيام المقتضى-“

”صاحب ہدایہ کی یہ بات کہ ”یہ متعین کرنے سے متعین نہیں

ہوتے، کیونکہ یہ اثمان ہیں“ یعنی جب تک مروج ہوں، کیونکہ یہ

لوگوں کی اصطلاح سے اثمان بنے ہیں، سو جب تک یہ اصطلاح

باقی رہے گی، اس کی ثمنیت بھی باقی رہے گی، اس لئے کہ مقتضی

موجود ہے۔“ (۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ غالب ہو، اور سونا یا چاندی

کم ہو، اور وہ مروج بھی ہو، تو ان کی بیع کی پیشی کے ساتھ جائز ہے، اگرچہ عوضین ہم جنس

کیوں نہ ہوں، لیکن اس کے باوجود یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان

ہیں لیکن اثمان عرفیہ ہیں۔

اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ اس میں ثمن کا مقابلہ ثمن کے ساتھ

ہے، لیکن چونکہ یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے اس کو بیع صرف سے نکالا اور اس میں وحدت جنس

کے باوجود تفاضل (زیادتی) کو جائز قرار دیا۔

فقہائے حنفیہ کی ان عبارات سے یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ بیع

کتاب الدقائق مع البحر - النسفی (الامام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود

المعروف بحافظ الدین النسفی المتوفى ۱۰۰۰ هـ، بیروت، دار الکتب العلمیة، طبع اول

۱۰۰۰ھ (۲۰۰۲ء)۔

۲۰ مرجع سابق

صرف کے لئے صرف ثمن کا ہونا کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ ثمنِ خلقی ہو، البتہ ثمنِ خلقی کسی بھی شکل میں ہو سکتا ہے۔

البتہ عدم تعین کے لئے کسی شے کا صرف ثمن ہونا کافی ہے۔

حنابلہ کی مشہور کتاب ”کشاف القناع“ میں ہے:-

”فصل فی المصارفۃ، وہی بیع نقد بنقد، اتحد الجنس او

اختلف۔“

”مصارفہ زر کے مقابلے میں زر کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں، خواہ

جنس ایک ہو، یا مختلف ہو۔“<sup>(۱)</sup>

یہ حضرات چونکہ تفصیل میں نقدینِ تشنیہ ذکر کرتے ہیں، اسی طرح درہم و دینار یا

سونا چاندی ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی بیعِ صرف میں ”نقد“

سے مراد ثمنِ خلقی ہے۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب ”مغنی المحتاج“ میں ہے:-

”النقد بالنقد والمراد به الذهب والفضة مضروبا كان او

غير مضروب۔“

”(بیعِ صرفِ نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں)

اور اس سے مراد سونا چاندی ہے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا نہ ہو۔“<sup>(۲)</sup>

اور اسی کتاب میں ہے:-

”تنبيه: بیع النقد بالنقد من جنسه وغيره یسمى صرفا۔“

”نقد کے مقابلے میں نقد کی بیع کو صرف کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو،

(۱) (۲۵۳/۳)

(۲) مغنی المحتاج، الشربینی (الشیخ محمد الشربینی الخطیب) بیروت، دار احیاء التراث

العربی (۲۴/۲)

یا جنس مختلف ہوں،“ (۱)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

”والثانیة لا يشترط الحلول والتقابض، فان ذلك معتبر في جنس الذهب والفضة سواء كان ثمنا او كان صرفا او كان مكسورا بخلاف الفلوس ولان الفلوس هي في الاصل من باب لا عراض والشمیة عارضة لها“

”اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلول (Cash Payment) اور تقابض ضروری نہیں، کیونکہ یہ چیزیں جنس سونا اور چاندی میں معتبر ہیں، خواہ وہ کسی قسم اور کسی شکل میں ہو، بخلاف فلوس کے (کہ وہ جنس سونا اور چاندی میں سے ہیں نہیں) اور اس لئے بھی کہ فلوس حقیقت میں سامان کے قبیل میں ہیں اور ثمنیت تو ان کو عارضی طور پر لاحق ہوتی ہے۔“ (۲)

یہ امام احمدی دوسری روایت ہے، اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ ”صرف“ کے لئے ثمن خلقی کا ہونا ضروری ہے۔

علامہ زحینی فرماتے ہیں:-

”وشرعاً هو بيع النقد بالنقد جنسا بجنس او بغير جنس ای بیع الذهب بالذهب او الفضة بالفضة او الذهب بالفضة مصوغا او نقداً۔“

”اور شریعت صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں، خواہ جنس کا جنس کے ساتھ متقابل ہو، یا نجیہ جنس کے ساتھ ہو، یعنی

(۱) حوالہ بالا

(۲) (مجموعۃ الفتاویٰ ۲۹-۵۹)

سونا بمقابلہ سونا کے، یا چاندی بمقابلہ چاندی کے یا سونا بمقابلہ چاندی کے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو۔“ (۱)

کتاب ”تطور النقود“ میں ہے:-

”عرف الحنفية الصرف بانه بيع الاثمان بعضها ببعض وارادوا من الاثمان ما كان ثمنا خلقة اى من القدم وهو الذهب والفضة سواء كانا مسكوكين دنانير ودرهم وهى المعروفة بالنقدين او كانا مصوغين كالاقراط والاساور او كانا تبرا وعبر الشافعية والحنابلة عن الثمن بالنقد فقالوا: الصرف بيع النقد بالنقد من جنسه او غيره، ارادوا بالنقد كذلك الذهب والفضة مسكوكين او مصوغين او تبرا والحكم فى المذاهب الثلاثة هو ان الذهب والفضة اذا بيعا بجنسها كذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول والتمائل والتقابض (الى قوله:) والتعريف السابق للصرف عند الائمة الثلاثة يفيد انه محصور فى الذهب والفضة اللذين لا يغلب عليهما الغش، فاذا كانت الدراهم مغشوشة ورائجة او كان النقد من الجانبين فلوسا رائجة لا يجرى فيهما حكم الصرف الخ

”حضرات حنفیہ نے بیع صرف کی تعریف یہ کی ہے کہ ثمن کو ثمن کے مقابلے میں فروخت کیا جائے۔ اور ان کے نزدیک اثمان سے مراد وہ ہیں جو خلقتہ ثمن ہوں، یعنی زمانہ قدیم سے، اور وہ سونا اور چاندی

(۱) الفقه الاسلامی وادلتہ للعلامة الزحیلی (۲/۲۳۶)

ہیں، خواہ سکہ کی شکل میں ہوں و نانیر اور درابہم، جو ”نقدین“ کے ساتھ مشہور ہیں، اور یا زیور کی شکل میں ہوں، جیسا کہ بالیاں اور چوڑیاں ہیں، اور یا ڈلی کی شکل میں ہوں، اور شافیہ اور حنابلہ نے ثمن سے ”نقد“ کے ساتھ تعبیر کی ہے، سوانہوں نے کہا کہ ”صرف“ ”نقد“ کے مقابلے میں نقد کی بیع کو کہتے ہیں، عوضین خواہ ہم جنس ہوں یا نہ ہوں، اور ان کے نزدیک بھی ”نقد“ سے مراد سونا چاندی ہی ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور تینوں مذاہب کا حکم ایک ہے، اور یہ کہ سونا اور چاندی کی خرید و فروخت جب جنس کے ساتھ ہو، مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تو اس صورت میں حوال (ادھار نہ ہونا) تماثل (برابر ہونا) اور تقابض ضروری ہیں..... ائمہ ثلاثہ کی صرف کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس سونے اور چاندی میں منحصر ہے، جس میں کھوٹ غالب نہ ہو، لہذا اگر سونا یا چاندی جس میں کھوٹ غالب ہو، یا جائین سے نقد فروش رائج ہوں، تو اس عقد و عقد صرف نہیں کہا جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

حاصل یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں عقد صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں، نیز ان حضرات کے نزدیک اس عقد کو ”صرف“ یا ”مصرف“ یا ”تصرف“ کہتے ہیں، کوئی اور اصطلاح ان کے ہاں استعمال نہیں ہوتی، خواہ صرف کی کوئی بھی شکل ہو۔

البتہ مالکیہ کے ہاں اس سلسلے میں تین اصطلاحات رائج ہیں :-

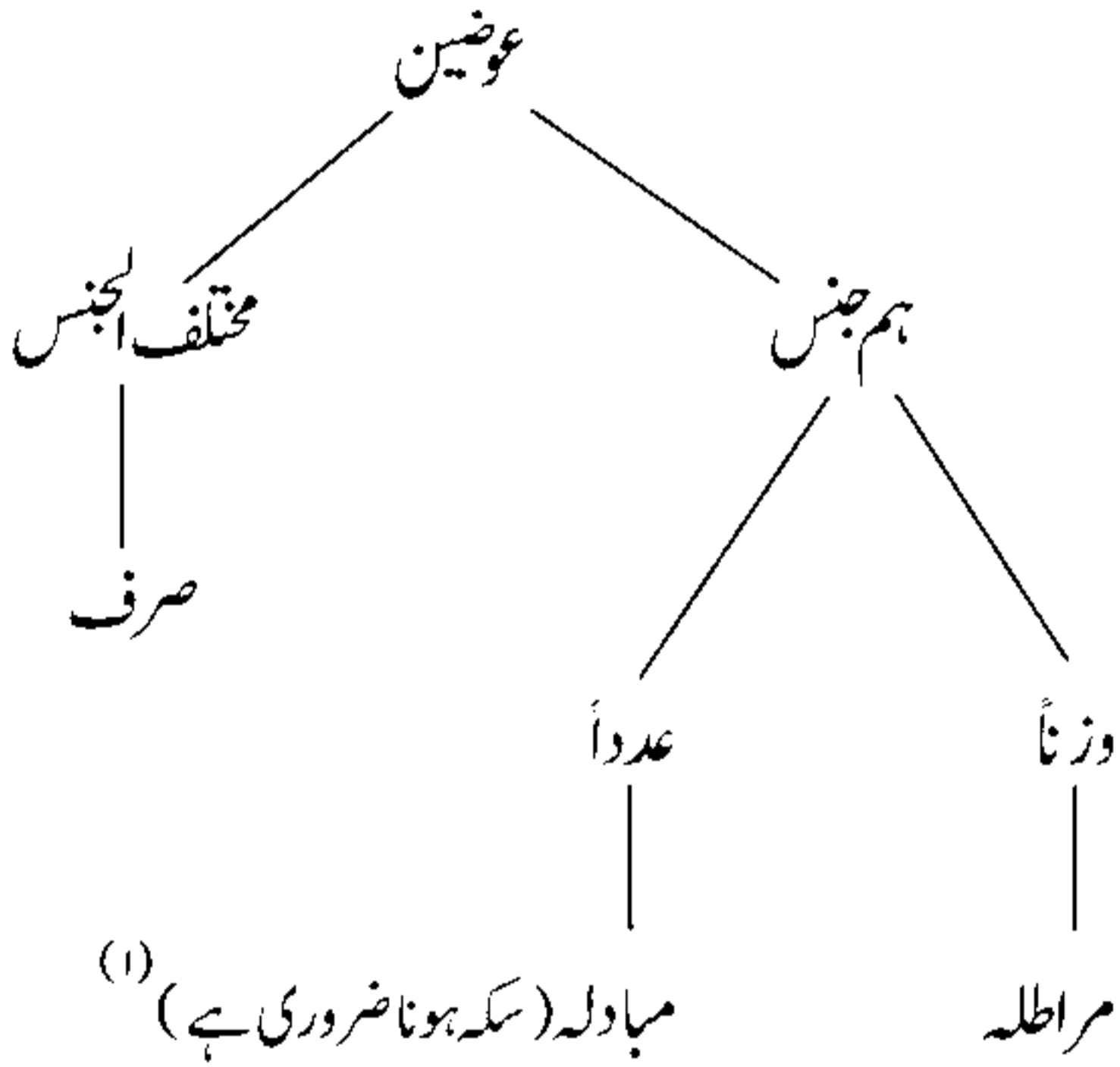
مراطلہ، مبادلہ، صرف

(۱) تطور النقود (ص ۱۴۱، ۱۵۴)

مراطلہ :- سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تول کر بیچنے کو مراطلہ کہتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، لہذا مراطلہ میں یہ ضروری ہے کہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو۔

مبادلہ :- سکہ کو سکہ کے ساتھ عدداً فروخت کرنے کو ”مبادلہ“ کہتے ہیں، مثلاً دینار بمقابلہ دینار کے یا درہم درہم کے مقابلے میں، نیز اس میں یہ ضروری ہے کہ عوضین ہم جنس ہوں۔

صرف :- سونے کو چاندی یا چاندی کو سونے کے ساتھ خرید و فروخت کو ”صرف“ کہتے ہیں، سونا چاندی خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور معاملہ خواہ وزناً ہو یا عدداً ہو۔



(۱) عقد الجواهر الثمینیة، ابن شاس (جلال الدین عبد اللہ بن نجم ابن شاس المتوفی ۶۱۶ھ) دار الغرب الاسلامی، طبع اول ۱۴۱۵ھ  
اس میں معنی نے صرف، مراطلہ اور مبادلہ کے احکام بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔  
(۳۹۶ تا ۳۵۱/۲)۔

الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذهب الامام مالک، الدرریر  
(العلامة ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد الدرریر) مصر، دار المعارف (۳/۳۸ تا  
(باقی اگلے صفحے پر)



## ”بیع صرف“ اور اس کی شرطیں

بیع صرف کے شرعا معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں، جن میں سے دو وجودی ہیں، یعنی ان کا پایا جانا ضروری ہے، اور دو عدوی ہیں، یعنی ان کا نہ پایا جانا ضروری ہے، اور وہ چار شرائط اجمالاً درج ذیل ہیں:-

وجودی	۱- تقابض
	۲- تماثل یا مماثلت
عدوی	۳- خیار شرط
	۴- اجل (تاجیل)

حقیقت میں شرطیں دو ہی ہیں، یعنی تقابض اور تماثل، کیونکہ آخری دو شرطیں تقابض ہی پر مقرر ہیں، جیسا کہ تفصیل سے واضح ہو جائے گا۔

(بقیہ شیعہ فقہی آراء)

\_\_\_\_\_ کتاب الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی، القرظبی ( ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر النمر القرظبی ) السعودیۃ، الرياض، مکتبۃ الرياض الحدیثیۃ، طبع دوم ۱۴۰۰ھ (۲۰۱۹ء)

\_\_\_\_\_ تصور النقود فی ضوء الشریعة الاسلامیۃ

”ما المالکیۃ فہم اصطلاح آخر فی بیع الاثمان، ذلک انہم یقسمونہا الی ثلثۃ اقسام المراطۃ والمبادلۃ، والصرف، اما المراطۃ فہی بیع الذهب بالذهب او الفضة بالفضۃ وزنا، سواء اکانا مسکوکین او مصوغین او تبرا۔ واما المبادلۃ فہی بیع النقد المسکوک من الذهب او الفضة بجنسہ عددًا۔“

\_\_\_\_\_ واما الصرف فہو بیع الذهب بالفضۃ او الفضة بالذهب او احدہما بالفوس۔ (ص ۱۶۳)

اس عبارت کا خلاصہ وہی ہے جو تفصیل کے ساتھ مضمون میں ذکر ہوا ہے، لیکن یاد رکھیں کہ یہ صرف اصطلاح کا فرق ہے، احکام میں مالکیہ کا مذہب غمراہی کے آثار سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے، صرف مراطلہ میں یہ غمراہی معمولی بیسی کی گنجائش دیتے ہیں، باقی تقابض وغیرہ کے احکام میں یہ اثر ٹھانڈی طرح ہے۔

بلکہ اگر غور کیا جائے، تو بیعِ صرفِ معتبر ہونے کے لئے ایک ہی شرط ہے، اور وہ تماثل ہے، کیونکہ مماثلت یا تماثل کے معنی یہاں برابری کے ہیں، اور جب ایک جانب قبضہ پایا جائے، اور دوسری جانب قبضہ نہ پایا جائے، تو ظاہر ہے کہ ایک جانب جو قبضہ قبضہ ہے اس کو فضیلت حاصل ہوگی، تو مماثلت نہ رہی، جیسا کہ علامہ مرغینانیؒ کی عبارت میں اس کی صراحت ہے:-

”ثم لا بد من قبض الآخر تحقیقا للمساواة فلا يتحقق الربا

ولان احدهما ليس باولى من الآخر“

”پھر دوسری جانب قبضہ ضروری ہے تاکہ برابری ثابت ہو، اور ربا لازم نہ ہو، اور اس لئے بھی کہ ایک جانب دوسری جانب سے اولیٰ نہیں۔“ (۱)

## فائدہ

بیعِ صرف اور ربا کا باہم گہرا تعلق ہے، کیونکہ صرف بیع ہے، اس میں اتحادِ جنس کی صورت میں کسی ایک جانب زیادتی کی صورت میں ربا الفضل وجود میں آتا ہے، اور ادھار یا کسی ایک جانب قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ربا النساء لازم آتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں ربا اور صرف ایک ساتھ اور ایک ہی باب میں ذکر کرتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ”صرف“ کا عنوان ان کے ہاں ہوتا ہی نہیں، ربا کا عنوان ہوتا ہے، اس میں صرف کے مسائل ذکر کرتے ہیں، گو حنفیہ کے ہاں دونوں کے لئے الگ الگ باب قائم کرتے ہیں۔

اب ہم مذکورہ شرائط کو ایک ایک کر کے قدر تفصیل کے ساتھ یہاں ذکر کرتے ہیں:-

(۱) ہدایۃ مع فتح القدیر (۲/۲۶۰)۔

## تقابض (Possession)

”تقابض“ باب تفاعل ہے، جس کے معنی باہمی قبضہ کرنے کے ہیں، یعنی متعاقدین (Contractors) میں سے ہر ایک عوض پر مجلس عقد میں قبضہ کرے، تو بیع صرف معتبر ہونے کے لئے یہ سب سے انہم اور عمومی شرط ہے، جو بیع صرف کی تمام صورتوں میں بالاتفاق ضروری ہے، یعنی بیع صرف کی کوئی بھی صورت ہو، خواہ عوضین کسی بھی شکل میں ہوں، یعنی سکی کی شکل میں ہوں، برتن یا زیور کی شکل میں ہوں، ڈلی کی شکل میں ہوں، وغیرہ، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، یا غیر جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، ان تمام صورتوں میں بیع صرف معتبر ہونے کے لئے اس شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) ماہر مرغینانی فرماتے ہیں :-

”سواء كانا يتعينان كالمصوغ اولا يتعينان كالمضروب، او يتعين احدهما ولا يتعين الاخر، لا طلاق ماروينا، ولانه ان كان يتعين ففيه شبهة التعيين لكونه ثمنا حقة فيشترط قبضه اعتبار المشبهة في الربا“

”چوب عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف سکہ ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ ختی ثمن ہے، تو اس میں تعین کے باوجود شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ باقی وجہ سے اس میں تقابض کو ضروری قرار دیا۔“

”الهداية مع الفتاوى المرغيناني (شيخ الاسلام برهان الدين ابو الحسن ابوبكر المرغيناني المتوفى ۵۹۳ھ)، كونه، باكستان، مكتبة رشيدية (۶-۲۶۱)۔“

”كذا في البحر الرائق (۶-۳۲۱)۔“

\_\_\_\_\_ الفقه الاسلامي وادلته لنزحيني

”والتقايض شرط سواء اتحد الجنس او اختلف (۲-۶۳)۔“

\_\_\_\_\_ تطور النقود

”والحكيم في المذاهب الثلاثة (الحنفية والشافعية والحنابلة) عصمت (هو ان الذهب والفضة اذا بيعا بجنسها كذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول والتماثل والتقايض، واذا بيع احدهما بالآخر وجب الحلول والتقايض وجاز التفاضل (ص ۱۴۱)۔“

اس شرط کو ضروری قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر بیع میں کسی جانب بھی قبضہ نہ ہو، تو یہ ”بیع الکالی بالکالی“ ہے یعنی ادھار کا ادھار کے ساتھ معاملہ، جو شرعاً ناجائز ہے۔

چنانچہ ابن عمرؓ کی روایت ہے، جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:-

اسحاق و ابن شیبہ و البزار عن ابن عمر: ”نہی رسول اللہ ﷺ ان یباع کالی بکالی — یعنی دینا بدین — زاد

البزار: وعن بیع عاجل بأجل وعن بیع الغرر“

”حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کے مقابلے میں ادھار کی بیع سے منع فرمایا ہے، بزار کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے ادھار کے مقابلے میں نقد کی بیع سے منع فرمایا ہے، اور بیع غرر سے بھی منع فرمایا ہے۔“ (۱)

اور فقط ایک جانب قبضہ ہو، تو اس صورت میں مساوات اور برابری فوت ہو جائے گی، اور اس شرط کی اہم دلیل اشیائے ستہ والی احادیث ہیں:-

”الذهب بالذهب مثلاً بمثلاً والفضة بالفضة مثلاً بمثلاً، والتمر بالتمر مثلاً بمثلاً والبر بالبر مثلاً بمثلاً، والملح بالملح مثلاً بمثلاً، والشعیر بالشعیر مثلاً بمثلاً فمن زاد او ازيد فقد اربى، بیعوا الذهب بالفضة کیف شئتم یدا بیدا، الحدیث۔“

”سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سرابریچو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں برابر سرابریچو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر سرابریچو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر سرابریچو، نمک کو نمک کے

(۱) الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایۃ، العسقلانی (العلامة ابن حجر العسقلانی المتوفی

۸۵۲ھ) پنجاب، شیخوپورہ، المكتبة الاثریہ پاکستان (۱۵۷/۱)

بدلے میں برابر سہا بر پیچو، جو کو جو کے بدلے میں برابر سہا بر فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔“<sup>(۱)</sup>

”الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلاً بمثل والفضة بالفضة وزنا بوزن مثلاً بمثل، فمن زاد او استزاد فهو ربا۔“

”سونا سونے کے مقابلے برابر سہا بر پیچو، اور چاندی چاندی کے مقابلے میں برابر سہا بر پیچو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔“<sup>(۲)</sup>

عن ابن عمر ان عمر قال. لا تبیعوا الذهب بالذهب الا مثلاً بمثل. ولا تبیعوا الورق بالذهب احدهما غائب والآخر ناجز۔“

”سونے کو سونے کے ساتھ برابر سہا بر ہی پیچو، اور چاندی کو سونے کے ساتھ اس طرح مت پیچو کہ ایک حاضر ہو، اور دوسری چیز غائب ہو۔“<sup>(۳)</sup>

فائدہ:- بیع صرف میں ”تقابض“ کے شرط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین جسم مجلس عقد نہ چھوڑیں، جسے عربی میں ”افتراق بالابدان“ کہتے ہیں، جس کی صورت

(۱) کنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث ۲۶۶۹۔

(۲) اخرجہ مسلم، کتاب المساقاة، باب الربا۔

(۳) نصب الرأیة، الزیلعی (العلامة جمال الدین ابو محمد عبد اللہ الزیلعی الحنفی

المتوفی ۶۲ھ) لبنان، مؤسسة الريان، طبع اول ۱۴۱۸ھ (۱۹۹۷ء) (۵۶/۳)

یہ ہوگی کہ مثلاً بیع صرف کا معاملہ ہو گیا، اور عوضین پر قبضے سے قبل ایک عاقد اس طرف نکل گیا، اور دوسرا عاقد دوسری طرف نکل گیا، یا ایک عاقد مجلس میں موجود ہے، اور دوسرا اٹھ کر چلا گیا، تو اس صورت میں یہ عقد شرعاً باطل ہے، لیکن اگر اسی مجلس میں دونوں موجود ہیں، خواہ مجلس جتنی بھی لمبی ہو جائے، یا دونوں اس میں سو جائیں، تو اس کو ”افتراق“ نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر مجلس میں عقد ہوا، اور متعاقدین دونوں ایک ساتھ مجلس سے اٹھ گئے، اور ایک جانب ہی ایک ساتھ نکلیں، تو اس صورت کو بھی افتراق نہیں کہا جائے گا، اور اس سے عقد باطل نہیں ہوگا، اگر اس کے بعد عوضین پر قبضہ پایا گیا، تو صرف معتبر ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

### مذکورہ شرط کی اہمیت

بیع صرف میں ”تقابض“ کی شرط کی اہمیت حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل دو روایتوں سے معلوم ہوتی ہے:-

عن ابن عمر ان عمر قال: لا تبعوا الذهب بالذهب الا  
مثلا بمثل ولا تبعوا الورق بالذهب احدهما غائب والآخر  
ناجز وان استنظرك ان يلج بيته فلا تنظره الا يدا بيد  
هات وهات انى اخشى عليكم الربا۔

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سونے کو سونے کے ساتھ  
مت بیچو مگر یہ کہ برابر برابر ہو، اور چاندی کو سونے کے ساتھ مت بیچو  
جن میں سے ایک غائب ہو، اور دوسرا حاضر ہو، اور اگر وہ تم سے گھر

(۱) البحر الرائق:

”واما التقابض فالمراد التقابض قبل الافتراق بابدانہما بان یاخذ هذا فی جهة وهذا فی  
جهة، فان مشیا میلا او اکثر ولم یفارق احدهما صاحبه فلیسا بمتفرقین،“ (۳۲۲/۶)  
کذا فی الفقه الاسلامی وادلتہ: ”کذلک لا یحصل التفرق ان ناما فی المجلس او اغمی  
علیہما او قاما عن المجلس فذهبا معا فی جهة واحدة وطریق واحد الخ“ (۶۳۷/۳)

میں داخل ہونے کی مہلت مانگے، تو اس کو یہ مہلت مت دو، مگر یہ  
باتھ در باتھ ہو، یہ دیا اور یہ لیا، مجھے آپ لوگوں کے بارے میں ربا کا  
خوف ہے۔“ (۱)

غور فرمائیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرط تقابض کو بیع صرف میں کیا اہمیت دیتے  
ہیں کہ بیع صرف میں عوضین پر قبضے سے قبل گھر میں داخل ہونے کی بھی گنجائش نہیں ہے، اور  
اس سے بھی زیادہ اہمیت پر وال حضرت ابن عمر کا قول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:-

”عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال: وان وثب من سطح  
فتب معد“

”اور اگر وہ (احد العاقدین) چھت سے کودے، تو تم بھی اس کے  
ساتھ ہی کودو (تا کہ مجلس ایک رہے)۔“ (۲)

## شرط تقابض پر متفرع چند اہم مسائل

بیع صرف کے معتبر ہونے کے لئے جب جانہین سے قبضہ ضروری ہوا، تو اس پر  
درج ذیل اہم مسائل متفرع ہوتے ہیں:-  
ابراء، ہبہ، صدقہ، استبدال، متقاعدہ۔  
تفصیل درج ذیل ہے:-

### ابراء، ہبہ اور صدقہ

ان تینوں کا حکم ایک ہے، مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید اور عمرو کے درمیان ایک  
دینار کے مقابلے میں ایک دینار کا معاملہ صرف ہوا، زید نے عمرو کو مجلس عقد میں اس کا دینار  
حوالہ کر دیا، تو زید بری الذمہ ہو گیا، لیکن عمرو نے ابھی تک زید کو اس کا دینار حوالے نہیں کیا

(۱) نصب الرایۃ (۵۶:۴) کذا فی فتح القدیر (۲:۲۶۱)

(۲) حوالہ بالا۔

ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرو کے ذمہ ابھی تک زید کا ایک دینار واجب ہے، تو زید جو صاحبِ حق ہے، اس نے عمرو سے اس مجلس میں کہا، یہ دینار میں نے تمہیں ہبہ کر دیا، یا میں نے تمہیں صدقے کے طور دے دیا، یا میں نے تمہیں اس سے بری کر دیا، اس ابراء، یا ہبہ یا صدقے کا تعلق ”ثمن الصرف“ سے ہے، جو ایک دینار ہے۔

اب دو صورتیں ہیں :-

۱- اگر عمرو نے کہا کہ میں نے یہ ہبہ یا صدقہ یا ابراء قبول کیا، اس صورت میں عمرو بری الذمہ ہو جائے گا، لیکن بیعِ صرف باطل ہو جائے گی، کیونکہ ایک جانب سے قبضہ نہیں پایا گیا۔

۲- لیکن اگر عمرو نے اس کو قبول نہیں کیا، تو اس صورت میں ابراء وغیرہ باطل ہو گیا، اور بیعِ صرف علیٰ حالہ باقی ہے، کیونکہ یہاں ابراء وغیرہ فسخِ عقد کے معنی میں ہے، گویا کہ زید اس عقد کو فسخ کرنا چاہتا ہے، اور عمرو اس پر راضی نہیں ہے، اور فسخِ شرعاً ایک طرفہ درست نہیں، اس میں جانبین کی رضامندی ضروری ہے، اب اگر دوسری جانب سے بھی افتراق سے قبل دینار پر قبضہ پایا جائے، تو بیعِ صرف درست ہو جائے گی۔

## استبدال

مثال مذکور میں اگر عمرو زید کو دینار کے بدلے میں کپڑا دیدے، تو اس کو قبضہ نہیں کہا جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا، کہ قبضہ ابھی تک ہوا نہیں، لہذا استبدال باطل ہوگا، اور بیعِ صرف علیٰ حالہ باقی ہوگا، اگر افتراق سے قبل زید نے دینار پر قبضہ کر لیا، تو یہ عقد درست ہو جائے گا۔

## مقاصہ (Set off)

مقاصہ کے معنی برابری کے ہیں، یعنی برابر برابر کرنا، پھر مقاصہ کی دو قسمیں ہیں :-

۱۔ مقاصہ جبریہ (Compulsory)



## ۲۔ مقاصد اختیاریہ (Voluntary)

## مقاصد جبریہ (Compulsory)

مقاصد جبریہ کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین چاہیں یا نہ چاہیں، خود بخود مقاصد ہو جاتا ہے، مثلاً زید کے عمر و پر ایک سو دینار ادھار ہیں، اب کسی معاملے میں عمرو کے زید کے پاس ایسے ہی ایک سو دینار آگئے، تو ان دونوں کے درمیان خود بخود مقاصد ہو جائے گا، اور دونوں کا ذین ساقط ہو جائے گا، زید و عمرو اس پر راضی ہوں یا نہ ہوں، اب اگر دونوں ذینوں کی مقدار ایک ہو، تو ایک دوسرے سے مطالبہ بالکل ساقط ہو جائے گا، اور اگر دونوں مقدار میں برابر نہ ہوں، تو کمی بیشی کو برابر کیا جائے گا۔

لیکن مقاصد جبریہ میں ضروری ہے کہ:-

۱- ہر شخص ایک دوسرے کی نسبت سے دائن (Creditor) بھی ہو، اور مدین

(Debtor) بھی ہو۔

۲- دونوں ذین جنس، نوع، صفت، اور کیفیت میں مماثل ہوں، جنس ایک ہو

مثلاً دونوں ذر ہوں، نوع ایک ہوں مثلاً دونوں درہم ہوں، صفت اور کیفیت ایک ہوں، مثلاً دونوں کھرے یا دونوں کھوئے ہوں۔ مقاصد میں کمیت (مقدار) کا ایک ہونا نہ ضروری نہیں۔

## مقاصد اختیاریہ (Optional)

مقاصد اختیاریہ جو اصحاب حق کی باہمی رضا مندی سے ہو، مثلاً زید کا عمرو کے

ذمہ دس دینار ادھار ہیں، اور عمرو کا زید کے ذمہ ایک من گندم ہے، اب دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ جہاں دونوں کا مقاصد کرتے ہیں کہ زید اپنا حق چھوڑے اور عمرو اپنا حق چھوڑے، تو یہ جائز ہے۔

جب یہ تمہید سمجھ میں آئی تو اب اصل مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ:-

مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک دینار کے بدلے میں دس درہم بیچے، تو ذرا ہم دینا زید کے ذمہ واجب ہے، اور دینار دینا عمرو کے ذمہ واجب ہے۔

زید ۱۰ درہم ⇨ دینار ⇨ عمرو

عمرو نے زید کو دینار دے دیا، اور دس درہم ابھی زید کے ذمہ عمرو کے لئے واجب ہیں، لیکن عمرو کے ذمہ زید کے بھی کسی اور معاملے میں درہم واجب الاداء ہو گئے:-

زید ۱۰ درہم صرف ⇨ ۱۰ درہم (کسی اور معاملے میں) اور ایک دینار عمرو

اب دونوں مقاصد کرنا چاہتے ہیں، تو کیا مقاصد ہو سکتا ہے؟

تین صورتیں ہیں:-

۱- عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقدِ صرف سے قبل کسی وجہ سے واجب ہو چکے تھے، اس صورت میں یہ مقاصد استحساناً درست ہوگا، اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مقاصد درست نہ ہو، کیونکہ ایک جانب قبضہ نہیں پایا گیا، اور یہ مقاصد اختیار یہ ہوگا، یعنی اگر دونوں مقاصد کرنا چاہیں، تو کر سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔

۲- عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقدِ صرف کے بعد کسی قبض مضمون (قبضہ جو موجب ضمان ہو مثلاً غصب وغیرہ) کے ساتھ واجب ہو گئے، مثلاً عمرو نے زید سے دس درہم غصب کئے، اس صورت میں جبری مقاصد ہوگا۔

۳- عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقدِ صرف کے بعد کسی عقد کی وجہ سے واجب ہوں، مثلاً عمرو نے زید سے دس درہم میں کپڑا خریدا اب یہ دس درہم عمرو کے ذمہ اس عقد بیع کی وجہ سے زید کے لئے واجب الاداء ہیں، اس صورت میں جبری مقاصد تو بالاتفاق جائز نہیں، البتہ باہمی رضامندی سے اگر یہ دونوں مقاصد کرنا چاہیں، تو صحیح روایت کے مطابق دونوں مقاصد کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پہلی اور تیسری صورت میں مقاصد اختیار یہ ہوگا، اور دوسری صورت

میں مقاصد جبر یہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

## تماثل / مماثلت (Similarity)

تماثل یا مماثلت کے معنی ”برابری“ کے ہیں، بیع صرف میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عوضین ہم جنس ہوں، مثلاً دینار کے مقابلے میں دینار یا درہم کے مقابلے میں درہم کی بیع ہو رہی ہو، تو اس صورت میں کسی ایک جانب کسی قسم کی کوئی زیادتی جائز نہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، اور اس سلسلے میں جید (عمدہ) اور ردی (گھٹیا) برابر ہیں، برتن کی شکل میں ہوں، زیور کی صورت میں ہوں، ڈلی کی شکل میں ہوں، یا مسکے کی شکل میں ہوں، کیونکہ اس سلسلے میں وارد احادیث مطلق ہیں، وہ اطلاق کی وجہ سے تمام صورتوں کو شامل ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

”الذهب بالذهب والفضة بالفضة (الی ان قال:) مثلا بمثل

سواء بسواء یدا یدا فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا

کیف شئتم اذا کان یدا یدا۔“

”سونا سونا کے مقابلے میں اور چاندی چاندی کے مقابلے میں

..... برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ بیچو، جب یہ قسمیں مختلف

ہو جائیں، تو پھر جس طرح مرضی ہو، بیچو، لیکن اس صورت میں بھی

ہاتھ در ہاتھ بیچنا ضروری ہے۔“<sup>(۲)</sup>

البتہ عوضین اگر ہم جنس نہ ہوں، تو اس صورت میں تماثل ضروری نہیں، مثلاً ایک

جانب درہم ہے، اور دوسری جانب دینار ہے، تو اس صورت میں تماثل (زیادتی) جائز

۱۔ البحر الرائق (۲: ۳۲۲) فتح القدیر (۶: ۲۵۸) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۴: ۶۳۹)

۲۔ رواہ البخاری فی کتاب البیوع باب ۱، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳

ہے، جیسا کہ حدیث مذکور میں اس کی صراحت ہے کہ جب اقسام مختلف ہوں، تو جیسی مرضی ہو فروخت کیا کرو، البتہ تقابض اس صورت میں بھی ضروری ہوگا۔

### اس شرط پر متفرع چند اہم مسائل

$$۱- ۲ \text{ درہم} + \text{دینار} = ۲ \text{ دینار} + \text{درہم}$$

یہ معاملہ جمہور احناف کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ اس میں :-

$$\text{دو درہم} = \text{دو دینار اور ایک دینار} = \text{ایک درہم}$$

جنس مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں کمی بیشی جائز ہے۔

$$۲- ۱۱ \text{ درہم} = ۱۰ \text{ درہم} + \text{دینار}$$

یہ عقد درست ہے، کیونکہ اس میں :-

$$۱۰ \text{ درہم} = ۱۰ \text{ درہم اور درہم} = \text{دینار}$$

دس درہم دس درہم کے مقابلے میں آکر مساوات ثابت ہوگئی اور ایک

درہم ایک دینار کے مقابلے میں آیا، جس میں جنس مختلف ہونے کی وجہ سے مساوات ضروری نہیں۔

$$۳- ۱۰ \text{ درہم} = ۹ \text{ درہم} + \text{دوسری کوئی چیز (یا)}$$

$$۱۰ \text{ دینار} = ۹ \text{ دینار} + \text{دوسری کوئی چیز}$$

اس کی تین صورتیں ہیں :-

۱- ”دوسری چیز“ کی قیمت ایک درہم (پہلی مثال میں) یا ایک دینار (دوسری

مثال میں) کے برابر ہے۔

۲- ”دوسری چیز“ کی قیمت ایک درہم یا ایک دینار سے کم ہے۔

۳- ”دوسری چیز“ کی کوئی قیمت نہیں۔

پہلی صورت میں یہ عقد بلا کراہت جائز ہے، دوسری صورت میں کراہت کے

ساتھ جائز ہے، اور تیسری صورت میں یہ عقد درست ہی نہیں۔  
 اس دوسری صورت میں یہ حیلہ ممکن ہے کہ ایک جانب جو سونا یا چاندی زائد ہے،  
 اس کو اس ”دوسری چیز“ کے مقابلے میں رکھا جائے، تو خلاف جنس ہونے کی وجہ سے کوئی  
 کراہت نہ ہو، لیکن اس کے باوجود یہ صورت ممنوعہ قرار پائی، کیونکہ اگر اس کی اجازت دی  
 جائے، تو لوگ اس کو ربا الفضل کے جواز کے لئے ایک حیلہ بنا لیں گے، اور اس طرح ربا  
 الفضل کا دروازہ کھل جائے گا، چنانچہ حضرت امام محمد سے جب اس صورت کے بارے میں  
 پوچھا گیا کہ:-

کیف تجده فی قلبک ؟

”آپ دل میں یہ صورت کیسی ہے؟“

تو انہوں نے فرمایا:-

مثل الجبل----

”پہاڑ کی طرح“ (۱)

خیار شرط (Optional Condition)

اس کو سمجھنے سے قبل خیار کی مشہور قسموں کا مختصر تعارف ضروری ہے، تو یاد رکھنا  
 چاہئے کہ خیار کی تین مشہور قسمیں ہیں:-

- |    |           |
|----|-----------|
| ۱۔ | خیار شرط  |
| ۲۔ | خیار رؤیت |
| ۳۔ | خیار عیب  |

خیار کی تعریف

خیار (Option) کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

(۱) الهدایة مع فتح القدیر (۶-۲۶ تا ۲۷)

”حق العاقد فی فسخ العقد او امضاء لظهور مسوغ شرعی

او بمقتضی اتفاق عقدی۔“

”فسخ عقد یا تنفیذ عقد کا وہ حق جو عاقد کو اس وقت حاصل ہوتا ہے،

جب معاملے میں کوئی شرعی مجوز ظاہر ہو جائے، یا کسی ایسے معاہدے

کی وجہ سے جو عقد میں ہوا ہوتا ہے۔“<sup>(۱)</sup>

## خیار شرط

اس میں اضافت مسبب کی سبب کی طرف ہے، یعنی وہ خیار جو شرط کی وجہ سے

حاصل ہوتا ہے، یعنی اگر یہ شرط نہ ہوتی، تو یہ خیار بھی حاصل نہ ہوتا۔<sup>(۲)</sup>

خیار شرط کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

”ان یشرط فی العقد او بعدہ الخیار لاحد المتعاقدين

او کلیهما فی فسخ العقد و امضاء ۵“

”عقد میں یا بعد میں کسی ایک عاقد یا دونوں کے لئے فسخ عقد یا تنفیذ

عقد کی شرط لگائی جائے۔“

یعنی خیار شرط کا مطلب یہ ہے کہ عقد میں کسی ایک عاقد یا دونوں کا اس بات کا

اختیار دیا جائے کہ اگر وہ چاہے یا چاہیں، تو اس عقد کو اتنے دنوں میں فسخ کرے یا کریں، اور

یا اس کو نافذ کرے یا کریں، اب اس شرط کی بنیاد پر جس کو اختیار حاصل ہو، وہ مقررہ مدت

کے اندر اس شرط کے مطابق اپنا اختیار استعمال کر سکتا ہے، چاہے تو اس عقد کو ختم کرے، اور

چاہے، تو اس کو نافذ کرے، مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں تم سے یہ گھڑی خریدتا ہوں لیکن

مجھے تین دن کا اختیار رہے گا۔

(۱) الخیار و اثره فی العقود، ابو غده (الدكتور عبد الستار ابو غده)، الكويت، مطبعة

مقہوی، طبع دوم ۱۴۰۵ (۱/۳۳)

(۲) حوالہ بالا (۱/۱۹۴)

خيار شرط کے لئے مدت مقرر کرنا ضروری ہے، اور یہ مدت امام صاحب کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین دن ہیں، اور حضرات صاحبین کے نزدیک تین دن سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

### خيار رؤیت

اس میں بھی اضافت سبب ہے، یعنی وہ خيار جو رؤیت کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہو، بلکہ عدم رؤیت کی وجہ سے حاصل ہو۔  
خيار رؤیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

”حق يثبت به للمتملك الفسخ او الامضاء عند رؤية محل

المعين الذى عقد عليه ولم يرہ۔“

”وہ حق ہے جس کی وجہ سے مالک بننے والے کو فسخ یا تنفیذ کا اختیار

حاصل ہوتا ہے، جب وہ اس معین محل کو دیکھا جائے جس پر عقد پر

واقع ہو، اور اس کو دیکھا نہ ہو۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نے جو چیز کو نہ دیکھا ہو، اور بن دیکھے اس کو خریدے، تو دیکھنے کے بعد مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو اس عقد کو باقی رکھے، اور چاہے تو اس عقد کو نافذ کرے۔

### خيار عیب

یعنی وہ خيار جو عیب کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہو۔<sup>(۲)</sup>

اور خيار عیب کی تعریف یہ ہے:-

”ماثبت بسبب نقص بخالف ما التزمه البائع عرفا فى زمان

ضمانہ۔“

(۱) حوالہ بالا (ص ۱۰۳)

(۲) فتح القدیر (۲۰۲)

”جو ایسے نقصان کی وجہ سے حاصل ہو، کہ جس کا بائع نے زمانہ ضمان

میں عرفاً التزام کیا ہو، اس کے خلاف ہو۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع نے اس بات کو التزام کیا ہے کہ وہ مشتری کو صحیح سالم شے دے گا، لیکن بیع میں کوئی ایسا نقص نکل آتا ہے، جو اس بائع کے التزام کے خلاف ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائع کا التزام باقی نہ رہا لہذا وہ ضامن ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

ان تینوں خیارات میں عقد خطرہ میں رہتا ہے، یعنی فسخ بھی ہو سکتا ہے، اور نافذ بھی ہو سکتا ہے۔

اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ ”بیع صرف“ میں یہ تینوں خیارات جاری ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تو خوب سمجھنا چاہئے کہ بیع صرف میں چونکہ مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اس میں خیاری شرط کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، یعنی زید عمرو سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تم سے دینار کے بدلے میں دینار یا درہم خریدتا ہوں، لیکن مجھے یا ہم دونوں کو تین دن تک فسخ یا تنفیذ کا اختیار رہے گا۔

البتہ خیاری عیب عقد صرف میں جاری ہو سکتا ہے، کہ دونوں عوضین پر قبضہ کریں، تو ظاہر ہے کہ بیع ہوگئی، اور عقد مکمل اور حتمی ہو گیا، اور ملکیت منتقل ہوگئی، لیکن بعد میں کسی ایک جانب میں عیب نکل آیا کہ مثلاً درہم میں کھوٹ غالب تھا، تو اب اس کو خیاری عیب حاصل ہوگا، اور اسی طرح خیاری رؤیت بھی بیع صرف کے لئے مضر نہیں ہے، لیکن بیع صرف میں جہاں مقابلہ زر کا زر کے ساتھ ہو، یعنی تعین سے متعین نہ ہوتے ہوں، تو اس میں خیاری رؤیت کا تصور نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہاں عقد کا تعلق عین سے ہے نہیں، تو رؤیت کا کوئی فائدہ بھی نہیں، البتہ اگر زیور ہو، یا برتن ہو، یا ڈلی ہو، جو تعین سے متعین ہوتی ہے، تو وہاں خیاری رؤیت کارگر ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) الخیار و اثره عن الخطاب علی الخلیل (۴۲۷/۳) (۳۴۷/۲)

(۲) الفقه الاسلامی وادلتہ (۶۳۸/۳)



فائدہ:- اگر بیع صرف میں عاقدین میں سے دونوں یا کسی ایک کے لئے اختیار شرط رکھا گیا، تو عقد فاسد ہو جائے گا، البتہ اگر اسی مجلس میں اس اختیار کو ختم کر دیا، اور جانہین سے مجلس میں قبضہ پایا گیا، تو عقد دوبارہ درست ہو جائے گا، لیکن اگر اختیار کے ساتھ ہی مجلس برخاست ہوئی، تو اب فساد پکا ہو جائے گا، بعد میں اگر اختیار ساقط بھی کیا جائے، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

### اجل (Deferred Payment)

یہ بھی بیع صرف کی عدوی شرائط میں سے ہے، یعنی اس کا نہ ہونا بیع صرف کی صحت کے لئے ضروری ہے، اور اس کے ہونے سے بیع صرف باطل ہوگی، اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ بیع صرف میں جب عوضین پر قبضہ ضروری ہوا، تو اگر کسی ایک جانب ثمن مؤجل ہو، تو مجلس عقد میں قبضے کا تحقق نہیں ہوگا، اس وجہ سے بیع صرف کسی بھی جانب اجل کو قبول نہیں کرتی۔

واضح رہے کہ ”اجل“ کا تعلق عام بیوعات میں ثمن سے ہوتا ہے، عام بیوعات اس لئے کہا کہ بیع سلم میں اجل کا تعلق بیع (Subject Matter) سے ہوتا، اور صرف میں عوضین میں ہر ایک بیع بھی ہے، اور ثمن بھی ہے، لہذا جانہین کے کسی بھی ثمن اجل کو قبول نہیں کرے گا۔

خیار شرط کی طرح اگر معاملہ مؤجل ہو، لیکن اسی مجلس میں اجل کو ساقط کر دیا گیا، اور تقابض پایا گیا، تو اس صورت میں بیع صرف درست ہو جائے گی، اور اگر تقابض کے بغیر مجلس برخاست ہوئی، تو یہ فساد مستحکم ہو جائے گا، اور بعد میں اجل ساقط کرنا کارگر نہیں ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ بیع صرف کے معتبر ہونے کے لئے ان چار شرطوں کا وجود اور عدم ہونا نہایت ضروری ہے، یعنی تقابض اور تماثل کا وجود ہونا ضروری ہے، اور خیار شرط اور اجل کا عدم ہونا ضروری ہے۔

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۶۳۸:۶)

## چند اہم متفرق مسائل

۱- یہ قاعدہ ہے کہ جن اشیاء کی بیع میں تفاضل جائز ہوتا ہے، ان میں مجازفہ (تولے ناپے بغیر اندازہ سے) بھی جائز ہوگا، اور جن اشیاء میں تفاضل اور زیادتی جائز نہیں، ان میں مجازفہ بھی جائز نہیں، اور یہ قاعدہ چاروں مذاہب میں متفق علیہا ہے، لہذا سونے کی سونے کے ساتھ بیع یا چاندی کی چاندی کے ساتھ بیع یا گندم کی گندم کے ساتھ بیع مثلاً مجازفہ حرام ہے۔ لیکن چاندی کی سونے کے ساتھ یا گندم کی جو کے ساتھ بیع مجازفہ درست ہے۔

۲- اگر کسی نے مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ مجازفہ بیچا، تو یہ ناجائز ہے، لیکن اگر پھر اسی مجلس میں دونوں کو تولو گیا، اور دونوں برابر تھے، تو استحساناً یہ عقد درست ہو جائے گا، اور اگر مجلس برخاست ہوگئی، اور اس کے بعد دونوں کو تولو اور دونوں برابر نکلیں، تو اس صورت میں یہ عقد بدستور فاسد ہی رہے گا۔

۳- تلوار تلوار کے مقابلے میں یا تانبے کے کسی برتن کو تانبے کے دوسرے برتن کے ساتھ مجازفہ فروخت ہوا، تو اگر عرف و دستور عدداً فروخت کرنے کا ہو، تو یہ عقد جائز ہے، کیونکہ ”عددی ہونا“ کسی کے نزدیک علتِ ربا نہیں، اور اگر عرف و زنا بیچنے کا ہو، تو اس صورت میں یہ عقد باطل ہے، کیونکہ وزن + جنس علتِ ربا ہے، تو اس میں مجازفت درست نہ ہوگی۔

۴- چاندی میں اگر کھوٹ شامل ہو، یا سونے میں کھوٹ شامل ہو، اور اس کو کسی اور دھات کے ساتھ فروخت کیا، تو دیکھا جائے گا، اگر چاندی غالب ہے، تو یہ خالص چاندی کے حکم میں ہے، اور اسی طرح سونا غالب ہو، تو یہ خالص سونے کے حکم میں ہے، لہذا اس طرح کھوٹ والی چاندی یا سونے کو اپنے ہم جنس کے ساتھ تفاضلاً فروخت کرنا درست نہ ہوگا، اور اگر کھوٹ غالب ہے، تو اس کا حکم عام دھات کا ہے، لہذا جس

دھات کے ساتھ اس کا مقابلہ ہو رہا ہے، وہ اگر اس کا ہم جنس ہو، تو اس عقد میں تناسل جائز نہ ہوگا، ورنہ جائز ہوگا۔

یاد رہے کہ ان مسائل میں ”برابر“ غالب کے حکم میں ہے، یعنی اگر سونے یا چاندی میں سونا یا چاندی کھوٹ کے برابر ہو، تب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خالص چاندی یا خالص سونا ہے، اور اس پر وہی چاندی اور سونے کے احکام جاری ہوں گے۔

۵۔ جس تلوار پر چاندی چڑھائی گئی ہو، اس کو ”سیف مفضض“ کہا جاتا ہے، اور جس تلوار پر سونے کا کام ہوا ہو، اس کو ”سیف مذہب“ کہا جاتا ہے، اس قسم کی تلوار کی بیع اگر سونے یا چاندی کے ساتھ ہو، تو اگر تلوار میں لگا زیور ثمن والے زر کے جنس سے مختلف ہو، مثلاً سیف منفضض ہے، اور اس کی بیع سونے کے ساتھ ہوئی، یا سیف مذہب ہے اور اس کی بیع چاندی کے ساتھ ہوئی، تو یہ بیع تو درست ہے، کیونکہ یہاں کمی بیشی جائز ہے، لیکن اگر ہم جنس کے ساتھ ہوا، یعنی تلوار کے زیور اور ثمن والا زر ہم جنس ہیں، تو اس صورت میں دیکھا جائے گا، اگر:-

۱۔ تلوار میں سونا اس سونے سے یا تلوار میں چاندی اس چاندی سے زیادہ ہے، جو ثمن ہے، تو یہ بیع جائز ہے، یعنی ثمن کی مقدار تلوار والے سونے یا چاندی سے زیادہ ہے، تو یہ معاملہ جائز ہے، یہ شکل بنے گی:-

$$\begin{aligned} \text{تلوار کا سونا یا چاندی} &= \text{ثمن کا سونا یا چاندی} \\ \text{بقیہ ثمن} &= \text{تلوار کا نیام وغیرہ} \end{aligned}$$

تلوار میں جتنا سونا یا چاندی ہے، ثمن میں سے اس کی بقدر سونا یا چاندی اس سونے یا چاندی کے مقابلے میں ہو جائے گی، اور ثمن میں سے جو باقی زائد حصہ ہے، وہ تلوار کے نیام وغیرہ کے مقابلے میں آجائے گا، جو مختلف جنس ہیں، تو اس طرح عقد درست ہوگا، اس سلسلے میں حضرات حنفیہ کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ:-

”بیع جب مختلف اشیاء پر مشتمل ہو، جن میں کوئی شی ثمن کی ہم جنس

ہو، اور کوئی شی ثمن کی ہم جنس نہ ہو، تو اس صورت میں ثمن اپنے ہم جنس کے ساتھ لگے گا، اور اس طرح بیع دُرسٹ ہو جائے گی۔“  
مثلاً سیف مفضض میں پچاس درہم کی چاندی تھی، اور اس کو سو درہم میں خریدا، یعنی :-

$$\text{سیف} + ۵۰ = ۱۰۰ \text{ درہم}$$

اور مشتری نے ۱۰۰ درہم میں سے صرف ۵۰ درہم ادا کئے، اور پچاس درہم ابھی ادا نہیں کئے، تو یہ معاملہ جائز ہے، کیونکہ اس میں :-

$$۵۰ = ۵۰ \text{ صرف}$$

$$\text{بقیہ } ۵۰ = \text{تلوار کا عام بیع}$$

صرف پچاس درہم تک یہ معاملہ صرف کا ہے، جس میں تقابض پایا گیا، لہذا یہ معاملہ دُرسٹ ہوا، اور تلوار کی حد تک یہ معاملہ عام بیع ہے، جس میں قبضہ ضروری نہیں۔  
۶- اسی سیف مفضض کے مسئلے میں اگر پچاس درہم پر قبضہ نہیں پایا گیا، تو ۵۰ = ۵۰ درہم کی حد تک چونکہ یہ معاملہ صرف کا ہے، لہذا عدم تقابض کی وجہ سے پہلا معاملہ باطل ہو گیا، لیکن دوسرا معاملہ جو تلوار کا ہے، اس معاملے میں دُرسٹ ہے، یا نہیں؟ تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر :-

الف :- چاندی کو الگ کرنے سے تلوار کو غیر معمولی نقصان پہنچتا ہے، تو تلوار میں معاملہ بھی فاسد ہے، گویا اس صورت میں دونوں معاملے فاسد ہو گئے۔

ب :- لیکن اگر چاندی تلوار سے باسانی الگ ہو سکتی ہے، تو اس صورت میں تلوار کا معاملہ دُرسٹ ہوگا، اور بائع تلوار سے اپنی چاندی الگ کر کے تلوار کو ۵۰ درہم کے بدلے میں مشتری کے حوالہ کر دے گا۔

۷- لیکن اگر مذکورہ مسئلے میں ثمن تلوار والے سونے یا چاندی کے برابر یا اس سے کم ہو، تو اس صورت میں یہ عقد جائز نہ ہوگا، اور اس کا جائز نہ ہونا بالکل ظاہر ہے، کیونکہ اس

میں ربا الفضل ہے۔

۸- ایک باندی ہے، جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے، اور اس کے گلے میں ایک ہزار کا ہار بھی ہے، اس باندی کا سودا دو ہزار درہم میں ہو گیا، پھر منسٹری نے صرف ایک ہزار درہم مجلس میں بائع کو ادا کئے، تو یہ عقد درست ہے، کیونکہ:-

$$۱۰۰۰ \text{ درہم} = ۱۰۰۰ \text{ درہم (ہار)}$$

$$\text{بقیہ } ۱۰۰۰ \text{ درہم} = \text{باندی}$$

پہلا معاملہ صرف صرف کا ہے، اور اس میں تقابض پایا گیا، لہذا وہ درست ہوا، اور دوسرا معاملہ عام بیع کا ہے، جس میں تقابض شرط نہیں، اور یہاں دوسرا معاملہ بہر حال درست ہے کیونکہ ہار باندی سے الگ کرنا ہر حال میں آسان ہے، بخلاف سیف منقوض کے۔

۹- اسی مسئلے میں اگر ایک ہزار مشتری نے ادا کئے اور ایک ہزار ادھار رکھ لئے، تو اجل کا تعلق صرف سے نہیں ہوگا، لہذا صرف درست ہو جائے گا، اور باندی کے مقابلے میں جو ایک ہزار درہم ہیں وہ مؤجل ہیں، جو کہ عام بیع ہے، لہذا وہ مؤجل ہونے کے باوجود درست ہوگی۔

۱۰- ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ چاندی کا ایک برتن ہے، اس کو کسی نے مثلاً ایک سو میں فروخت کیا، پھر مجلس میں ۵۰ پر قبضہ پایا گیا، اور ۵۰ پر نہیں، تو ۵۰ کی حد تک یہ معاملہ درست سمجھا جائے گا، اور ۵۰ کی حد تک نہیں، لہذا یہ برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشتک ہوگا۔<sup>(۱)</sup>



(۱) الہدایۃ مع فتح القدیر (۶: ۲۶۵)، کنز الدقائق مع البحر الرائق (۶: ۳۲۴)، الفقہ الاسلامی وادلتہ (۲: ۲۵۶)۔

## ضمیمہ (Appendix)

سونے چاندی، اور زیورات کے چند اہم مسائل چونکہ ان مسائل کا ”صرف“ سے گہرا تعلق ہے، اور ان کو ذکر کرنا اس مقام پر مفید ہے، اس لئے ان مسائل کو بعنوان ضمیمہ بیان کئے جاتے ہیں، لیکن اصل مسائل ذکر کرنے سے قبل چند مقدمات بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ ان سے اصل مسائل سمجھنے میں آسانی ہو:-

### چند ضروری مقدمات

#### مقدمہ

جب دونوں طرف سونا یا دونوں طرف چاندی ہو، تو لین دین میں ضروری ہے کہ ہاتھ در ہاتھ اور مقدار میں برابر ہو۔ البتہ اگر ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی ہو، تو مقدار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، لیکن ہاتھ در ہاتھ ہونا اس میں بھی ضروری ہے۔

”الذهب بالذهب مثلاً بمثلاً والفضة بالفضة مثلاً بمثلاً،  
والتمر بالتمر مثلاً بمثلاً والبر بالبر مثلاً بمثلاً، والملح  
بالمح مثلاً بمثلاً، والشعير بالشعير مثلاً بمثلاً فمن زاد  
او ازيد فقد اربى، بيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم يدا  
بيد، الحديث (۱)

(۱) كنز العمال، المتقى (علاء الدين على المتقى الهندي) عدد الحديث ۴۶۶۹۔

”سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سہرا برتیچو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں برابر سہرا برتیچو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر سہرا برتیچو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر سہرا برتیچو، نمک کو نمک کے بدلے میں برابر سہرا برتیچو، جو کو جو کے بدلے میں برابر سہرا فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔“

## مقدمہ ۲

جب سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ کیا جائے، تو مقدار کا برابر ہونا واجب ہے اگرچہ ایک طرف سونا چاندی خالص ہو، اور دوسری طرف سونے چاندی میں پچھوٹ ملا ہو۔

عن الشعبي ان عبد الله بن مسعود باگ نفاية بيت المال زيوفا وقسيانا دراهم دون وزنها فنهاه عمر عن ذلك وقال او قد عليها حتى يذهب مافيها من حديد او نحاس وتخلص ثم بع الفضة بوزنها۔

شعبي کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی روٹی یعنی کم وزیادہ سوٹ سے دراجم کو کھڑے دراجم کے عوض کتہ وزان میں فروخت کیا، تو حضرت عمر نے انہیں اس سے منع کیا، اور فرمایا کہ اس کو آگ پر تپاؤ یہاں تک کہ اس میں ملا ہو الوبا اور تانبا ملے تو جو جائے اور خالص چاندی رہ جائے، پھر اس کو برابر وزان

کی چاندی کے عوض فروخت کرو۔“ (۱)

محمد بن سیرین قال: خطب عمر بن الخطاب فقال: الا ان الدرهم بالدرهم والدينار بالدينار بعين سواء بسواء مثلا بمثل فقال له عبدالرحمن بن عوف: تزييف علينا اوراقنا فنعطى الخبيث وناخذ الطيب فقال عمر: لا، ولكن ابتع بها عرضا فاذا قبضته و كان لك فبعه واهضم ماشئت وخذ اى نقد شئت۔

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے خطبہ دیا اور کہا کہ خبردار درہم کی بیع درہم کے عوض اور دینار کی بیع دینار کے عوض میں نقد و نقد اور برابر برابر ہونی چاہئے، عبدالرحمن بن عوفؓ نے پوچھا کہ ہماری چاندی کھوٹی ہو جاتی ہے ہم گھٹیا چاندی دے کر (کم مقدار میں) عمدہ چاندی عوض میں خرید لیتے ہیں، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ جائز نہیں، البتہ اپنی گھٹیا چاندی کے عوض کچھ سامان خرید لو، جب تم اس پر قبضہ کر لو، اور وہ تمہارا ہو جائے، تو اس کو فروخت کر دو۔“ (۲)

### مقدمہ ۳۔

ہمارے موجودہ رواج میں روپیہ دھات کے سکے کا نام ہے، یہ سکہ ایسے ہی جیسے پچیس پیسے یا پچاس پیسے کے سکہ ہوتے ہیں، دس روپے کے کاغذ کا نوٹ دھات کے روپے کے سکہ کا متبادل ہے، قیام پاکستان سے قبل روپے کا سکہ چاندی کا ہوتا تھا، لیکن

(۱) اعلیٰ السنن، العثماني، (علامہ ظفر احمد العثماني) کراتشي، ادارة القرآن والعلوم

الاسلامية (۲۹۸/۳۱)

(۲) ایضاً



سو جو وہ دور میں روپے کا چاندی یا سونے کا تعلق نہیں ہے، اس لئے یہ فلوس یعنی تانبے کے سکوں کے حکم میں ہے، جب روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اس وقت اس سے متعلق ادکام اور سٹے، اور اب جب وہ تانبے پتیل کا ہے، اس کے ادکام مختلف ہیں۔

### مقدمہ ۴

سونے چاندی کے روپوں کے عوض ادھار خرید و فروخت جائز ہے، لیکن سود کے وقت ایک جانب سے قبضہ ضروری ہے۔

”وفی شرح الطحاوی لو اشتری مائة فلس بدرهم وقبض الفسوس او اندراهم ثم افترقا جاز البیع لانہما افترقا عن عین بدین۔“

”اور شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلے سو فلس خریدیں، اور فلوس یا درہم پر قبضہ کر لیا، اور پھر دونوں الگ الگ ہو گئے، تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ اس میں دین کے بدلے میں عین کا سودا کر کے جدا ہو گئے۔“<sup>(۱)</sup>

”سند الحانوتی عن بیع الذهب بالفسوس نسنية فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین لمانفی البزازیة

”عذمہ حانوتی سے فلوس کے بدلے سونے کو ادھار فروخت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے، بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو، کیونکہ بزاز یہ میں مذکور ہے کہ اگر وہی شخص سو فلس ایک درہم کے بدلے خریدے، تو ایک جانب سے قبضہ ہانی بن فرمایا، اسی طرح اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کو بیچا۔“

(۱) فتح القدیر (۶/۱۷۷-۱۷۸)

علامہ سرخسیؒ کا ”حاجان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ فرمایا:-

وإذا اشترى الرجل فلوساً بدرهم ونقد الثمن ولم تكن  
الفلوس عند البائع فالبيع جائز، لان الفلوس الرائجة ثمن  
كالنقود، وقد بينا ان حكم العقد في الثمن  
وجوبها ووجودها معا ولا يشترط قيامها في ملك بائعها  
لصحة العقد كما لا يشترط ذلك في الدرهم والدنانير-

”جب ایک آدمی درہم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن  
(درہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز  
ہے، کیونکہ فلوس رائج نقود کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے  
ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا  
بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحتِ عقد کے لئے ضروری نہیں،  
جیسا کہ یہ درہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔“<sup>(۱)</sup>

چونکہ روپے بھی فلوس کے حکم میں ہے، لہذا مندرجہ بالا عبارات کی روشنی میں  
سونے چاندی کی خرید و فروخت روپے کے عوض میں جائز ہے، البتہ یہ شرط ہے کہ ایک  
جانب سے مال پر قبضہ جدا ہونے سے پہلے کر لیا جائے، دونوں طرف ادھار ہو، تو یہ جائز  
نہیں، خواہ کتنی ہی تھوڑی مدت کے لئے ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ بیع الکالی بالکالی کے حکم  
میں ہوگا، اور اس سے احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان النبی ﷺ نہی عن  
بیع الکالی بالکالی

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ

(۱) المبسوط للسرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، لبنان، دار المعرفۃ، طبع

۱۴۱۴ھ (۲۲/۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کی ادھار کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے۔<sup>(۱)</sup>

سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے  
عوض خرید و فروخت

سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض خرید و  
فروخت کی پیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔

”عن ابی رافع قال مر بی عمر بن الخطاب ومعه ورق فقال  
اصنع لنا اوضاحا لصبی لنا، قلت یا امیر المؤمنین  
عندی اوضاح معموله فان شئت اخذت الورق واخذت  
الاضاح فقال عمر مثلاً بمثل، فقلت نعم فوضع الورق فی  
کفة المیزان والاضاح فی الكفة الاخری فلما استوی  
المیزان اخذ باحدى یدیه واعطی بالآخری۔“

”ابورافع کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ میرے پاس آئے،  
آپ کے پاس چاندی تھی، اور کہا کہ ہماری ایک پٹی کے لئے  
پازیب بنا دو، میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میرے پاس بے  
ہوئے پازیب رکھے ہیں، آپ چاہیں تو چاندی میں لے لیتا ہوں،  
اور آپ پازیب لے لیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا، برابر وزن دینے  
میں تیار ہو، میں نے کہا جی ہاں، تو حضرت عمرؓ نے چاندی ترازو کے  
ایک پلڑے میں رکھی، اور پازیب دوسرے میں، جب ترازو سیدھی

(۱) الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ للعسقلانی (شہاب الدین احمد بن عیسیٰ بن محمد

بن حجر العسقلانی المتوفی ۵۱۵۲) المكتبة الاثریة شیخوپورہ پنجاب (۱۷۱-۱۷۲)

ہوگئی، تو اپنے ایک ہاتھ سے پازیب کولیا، اور دوسرے ہاتھ سے چاندی پکڑائی۔“ (معانی الآثار)

”عن ابی رافع انه قال لعمر انی اصوغ الذهب فابيعه بوزنه واخذ عمالة یدی اجرا قال لا تبع الذهب بالذهب الا وزنا بوزن والفضة بالفضة الا وزنا بوزن ولا تاخذ فضلا۔“

”ابورافع سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں سونے کو ڈھالتا ہوں، یعنی اس کا زیور بناتا ہوں، اور اس کو اتنے ہی وزن کے سونے کے عوض فروخت کرتا ہوں، اور ساتھ ہی میں اپنی مزدوری لیتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض میں اور چاندی کو چاندی کے عوض میں مت فروخت کرو مگر برابر برابر اور زائد مت لو۔“

”عن ابی رافع مولی رسول اللہ ﷺ قال: احتجنا فاخذت خلخال امراتی فی السنة التي استخلف فیها ابوبکر فلقینی ابوبکر فقال ما هذا فقلت: احتاج الحی الی نفقة فقال ان معی ورقا ارید بها فضة فدعا بالمیزان فوضع الخخالین فی کفة ووضع الوراق فی کفة فشف الخخالین نحو امن دانق فقرضه، فقلت: یا خلیفة رسول اللہ ﷺ هو لك حلال، فقال: یا ابارافع انک ان احللتہ فان اللہ لا یحلہ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: الذهب بالذهب وزنا بوزن والفضة بالفضة وزنا بوزن الزائد والمستزید فی النار۔“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع کہتے ہیں کہ جس سال حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے، اس سال ہمیں ضرورت

لاحق ہوئی، تو میں نے اپنی بیوی کا پازیب لیا، راستے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ ملے، تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے میں نے جواب دیا کہ گھر والے خرچے کے محتاج ہو گئے ہیں، اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا: میرے پاس چاندی کے سٹکے ہیں، میں ان کے بدلے چاندی کا زیور لینا چاہتا ہوں، پھر انہوں نے ترازو منگوائی اور دونوں پازیب ایک پلڑے میں رکھے، اور چاندی دوسرے پلڑے میں، پازیب ایک دانق کے بقدر وزن زائد ہو گئے، تو حضرت ابو بکرؓ نے پازیب میں سے اتنی چاندی توڑ دی، میں کہا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ! یہ آپ کے لئے حلال ہے، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: ابورافع! اگر تم اس کو حلال کر دو، تو اللہ اس کو حلال نہیں کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سونے کو ہم وزن سونے کے عوض فروخت کرو، اور چاندی کو ہم وزن چاندی کے عوض فروخت کرو، زائد وزن دینے والا اور زائد وزن لینے والا جہنم میں ہوں گے۔“

”عن مجاہد انه قال كنت مع عبد الله بن عمر فجاءه صانع فقال يا ابا عبد الرحمن اني اصوغ الذهب ثم ابيع الشني من ذلك باكثر من وزنه فاستفضل من ذلك قدر عمل يدي فنهاه عبد الله بن عمر فجعل الصانع يردد عليه المسئلة وعبد الله ينهاه حتى انتهى الى باب المسجد او الى دابته يريد ان يركبها ثم قال عبد الله الدينار بالدينار والدرهم بالدرهم لافضل بينهما هذا عهد نبينا الينا وعهدنا اليكم۔“

”حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تھا کہ ایک سنار ان کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابو عبد الرحمن! میں زیور بناتا ہوں، پھر اس کو زائد سونے کے عوض فروخت کرتا ہوں، اور زائد وزن اپنی مزدوری کے بقدر طے کرتا ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو اس طرح کرنے سے منع فرمایا، سنار بار بار اپنا سوال دہراتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بار بار اس کو منع کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد کے دروازے تک آئے یا اپنی سواری تک آئے جس پر ان کو سوار ہونا تھا، پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ دینار کو دینار کے عوض اور درہم کو درہم کے عوض فروخت کرو، مگر کسی طرف زائد نہ ہو، اسی کی تعلیم ہمیں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور اسی کی تعلیم ہم تمہیں دیتے ہیں۔“

”عن عطا بن یسار ان معاویة بن ابی سفیان باء سقایة من ذهب او ورق باكثر من وزنها فقال له ابو الدرداء سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن مثل هذا الامثلا بمثل فقال له معاویة : ما اری بمثل بذا باسا فقال ابو الدرداء : من یعذرنی من معاویة انا اخبره من رسول الله ﷺ ویخبرنی عن رایہ لا اساکنک بارض انت بها ثم قدم ابو الدرداء علی عمر بن الخطاب فذکر له ذلك فکتب عمر الی معاویة الا یبیع مثل ذلك الامثلا بمثل وزنا بوزن۔“

”عطا بن یسارؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے سونے یا چاندی کا کٹورا اس سے زائد وزن کے عوض میں فروخت کیا، تو ان سے حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس جیسے سودے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے، الا یہ کہ برابر برابر وزن کے ہوں، جو اب میں حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا کہ میں تو اس میں کچھ حرج نہیں پاتا، اس پر حضرت ابو دردائہؓ نے کہا کہ کون مجھے معاویہؓ سے معذور رکھتا ہے میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتاتا ہوں، اور یہ مجھے اپنی رائے بتلاتے ہیں، پھر حضرت معاویہؓ سے کہا کہ جس جگہ آپ ہوں گے تو وہاں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گا، پھر حضرت ابو دردائہؓ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس (مدینہ منورہ) چلے آئے، اور ان سے ساری بات ذکر کی، تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا ایسے سودے نہ کرو، مگر ہم وزن اور برابر برابر۔“ (الکحل ماخوذ من اعداء السنن ۱۲-۲۸۸، ۲۸۹)

نتیجہ

ان تمام آثار و روایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ سونے کے تیار زیور کو زائد سونے کے عوض میں اور چاندی کے تیار زیور کو زائد چاندی کے عوض میں فروخت کرنا جائز نہیں، اگرچہ اس اضافے کو مزدوری کا نام دیا جائے، اس اضافے کو مزدوری کے طور پر یا جائے۔

آج کل بھی مسئلہ یہی ہے کہ سونے کے تیار زیور کو زیادہ سونے اور چاندی کے تیار زیور کو زائد چاندی کے بدلے میں فروخت کرنا جائز نہیں، اگرچہ اضافہ مزدوری کے طور پر ہو، بلکہ مزدوری کی صورت یہ ہے کہ بجائے سونے یا چاندی میں اضافہ کرنے کے اقتدار قبلی جائے، جسے بنوائی کہتے ہیں۔

تفریعات

۱- ایک سنا اپنے یہاں کچھ زیور تیار کرتا ہے جس میں ۲۲ کیے ٹ کا سونا لگاتا

ہے، نگینے وغیرہ لگاتا ہے، پھر اس زیور کو ڈکاندار کے پاس فروخت کرنے کے لئے لے جاتا ہے، ڈکاندار اس زیور کو پسند آنے پر اپنے یہاں رکھ لیتا ہے، پھر مزدوری تو اسی وقت یا کچھ دن کے بعد دے دیتا ہے، اور زیور کے وزن کے مساوی خالص سونا کچھ دن بعد یکمشت یا قسطوں میں ادا کرتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ جس میں کچھ کچھ کھوٹ ملا ہو، لیکن کھوٹ مغلوب ہو، یعنی سونے کی مقدار سے کم ہو، اس کی خرید و فروخت میں اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو خالص سونے کا ہوتا ہے جیسا کہ اوپر مقدمہ ۲ میں گزرا۔ اور اس میں چونکہ دونوں طرف سونا ہے، اس لئے اس کی ادھار بیع ناجائز ہے، جیسا کہ مقدمہ ۱ میں گزرا۔

اس کی متبادل جائز صورت یہ ہے کہ ڈکاندار سنار سے زیور ادھار روپوں میں خرید لے، اور پھر قیمت یکمشت یا قسطوں میں ادا کرے، یہاں ادھار جائز ہے، کیونکہ ایک طرف سونا ہے، جو ثمنِ خلقتی ہے، اور دوسری طرف کرنسی ہے جو ثمنِ عرفی ہے، جس کا لین دین بیع صرف نہیں، لہذا اس میں ادھار جائز ہے، بشرطیکہ زیور پر قبضہ ہو جائے، تاکہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے۔

۲- سنار حضرات ڈکاندار سے آرڈر لے کر یا خود اس کے آرڈر دینے پر اپنے سونے سے مختلف چیزیں بنا کر اسے دے دیتے ہیں، وہ اسے مزدوری اسی وقت یا بعد میں جب سنار کو ضرورت ہو دے دیتا ہے، اور سونا جب سنار کو ضرورت ہو، اور وہ مطالبہ کرے، اس وقت یکمشت یا تھوڑا تھوڑا کر کے دیتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ سونے کی سونے کے عوض بیع ہے، اور اس میں ادھار ہو رہا ہے، جو بیع صرف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس کا بھی متبادل طریقہ وہی ہے، جو نمبر ۲ میں گزر چکا۔

۳- بہت سے لوگ اپنی رقم لگا کر مکمل زیورات تیار کرنے کا کام کرتے ہیں، ان زیورات میں اصلی جواہرات یا نقلی نگینے جڑے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ زیورات بغیر نگینوں



کے ہوتے ہیں یعنی سادہ ہوتے ہیں، تیار زیورات عام طور پر بنانے والے دکانداروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں، ان کے لین دین کا مروجہ طریقہ یہ ہے کہ تمام زیورات کل وزن کی بنیاد پر فروخت کئے جاتے ہیں۔

کل وزن کے بدلے خالص سونا لیا جاتا ہے، اور مزدوری بھی وزن کے حساب سے مقرر ہوتی ہے، عام طور پر فروخت کرنے والے کو خالص سونا اور رقم حاصل ہوتی ہے، اس کا تصور یہ ہے کہ کل وزن کے بدلے جو خالص سونا مل رہا ہے، وہ زیور میں موجود ملاوٹ شدہ سونا اس کی چھجکت اور نگینوں کی قیمت کے عوض ملتا ہے، اور نقد رقم مزدوری کے بدلے مل رہی ہے واضح رہے کہ مزدوری کی رقم کا تعین نگینوں کی عمدہ یا ناقص اقسام اور کام کی عمدہ بناوٹ اور خوبصورتی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ تو کیا ملاوٹ شدہ سونے کے بدلے خالص سونا لینا اور نگینوں کے بدلے خالص سونا لینا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو یہ بات معلوم کر لینا ضروری ہے کہ سنا اپنا زیور دکاندار کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، دکاندار کے سونے کے دکاندار کا مطلوبہ عمل نہیں کر رہا، بند مزدوری کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ حقیقت میں مزدوری نہیں ہے بلکہ زیور کی قیمت ہی کا ایک حصہ ہے۔

مثلاً پانچ تولے جڑاؤ زیور کے بدلے پانچ تولے سونا اور دو ہزار روپے مزدوری کے نام جو طے ہوئے ہوں، تو درحقیقت پانچ تولے جڑاؤ زیور کی قیمت پانچ تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے ہوتی۔

اب اگر زیور جڑاؤ ہے اور نگینے جڑے ہوئے ہیں، اور اس میں روٹ شدہ سونا مثلاً تین تولے ہو، اور نگینوں کا وزن دو تولے ہو، تو بشرطیکہ دونوں طرف لین دین نقد ہو، یا کم از کم زیور کے ساتھ ساتھ اس میں موجود ملاوٹ شدہ سونے کے وزن کے مقابلے میں خالص سونے پر بھی قبضہ جدا ہونے سے پہلے ہو جائے، تو یہ سودا درست ہے کیونکہ زیور میں موجود ملاوٹ شدہ سونے کے مقابلے میں اتنی مقدار میں خالص سونا ہو جائے گا، اور نگینوں کے

مقابلے میں دو تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے بن جائیں گے۔

لیکن اگر زیور سادہ ہو، تو پھر یہ معاملہ ناجائز اور سودی ہو جائے گا، کیونکہ اس وقت پانچ تولے سادہ زیور کے مقابلے میں پانچ تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے ہوں گے، یہ دو ہزار روپے بلا بدل ہو کر سود بن جائیں گے۔

## مینا کاری والے زیورات کی سونے چاندی کے عوض خرید و فروخت

کچھ زیورات پر مینا کاری کی جاتی ہے، مینا ایک خالص قسم کا رنگ دار شیشہ ہوتا ہے، جس کو باریک پیس کر سونے پر چپکایا جاتا ہے، اور نیل بوٹے بنائے جاتے ہیں، ان زیورات کے لین دین میں بھی پورے وزن کے بدلے سونا دیا جاتا ہے، یعنی مینا کاری کا وزن کاٹ کر نہیں دیا جاتا، یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ دونوں طرف سے لین دین نقد ہو، ادھار نہ ہو، قیمت میں سے کم سے کم اتنی مقدار کے سونے پر قبضہ ضروری ہے جتنا کہ زیور میں کھوٹ ملا سونا موجود ہے۔

## چند مزید مسائل

۱- دو تولے سونا اور ایک تولہ چاندی کو ایک تولہ سونا اور پچاس تولے چاندی کے عوض فروخت کرنا صحیح ہے، اور یوں سمجھیں گے کہ دو تولے سونا پچاس تولے چاندی کے عوض میں ایک تولہ چاندی ایک تولہ سونا کے عوض میں ہے، ایسا ہم اس وقت سمجھیں گے جب خرید و فروخت کرنے والوں نے اپنی زبان سے کچھ اور نہ کہا ہو، اور اگر انہوں نے کہا کہ دو تولے سونا ایک تولے سونے کے عوض میں اور ایک تولہ چاندی پچاس تولے چاندی کے عوض میں ہے، تو اب ان کی تصریح کا اعتبار ہوگا، اور یہ معاملہ سودی ہو جائے گا۔ (سونا، چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام، مفتی عبدالواحد، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور، تاریخ اشاعت

۱۹۹۷ء)۔

۲- اپنی انگلی کسی کی انگلی سے بدل لی، تو دیکھو:

الف:- اگر دونوں پرنگ لگا ہے، تب تو بہر حال یہ بدل لینا جائز ہے، چاہے دونوں کی چاندی یا دونوں سونا برابر ہو یا کم زیادہ، سب درست ہے، البتہ ہاتھ در ہاتھ ہونا ضروری ہے۔

ب:- اور دونوں بے رنگ ہوں، تو برابر ہونا ضروری ہے، اگر ذرا کمی بیشی ہوگئی ہو، تو سود ہو جائے گا۔

ج:- اگر ایک پرنگ ہو، اور دوسری سادی ہو، تو اگر سادی میں زیادہ چاندی ہو یہ بدلنا جائز ہے ورنہ حرام اور سود ہے، اسی طرح اگر اسی وقت دونوں طرف لین دین نہ ہو، ایک نے تو ابھی دے دی، دوسرے نے کہا کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں فلاں جگہ سے آکر دے دوں گا، تو یہ بھی ناجائز ہے۔ (بہشتی زیور)

۳- ایک (چاندی کا) کا مدار دوپٹے یا ٹوپی وغیرہ دو تولے چاندی کے عوض خریدی گئی، تو دیکھیں گے کہ اس دوپٹے یا ٹوپی میں کتنی چاندی لگی ہے، اگر اس میں مثلاً پانچ تولے چاندی کا کام ہوا ہے، تو پانچ تولے چاندی تو اسی وقت دینا ضروری ہے، اور باقی پانچ تولے چاندی بعد میں بھی دے سکتے ہیں۔

یہی حکم جڑاؤ زیور وغیرہ کی خرید کا بھی ہے، مثلاً جڑاؤ زیور جس میں دو تولے چاندی ہے، پانچ تولے چاندی کے عوض خریدا، تو خریدار پر لازم ہے کہ وہ دو تولے چاندی تو اسی وقت دے دے، قیمت کے باقی تین تولے بعد میں بھی دے سکتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## چند ناجائز صورتوں کی متبادل جائز صورتیں

۱- کھوئی اور خراب چاندی دے کر اچھی چاندی خریدنا ہے، اور اچھی چاندی وزن میں کھوئی کے برابر نہیں مل سکتی، تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ پہلے خراب چاندی روپوں میں فروخت کی جائے، اور جو رقم ملے، اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس سے اچھی چاندی خریدی جائے۔<sup>(۲)</sup>

(۲۱) بہشتی زیور اتھانوی (مولانا اشرف علی) کراچی، دارالاشاعت آرام باغ، (ص ۳۹۵)۔

۲- اگر کوئی ایسی چیز ہے کہ چاندی کے علاوہ اس میں کچھ اور بھی لگا ہے، مثلاً جوشن (بازو بند) کے اندر لاکھ بھری ہوئی ہے، اور نونگوں پر نگ جڑے ہیں، انگوٹھیوں پر نگینے رکھے ہیں یا جوشنوں میں لاکھ تو نہیں ہے، لیکن تاگوں میں گندھے ہوئے ہیں، ان چیزوں کو چاندی کے عوض خریدا، تو دیکھو اس چیز میں کتنے وزن چاندی ہے، قیمت کی چاندی کے برابر ہے یا اس سے کم ہے یا زیادہ ہے، اگر قیمت کی چاندی سے اس چیز کی چاندی یقیناً کم ہو، تو یہ معاملہ جائز ہے، اور اگر برابر یا زیادہ ہو، تو سود ہوا، سود سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ قیمت کی چاندی زیور کی چاندی سے کم رکھو اور قیمت میں باقی روپے شامل کر دو، مثلاً دونوں طرف پانچ پانچ تولے چاندی ہو، تو قیمت کی چاندی کو پانچ تولے سے کچھ کم کر دو مثلاً ساڑھے چار تولے کر دو اور قیمت میں آدھا تولہ چاندی کے بجائے کچھ روپے مثلاً پچاس روپے ملاو، تو یہ معاملہ جائز ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

۳- اگر سونے یا چاندی کا زیور یا برتن سونے چاندی کے عوض خریدا، اور اس وقت قیمت دینے کے لئے نہیں ہے، یا ادھار کرنا مقصود ہے، تو اس کے جائز ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ سے اتنا سونا یا چاندی قرضہ لے لو، اور اس قرض سے قیمت کی ادائیگی کر دو، پھر قرض بعد میں اتار دو۔<sup>(۲)</sup>

### نیارا (زرگروں کی مٹی) کی خرید و فروخت کا مسئلہ

زرگروں کی مٹی جس میں سونے یا چاندی کے ذرات شامل ہوتے ہیں، اور بعض لوگ اس کو خرید کر اس میں سے سونا چاندی علیحدہ کر لیتے ہیں، اس سے متعلق چنداہم مسائل درج ذیل ہیں:-

۱- روپوں کے عوض میں اس مٹی کی خرید و فروخت جائز ہے۔

۲- مخالف جنس کے عوض بھی خرید و فروخت ہر طرح سے جائز ہے، مثلاً سونے کی

(۲، ۱) بہشتی زیور التھانوی (مولانا اشرف علی) کراچی، دارالاشاعت آرام باغ، (ص ۳۹۵)۔

مٹی چاندی کے عوض اور چاندی کی مٹی سونے کے عوض اگرچہ دونوں طرف کے وزن میں فرق ہو، جائز ہے، البتہ ہاتھ در ہاتھ لین دین ضروری ہے۔

۳- سونے کی مٹی سونے کے عوض میں اور چاندی کی مٹی چاندی کے عوض سرف

اسی وقت جائز ہے جب دونوں طرف سونے چاندی کا وزن یکساں ہو، اور لین دین بھی ہاتھ در ہاتھ ہو، اگر کسی طرف بھی سونا یا چاندی زیادہ ہو، تو بیع درست نہیں، خالص سونے چاندی کا وزن بھی مٹی میں ملے سونے چاندی سے زیادہ نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اس مٹی کی اپنی کچھ قیمت نہیں ہوتی، لہذا اس کے مقابلے میں سونے چاندی میں کچھ کو قیمت کے طور پر نہیں سمجھا جائے گا۔

### پرانے زیور سے نئے زیور کا تبادلہ

۱- گاہک پرانا مال لاتا ہے، تو اس کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے، اور نئے مال

کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے، اس میں جو فرق ہوتا ہے، صرف اس کا لین دین کر لیا جاتا

ہے، تبادلے میں بسا اوقات ایسی صورت بھی پیش آتی ہے کہ مثلاً پرانے مال کا کل وزن

۶ تولہ ہوتا ہے، اور قیمت پندرہ ہزار روپے مقرر ہوتی ہے، اور نئے مال کا وزن ۴ تولہ ہوتا

ہے، اور قیمت پندرہ ہزار روپے مقرر طے ہوتی ہے، یعنی صرف مال کا تبادلہ ہوتا ہے، نقد

روپوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا، واضح رہے کہ پرانے مال کا وزن ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے، یہ

طرز ایقہ ناجائز ہے۔

۲- اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ صورت ناجائز ہوگئی، تو پرانے زیور

کے نئے زیور سے تبادلے کی جائز صورت کیا ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو عام فہم اور آسان طرز ایقہ ہے وہ یہ ہے کہ دکاندار

کا بک سے روپوں میں اس کا پرانا زیور خرید لے، اور کا بک روپے ادا کر دے، اس کے

بعد کا بک جو نیا زیور خریدے اس کی قیمت اس سے وصول کر لے، اس کے لئے دکاندار کو

صرف اتنا اہتمام کرنا پڑے گا کہ اپنے پاس نقدی کی ایک مقدار حاضر رکھنی پڑے گی، لیکن یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

اگر زیور کا زیور سے تبادلہ کرنا ہو، تو مندرجہ ذیل چند اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:-

الف:- اگر دونوں طرف زیور سادہ ہو، اور ڈکاندار کا زیور گاہک کے زیور کے وزن کے مساوی ہو، یا اس سے وزن میں کم ہو، اور ڈکاندار مزید گاہک سے کچھ لینا چاہتا ہو، تو اپنے زیور کے ساتھ (Immitation) کی مثلاً بالیاں ساتھ کر دے۔

اور اگر ڈکاندار کا زیور گاہک کے زیور سے زیادہ وزن کا ہے، تو ڈکاندار گاہک سے زائد روپے بھی لے سکتا ہے۔

ب:- اگر زیور جڑاؤ ہو، تو ہر طرح سے زیور کا زیور کے بدلے تبادلہ جائز ہوگا، اس وقت ایک طرف کا زائد سونا بمعہ روپے کے (اگر ہو) دوسرے کے نگینوں کی قیمت ہو جائے گی، ایسا دونوں طرف سے سمجھا جائے گا۔

ج:- اگر ایک طرف سادہ زیور ہو اور دوسری طرف جڑاؤ ہو، اور ڈکاندار گاہک سے مزید لینا چاہتا ہو تو:-

۱- اگر جڑاؤ زیور ڈکاندار کا ہو، اور سادہ زیور گاہک کا ہو، تو خواہ گاہک کے زیور کا سونا ڈکاندار کے زیور میں موجود سونے سے کم ہو یا زیادہ ہو، یا اس کے برابر ہو، ہر صورت میں زائد روپے لینا جائز ہے۔

۲- اگر سادہ زیور ڈکاندار کا ہو، اور جڑاؤ گاہک کا ہو، تو اگر گاہک کے زیور میں سونا ڈکاندار کے سونے سے کم ہو، تو ڈکاندار گاہک سے روپے لے سکتا ہے، اور اس کے زیور میں موجود مساوی سونا ہو، یا زائد ہو، تو ڈکاندار گاہک سے مزید روپے نہیں لے سکتا۔

پیشگی سودا لیکن لین دین بیک وقت

۱- آج سونے کا بھاؤ مثلاً دس ہزار روپے فی تولہ ہے، سودا بھی کریں، مال تھوڑی

دیر بعد ملے گا، ادائیگی جس وقت مال ملے گا فوری ہوگی، ادائیگی کے وقت تک اکثر بھاء میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں ادائیگی کے وقت جو بھاء ہے اس کے مطابق ادائیگی ہوگی یا طے شدہ بھاء سے ہوگی، اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ یہ طریقہ اگر بیع کے طریقے پر ہو، تو ناجائز ہے، کیونکہ بیع دین کے عوض دین کی بیع ہے، جو ممنوع ہے، البتہ اگر اس کو وعدے کے طریقے پر کیا جائے، تو صحیح ہو سکتا ہے، یعنی فریقین آپس میں یہ وعدہ کر لیں کہ فلاں دن ہم یہ بیع کریں گے، اور پھر اس وقت یعنی لین دین کر لیا جائے، جس قیمت کا آج وعدہ کیا ہے، لین دین کے وقت اسی کا اعتبار ہوگا، اور باجمعی رضا مندی سے چاہیں، تو قیمت میں کمی بیشی بھی کر سکتے ہیں۔

۲- اس کے علاوہ مختلف طریقوں سے سودے کئے جاتے ہیں، مثلاً:-

الف:- یہ کہ سونے کا بھاء موجودہ بھاء سے دس پندرہ روپے فی تولہ سے کم یا زیادہ لیا جائے گا، لیکن مال اگلے روز ملے گا، اور ادائیگی مال ملنے پر کل ہی کی جائے گی۔

ب:- سونے کا بھاء موجودہ بھاء سے ۲۵ روپے تولہ کم یا زیادہ ہوگا، لیکن مال سات دن کے اندر اندر فروخت کرنے جب چاہے خریدار کے حوالے کرے گا، اور ادائیگی اسی وقت کرنا ہوگی۔

ج:- سونے کا بھاء موجودہ بھاء سے مزید کچھ کم یا زیادہ لیا جائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ سودا ابھی طے کریں، لیکن مال سات دن کے اندر اندر خریدنے والا جب چاہے منگوا سکتا ہے، ادائیگی مال ملنے پر فوراً ہوگی۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ تمام سودے زبانی ہوتے ہیں، اور کوئی کواد بھی نہیں ہوتا، مندرجہ بالا معاہدوں میں کسی ایک فریق کی طرف سے انکار کی صورت میں بھاء کا فرق مانگ لیا جاتا ہے، معاہدے کے یہ تمام طریقے ناجائز ہیں، اور کسی ایک فریق کے انکار پر دوسرے کا اس سے بھاء کا فرق لینا کھلا سود ہے۔



## ٹانکے کا مسئلہ

زیور بنانے کے لئے سونے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر مختلف چیزیں تیار کی جاتی ہیں، جوڑنے کے لئے ٹانکا استعمال ہوتا ہے جو کہ ضروری ہے، ٹانکے کی تفصیل، یہ ہے کہ وہ ایسا سونا یا ایسی دھات ہو جو زیور کے سونے سے پہلے پگھل جائے، اور دو ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ دے۔

ٹانکے بنانے کے لئے سونے میں مزید ملاوٹ کرنی پڑتی ہے جو زیورات کو جوڑنے کے بعد ان میں موجود رہتی ہے، کاریگر حضرات سے جب زیورات لئے جاتے ہیں، تو مکمل وزن کر کے لئے جاتے ہیں، اور ان کے بدلے پورا سونا دیا جاتا ہے، نظر یہ یہ ہوتا ہے کہ ٹانکے کے بدلے کا سونا زیور بنانے کی چھجٹ کے طور پر دیا جاتا ہے۔

ٹانکے کی دوسری قسم بھی ہے، کاڈیم (Cadmium) ایک قسم کی دھات ہے جس کی تھوڑی سی مقدار سونے میں ملانے سے حسب ضرورت ٹانکے حاصل ہو جاتا ہے، زیور بنانے کے لئے بہت سے لوگ مذکورہ ٹانکے استعمال کرتے ہیں، اور چھجٹ کی مد میں مقررہ شرح سے کاریگر کو اضافی سونا دیتے ہیں۔

ٹانکے کے بدلے خالص سونا لینا جائز ہے، لیکن مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ زیور اور ٹانکے کے بدلے خالص سونا اتنے ہی وزن کا لیا جاتا ہے، اور مزدوری اس کے علاوہ ہوتی ہے، چونکہ ڈکاندار کاریگر کو اپنا سونا دے کر زیور نہیں بنوا رہا ہے بلکہ کاریگر کو زیور کے بدلے سونا دے رہا ہے، لہذا یہ زیور کی سونے کے عوض میں بیع ہے، جس میں برابری اور نقد ذر نقد ہونا ضروری ہے، اور وزن جب دونوں طرف کا برابر ہو گیا، تو مزدوری بلا عوض ٹھہرے گی، اور سود بن جائے گی، لہذا یہ سود روپوں میں ہونا چاہئے، ورنہ معاملہ سود کا ہو جائے گا اور سود کا گناہ ہوگا۔

اگر بغیر ٹانکے لگائے زیور تیار ہو سکتا ہے پھر بھی کوئی اپنے فائدے کے لئے





ہم نے اس مسئلے پر خاصاً غور کیا، تو معلوم ہوا کہ چھپت کا مسئلہ بذات خود کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے، اس مسئلے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:-

### پہلی صورت

کارگیر نے اپنے سونے سے زیور بنایا اور ڈکاندار کے ہاتھ فروخت کیا، پھر یا تو کل روپوں کے عوض میں فروخت کیا، یا اس کے عوض سونالیا۔

سونے کے عوض فروخت کرنا

کارگیر نے مثلاً تین تولے زیور بنایا، تقریباً تین ماشے چھپت ہوئی، تو کارگیر کو یہ تین تولے تین ماشے کا پڑا، مزدوری کے دو سو روپے فی تولہ ہوئے، سونا پانچ ہزار روپے تولہ ہو تو کل لاگت ۱۶۸۵۰ روپے ہوئی، کارگیر ریٹ بتاتے ہوئے ڈکاندار کو چھپت کی شرح بتا بھی دے، تو دیانت داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے بتانے میں کچھ حرج نہیں ہے، البتہ زیور کا سودا کل ۱۶۸۵۰ روپے کے عوض ہو، یوں تفصیل کے ساتھ بل نہ بنائے کہ تین تولے سونے کے ۱۵۰۰۰ روپے اور چھپت کے تین ماشے کے ۱۲۵۰ روپے اور مزدوری کے ۶۰۰ روپے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ چھپت فی الواقع تین ماشے سے کم ہو اور یوں کارگیر غلط بیانی کا مرتکب ہو جائے۔

اگر ایسا زیور ہو جس میں گھت نہیں ہوتی مگر دی جاتی ہے تو اس صورت میں بھی تین تولے کے زیور کی قیمت ۱۶۸۵۰ روپے بتائی جائے، ریٹ بتاتے ہوئے تفصیل کو ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب ڈکاندار کارگیر کو کہتا ہے کہ یہ زیور مجھے دے دو، تو اس وقت سونا ۱۶۸۵۰ روپے میں ہونا طے پائے، بہتر ہے کہ ڈکاندار یوں کہہ دے کہ میں نے ۱۶۸۵۰ روپے میں خریدا یا کارگیر یوں کہے کہ یہ میں نے تمہارے ہاتھ ۱۶۸۵۰ روپے میں فروخت کیا، یا یہ میں نے تمہیں ۱۶۸۵۰ روپے میں دیا۔

اگر زیور میں گھت ہوتی ہے مگر چھپت نہیں دی جاتی، تو اس صورت میں کل

روپوں میں بوقیامت کے پانچ سو کے عوش فریاد ہے۔

عش کا ریشہ بے اپنے ہونے سے زور بنا کے تقوہ والی زور و بخت ہے اور جیوں

بے بن بنیاد پر کاندھوں پر بخت برکت ہے۔

وہ نے عوش فریاد بنا

اور زوروں اور بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی

### دوسری صورت

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی

### تیسری صورت

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

بخت ہے بخت یہ نہ ہوگی بے جا بختوں سے بے جا بختوں میں ہونے کے عوش فریاد ہے

چھجیت کا ریگرو بوجہ کر دے۔

دکاندار جب آگے گا بک کو زیور فروخت کرتا ہے، تو وہ بھی تفصیلی بل بناتے ہوئے پالش یا چھجیت اور مزدوری ذکر کرتا ہے، اور دکاندار نے کار ریگر کو ایک تولے پر ایک ماشہ چھجیت دی ہوتی ہے، جبکہ وہ خود گا بک سے ڈیڑھ ماشہ چھجیت وصول کرتا ہے، چونکہ چھجیت کا ایک خاص مطلب ہے یعنی زیور بناتے ہوئے سونے میں جو گھست ہوئی لہذا یہ صحیح نہیں کہ دکاندار اپنے گا بک کو چھجیت میں واقع سے زیادہ مقدار بتائے، وہ اپنی مزدوری یا نفع کے نام سے عوض لے سکتا ہے، مثلاً تین تولے سونا ہے اور تین ماشہ چھجیت ہے، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ دکاندار تین تولے سونا اور ساڑھے چار ماشہ چھجیت لگائے اور مزدوری کے ڈیڑھ ہزار روپے لگائے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تین تولے سونا اور تین ماشہ چھجیت اور ۲۱۲ روپے مزدوری کے لگائے، نتیجہ ایک ہی ہے، لیکن پہلی صورت میں غلط بیانی ہوئی کہ بجائے ایک ماشہ تولے کے ڈیڑھ ماشہ تولے چھجیت لگائی، متبادل جائز طریقے کو اختیار کرنا کچھ مشکل نہیں۔

سونے چاندی کے کاروبار میں بعض مروج جدید طریقے

پہلا طریقہ

آج کل فاریکس (Forex) اور کامیکس (Comex) کے نام سے کاروبار کرنے والی نئی کمپنیاں وجود میں آئی ہیں، اس کاروبار کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کاروبار کی وہ تمام تر صورتیں جو عام طور سے اختیار کی جاتی ہیں ناجائز ہیں۔

کاروبار کا طریقہ کار

ایک شخص دس ہزار ڈالر کمپنی میں جمع کرا کے اس سکیم کا رکن بن سکتا ہے، کمپنی والے پھر اس کی رہنمائی کرتے ہیں کہ وہ کب اور کونسی کرنسی یا جنس خریدے لے کہ جس کو بعد میں فروخت کر کے نفع کی امید کی جاسکتی ہے، ہر کرنسی یا جنس کی خرید کی کم سے کم مقدار مقرر



میں موجود دلالوں کے درمیان کمیشن ایجنٹ کے طور پر کام کرتی ہے۔

ہر سودا جو کمپنی کراتی ہے اس پر وہ پچاس یا ساٹھ ڈالر کمیشن لیتی ہے، خواہ سودے میں موکل کو نفع ہو یا نقصان ہو یا نہ نفع ہو یا نہ نقصان۔

پھر جو اسٹ خریدی، اگر خریداری کے دن ہی فروخت کر دی گئی، تو کمپنی صرف کمیشن وصول کرے گی، اور اگر فروخت میں کچھ دن لگ گئے، تو کمپنی کمیشن کے علاوہ پانچ یا تیرہ ڈالر یومیہ کے حساب سے سود بھی وصول کرے گی، بعض صورتوں میں موکل کو سود ملتا ہے، Empire Resources کی وضاحت یوں ہے :-

Interest Premium are paid or charged basing on the number of days for a position trade.

## کاروبار کی اقسام

### قسم اول Spot/Cash Trading

کمپنی کی اپنی وضاحت کے مطابق وہ اپنے موکلین اور دلالوں کے درمیان رابطہ کراتی ہے، اور کمیشن پر سودے کرواتا ہے، اس صورت میں سودا موکل اور تجارتی مرکز میں موجود دلال کے مابین ہوتا ہے، لیکن چونکہ موکل پوری رقم کی ادائیگی تو کرتا ہے نہیں، لہذا کرنسی اور سونے چاندی کی خرید کی صورت میں سودا دو وجہ سے ناجائز ہے :-

الف: یہ بیع الدین بالدین ہے، بائع اور خریدار دونوں کی طرف سے قرض ہے، کیونکہ نہ تو بائع نے خریدار کو خرید کردہ پر قبضہ دیا، اور نہ ہی خریدار نے قیمت کی ادائیگی کی، اور بیع الدین بالدین ناجائز ہے۔ چنانچہ الدر المختار میں ہے :-

فی الدر المختار: باء فلوسا بمثلها او بدرام او بدنانیر فان

نقد احدہما جاز وان تفرقا بلا قبض احدہما لم یجز۔

فلوس فلوس کے بدلے میں فروخت کئے، یا فلوس کو دراہم کے بدلے

فروخت کئے، یا دنانیر کے عوض فروخت کئے، اگر فریقین میں سے



جاتا ہے، الدر المختار میں ہے:-

ولا يجوز التصرف للمسلم اليه في رأس المال ولا لرب  
السلم في المسلم فيه قبل قبضه بنحو بيع الخ  
مسلم اليه كـ لئـ رأس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فيه  
میں قبضے سے قبل خرید و فروخت جیسے تصرفات جائز نہیں۔<sup>(۱)</sup>

یہ خرابیاں اس صورت میں ہیں جب خرید کردہ کرنسی یا اجناس و اشیاء ہوں، اور  
اگر خرید کردہ چیز سونا یا چاندی ہو، تو اس میں بیع سلم جائز ہی نہیں، کیونکہ بیع سلم مٹمن میں ہوتی  
ہے، مٹمن میں نہیں ہوتی۔ بدائع میں ہے:-

واما السلم في الفلوس عددا فجاز عند ابي حنيفة و ابي  
يوسف و عند محمد لا يجوز بناء على ان الفلوس اثمان  
عنده فلا يجوز السلم فيها كما لا يجوز السلم في الدراهم  
و الدنانير۔

جہاں تک فلوس میں عدد کے اعتبار سے سلم کا تعلق ہے، تو یہ حضرات  
امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمد  
کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ فلوس اثمان ہیں، تو ان میں بیع سلم جائز  
نہیں ہوگی، جیسا کہ دراجم اور دنانیر میں بیع سلم جائز نہیں۔<sup>(۲)</sup>

Future contracts are firm commitments to make  
or accept delivery of a specified quantity and  
quality of a commodity during as specific month  
in the future at a price agreed upon at the time the  
commitments was made . The unique attraction of  
future contracts is that they offer an efficient and  
affordable way of participating in the commodities

(۱) الدر المختار (۵/۲۱۸)

(۲) بدائع الصنائع (۵/۲۰۸)





## باب پنجم

## کرنسی اور فلوس کا تبادلہ

## بیع صرف اور فلوس

باب چہارم کے شروع میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ ”بیع صرف“ کے لئے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں عوضین کا ثمن خلقی ہونا ضروری ہے، چند عبارات بمع ترجمہ یہاں بھی ملاحظہ ہوں:-

ماامہ حنفی فرماتے ہیں:-

”وشرعاً بیع الثمن بالثمن ای ماخلق للثمنیة، ومنہ

المصوغ جنسابجنس اوبغیر جنس۔“

”اور شریعت میں بیع صرف عبارت ہے ثمن کی ثمن کے ساتھ خرید و

فروخت سے، یعنی جو خلقی طور پر ثمن ہو، اور اسی سے بنا ہوا برتن بھی

ہے، خواہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہو، یا خلاف جنس کے ساتھ

ہو۔“ (۱)

ماامہ مرغینانی فرماتے ہیں:-

”سواء كانا يتعینان كالمصوغ اولا يتعینان كالمضروب،

او يتعین احدهما ولا يتعین الاخر، لا طلاق ماروینا، ولانه

(۱) الدر المختار للحصکفی شرح تنویر الابصار للتمرتاشی و متن رد المحتار لابن عابدین

المعروف بالشامی (۲۰۲/۷)

ان کان يتعین ففیہ شبهة التعین لكونہ تمنا حقة

فی شترہ قبضہ اعتبار الشبہة فی الربانہ

پاپ بونین متعین ہونے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں

شرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلاً دونوں شرف نہ

ہوں، یا ایک خوش متعین ہوتا ہوں، اور دوسرا نہ ہوتا ہوں، (یہ سب

صورتیں بیچ طرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق ہے، اور

دوسری بات یہ کہ یہ پونہ خلتی شرف ہے، اس میں تعین کے باوجود

شرف پایا جاتا ہے، اس کے شرف برتن وجہ سے اس میں تمام شرف

نہ ورنہ ہوتا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف ہونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہوں، اور

دوسری طرف بھی ہونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہوں، دونوں شرف، اور اگر یہ دونوں بھی

ایک طرف اور اگر یہ دونوں بھی طرف ہونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہوں، تو یہ تمام

صورتیں بیچ طرف کی ہیں، کیونکہ یہ تمام شرف خلتی ہیں، لہذا ان تمام صورتوں میں تمام شرف

نہ ورنہ ہوتا ہے۔

عامہ شرفیات ہیں :-

تو غالب الغش لیس فی حکم الدرہم والدنانیر فیصدہ

بیعہا بجنسہا متفاضلا والتبایع والاستقراض بما یروج

عددا او وزنا او بہما ولا یتعین بالتعین لكونہا اثمانا

تو سب اشیاء بیع ہوتی ہیں، اور اس صورت میں یہ درہم یا دنانیر کے حکم

نہیں ہوں گے، لہذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی سے جائز ہے۔

۱۔ التہذیب مع الفتح، المرغینانی شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن ابوبکر

المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ، کوئٹہ، پاکستان، مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۶۱ء، ص ۲۶۱۔

ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں۔“ (۱)

اس پر علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:-

”قوله: ”ولا يتعين بالتعيين لكونها اثمانا“ یعنی مادامت تروج لانها بالاصطلاح صارت اثمانا، فمادام ذلك الاصطلاح موجودا، لا تبطل الثمنية لقيام المقتضى۔“

”صاحب ہدایہ کی یہ بات کہ ”یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، کیونکہ یہ اثمان ہیں“ یعنی جب تک مروج ہوں، کیونکہ یہ لوگوں کی اصطلاح سے اثمان بنے ہیں، سو جب تک یہ اصطلاح باقی رہے گی، اس کی شمیت بھی باقی رہے گی، اس لئے کہ مقتضى موجود ہے۔“ (۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ غالب ہو، اور سونا یا چاندی کم ہو، اور وہ مروج بھی ہو، تو ان کی بیع کی بیشی کے ساتھ جائز ہے، اگرچہ عوضین ہم جنس کیوں نہ ہوں، لیکن اس کے باوجود یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں لیکن اثمان عرفیہ ہیں۔

اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ اس میں ثمن کا مقابلہ ثمن کے ساتھ ہے، لیکن چونکہ یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے اس کو بیع صرف سے نکالا اور اس میں وحدت جنس

(۱) کنز الدقائق مع البحر، النسفی (الامام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدین النسفی المتوفى ۱۰۷۰ھ)، بیروت، دارالکتب العلمیة، طبع اول ۱۴۱۸ھ (۱/۳۳۵)۔

(۲) ایضاً۔



اور اسی کتاب میں ہے:-

”تنبیہ: بیع النقد بالنقد من جنسه وغیرہ یسمی صرفاً۔“  
”نقد کے مقابلے میں نقد کی بیع کو صرف کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو،  
یا جنس مختلف ہو۔“<sup>(۱)</sup>

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

”والثانیة لا یشرط الحلول والتقابض، فان ذلك معتبر فی  
جنس الذهب والفضة سواء كان ثمنا او كان صرفا او كان  
مكسورا بخلاف الفلوس ولان الفلوس هی فی الاصل من  
باب لا عراض والتمنیة عارضة لها“

”اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلول (Cash Payment) اور  
تقابض ضروری نہیں، کیونکہ یہ چیزیں جنس سونا اور چاندی میں معتبر  
ہیں، خواہ وہ کسی قسم اور کسی شکل میں ہو، بخلاف فلوس کے (کہ وہ جنس  
سونا اور چاندی میں سے ہیں نہیں) اور اس لئے بھی کہ فلوس حقیقت  
میں سامان کے قبیل میں ہیں اور ثمنیت تو ان کو عارضی طور پر لاحق  
ہوتی ہے۔“<sup>(۲)</sup>

یہ امام احمد کی دوسری روایت ہے، اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ ”صرف“ کے

لئے ثمن خالص کا ہونا ضروری ہے۔

علامہ زحیلی فرماتے ہیں:-

”وشرعاً هو بیع النقد بالنقد جنسا بجنس او بغير جنس۔“

ای بیع الذهب بالذهب او الفضة بالفضة او الذهب

(۱) والہو!

(۲) مجموعۃ الفتاویٰ ۲۹/۴۵۹



”حضرات حنفیہ نے بیع صرف کی تعریف یہ کی ہے کہ ثمن کو ثمن کے مقابلے میں فروخت کیا جائے۔ اور ان کے نزدیک اثمان سے مراد وہ ہیں جو خلقت ثمن ہوں، یعنی زمانہ قدیم سے، اور وہ سونا اور چاندی ہیں، خواہ سکہ کی شکل میں ہوں۔ دنانیر اور دراہم، جو ”نقدین“ کے ساتھ مشہور ہیں، اور یازیور کی شکل میں ہوں، جیسا کہ بالیاں اور پوڑیاں ہیں، اور یاڈلی کی شکل میں ہوں، اور شافعیہ اور حنابلہ نے ثمن سے ”نقد“ کے ساتھ تعبیر کی ہے، سوانہوں نے کہا کہ ”صرف“ ”نقد“ کے مقابلے میں نقد کی بیع کو کہتے ہیں، عوضین خواہ ہم جنس ہوں یا نہ ہوں، اور ان کے نزدیک بھی ”نقد“ سے مراد سونا چاندی ہی ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور تینوں مذاہب کا حکم ایک ہے، اور یہ کہ سونا اور چاندی کی خرید و فروخت جب جنس کے ساتھ ہو، مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تو اس صورت میں حلول (ادھار نہ ہونا) مماثل (برابر ہونا) اور تقابض ضروری ہیں..... ائمہ ثلاثہ کی صرف کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس سونے اور چاندی میں منحصر ہے، جس میں کھوٹ غالب نہ ہو، لہذا اگر سونا یا چاندی جس میں کھوٹ غالب ہو، یا جائین سے نقد فلوس رائج ہوں، تو اس عقد کو عقد صرف نہیں کہا جائے گا۔“<sup>(۱)</sup>

ان تمام عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں عقد صرف کے لئے ثمن کا خالق ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں۔ اس لئے ”فلوس“ کی بیع صرف میں داخل نہیں، بلکہ سونے یا چاندی میں اگر ”غش“

(۱) تطور النقود (ص ۱۵۱، ۱۵۲)



( کھوٹ ) غالب ہو، اور بحیثیت مکہ کے یہ سونا یا چاندی رائج ہو، تب بھی اس کی بیع صرف نہیں، جیسا کہ کنز الدقائق کی عبارت سے واضح ہے:-

”و غالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير فيصح  
بيعها بجنسها متفاضلا والتبايع والاستقراض بما يروج  
عددا او وزنا او بهما ولا يتعين بالتعيين لكونها اثمانا۔“  
”کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ دراهم یا دنانیر کے حکم  
نہیں ہوں گے، لہذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز  
ہوں، اور رواج کے مطابق ان کی خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ  
وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے  
متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں۔“<sup>(۱)</sup>

یاد رکھنا چاہئے کہ ”ربا“ ”صرف“ سے مختلف ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ ربا کسی  
صورت میں ہو، اور وہ صرف نہ ہو، مثلاً اگر خط (گندم) خط کے مقابلے میں تقاضا بیچا  
جائے، تو یہ ربا ہے، اور ناجائز ہے، لیکن صرف نہیں، اسی طرح اگر ایک فلس دو فلسوں کے  
مقابلے میں فروخت کیا جائے، اور غیر معین ہو، تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں بالاتفاق یہ ربا ہے،  
اور حرام ہے، لیکن حنفیہ کے ہاں یہ ”صرف“ نہیں، اور صرف نہ ہونے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر  
جنس کا غیر جنس کے ساتھ مبادلہ ہو، تو تقاضا جائز ہوگا، خیار شرط قبول کرے گا، اجل قبول  
کرے گا، اور تقاضا جنس ضروری نہیں ہوگا، بلکہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہوگا، تاکہ بیع الکالی  
باکالی نہ ہو، فتح القدر میں مذکور ہے:-

”ان يبيع فلسا بغير عينه بفلسين بغير اعيانهم الا يجوز لان

(۱) کنز الدقائق مع البحر، النسفی (الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود  
المعروف بحافظ الدين النسفی المتوفى ۱۰۰ هـ) بيروت، دارالكتب العلمية، طبع اول

الفلوس الرائجة امثال متساوية قطعاً اصطلاح الناس على  
سقوط قيمة الجودة منها فيكون احدهما فضلاً خالياً

مشروطاً في العقد وهو الربا۔“

”غیر معین فلس کو اگر دو غیر معین فلسوں کے ساتھ بیچا، تو یہ جائز نہیں،  
کیونکہ فلوس رائجہ امثال متساویہ ہیں کیونکہ لوگوں نے ان میں جودت  
کی قیمت کو ساقط کر دیا ہے، تو ایک فلس مشروط طور پر خالی عن العوض  
ہو جائے گا، اور یہی ربا ہے۔“ (۱)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ اگر غیر معین فلس کا غیر معین فلسین کے  
ساتھ تبادلہ ہو، تو اس صورت میں یہ معاملہ بالاتفاق حرام ہے، کیونکہ فلوس امثال متساویہ ہیں  
(یعنی ایک فلس دوسرے فلس کا ہم مثل ہے۔) تو جب ایک فلس دو کے مقابلے میں ہو، تو  
ایک جانب میں ایک فلس خالی عن العوض ہوا، اور یہی ربا ہے، تو ربا کی تعریف اس پر صادق  
ہے، لہذا یہ صورت حرام ہے، البتہ اگر فلوس کو معاملے کے وقت معین کیا جائے، مثلاً یہ کہا  
جائے کہ یہ ایک فلس میں تم کو تمہارے ان دو فلسوں کے مقابلے میں فروخت کرتا ہوں، تو  
اس صورت میں حضرات شیخین کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، کیونکہ تعین سے فلوس سامان  
کے حکم میں آگئے، اور عروض میں تفاضل جائز ہے، تو فلوس میں بھی جائز ہوگا، گویا کہ فلس  
لوگوں کی اصطلاح سے ثمن بنا تھا، اور عاقدین کی اصطلاح سے اس کی ثمنیت باطل ہوگئی،  
لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک یہ صورت بھی جائز نہیں، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ جب  
فلس اصطلاح سے ثمن بن گیا، تو اب صرف عاقدین کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس کی  
ثمنیت کو باطل کریں، البتہ سارے لوگ اس کی ثمنیت کے بطلان پر متفق ہو جائیں، تو وہ  
الگ بات ہے۔

”ربا“ (Interest) کے مسئلے میں علامہ کا سائی فرماتے ہیں:-

(۱) فتح القدیر (۱۶۲/۶)

”ویجوز بیع المعدودات المتقاربة من غیر المطعومات  
بجنسها متفاضلاً عند ابی حنیفة و ابی یوسف بعد ان  
یکون یدأبید کبیع الفلوس بالفلسین باعیانہما، وعند  
محمد لا یجوز۔ وجہ قولہ، ان الفلوس اثمان فلا یجوز بیعها  
بجنسها متفاضلاً کالدراہم والدنانیر، ودلالة الوصف عبارة  
عما تقدر به مالیه الاعیان ومالیه الاعیان کما تقدر  
بالدراہم والدنانیر تقدر بالفلوس فكانت اثمانا، ولہذا  
كانت اثماناً عند مقابلتها بخلاف جنسها، وعند مقابلتها  
بجنسها حالة المساواة، وان كانت ثمناً فالثمن لا یتعین  
وان عین کا الدراہم والدنانیر فالتحق التعین فیہما  
بالعدم فكان بیع الفلوس بالفلسین بغير اعیانہما، وذا  
لا یجوز، ولانہا اذا كانت اثماناً فالواحد یقابل الواحد فبقی  
الآخر فضل مال لا یقابله عوض فی عقد المعاوضة وهذا  
تفسیر الربا الخ“

”کھانے جانے والی اشیاء کے علاوہ جو اشیاء، ”معدودات متقاربة“  
میں سے ہوں، ان کی بیع جنسہا زیادت کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور  
امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ  
باتھہ در باتھہ ہو، جیسا کہ ایک فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع  
جائز ہے، جبکہ یہ دونوں معین ہوں، اور امام محمد کے نزدیک یہ جائز  
ہیں۔ امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، لہذا در اہم  
اور دنانیر کی طرح ان کی بیع جنسہا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں، اور  
وصف (ثمنیت) کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز سے اشیاء کی مالیت کا

اندازہ کیا جاتا ہے، اور اشیاء کی مالیت کا اندازہ جس طرح ذرا، ہم اور  
 دنانیر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس طرح فلوس کے ساتھ بھی کیا جاتا  
 ہے، لہذا فلوس اثمان ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ فلوس کا مقابلہ  
 جب غیر جنس کے ساتھ ہو، یا جنس کے ساتھ ہو، لیکن دونوں طرف  
 مساوی ہوں، تو فلوس کو اثمان قرار دیا جاتا ہے، اور جب جب فلوس  
 اثمان ہیں، تو ثمن تعین سے متعین نہیں ہوتے، جیسا کہ ذرا، ہم اور  
 دنانیر کا معاملہ ہے، لہذا ان میں ”تعین“ کا عدم ہوگئی، تو اب یہ سمجھا  
 جائے گا، کہ یہاں غیر معین فلس کی غیر معین فلسین کے ساتھ بیع ہوئی،  
 اور یہ جائز نہیں، اور اسی لئے بھی کہ جب یہ اثمان ہیں، تو ایک فلس  
 ایک فلس کے مقابلے میں آجائے گا، اور ایک فلس عوض سے خالی رہ  
 جائے گا، اور یہی ربا کی تفسیر ہے۔“ (۱)

اور ہدایہ میں ہے:-

ویجوز بیع الفلس بالفلسین اعیانہما عند ابی حنیفة و ابی  
 یوسف، قال محمد: لا یجوز، لان الثمنیة تثبت باصطلاح  
 الكل فلا تبطل باصطلاحهما واذا بقیت اثمانا لا تتعین  
 فصار کما اذا کانا بغير اعیانہما، و کبیع الدرہم بالدرہمین  
 ولہما ان الثمنیة فی حقہما تثبت باصطلاحہما اذ لا ولاية  
 للغير علیہما فتبطل باصطلاحہما واذا بطلت الثمنیة  
 تتعین بالتعین۔۔۔ فصار کالجوزة بالجوزتین بخلاف  
 النقود لانہا للثمنیة خلقة۔ (۲)

(۱) بدائع الصنائع، الکاسانی (الامام العلامة علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی)

کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، طبع اول ۱۳۲۸ھ

(۲) الہدایة مع الفتح (۶/۱۶۲)

اس عبارت کا حاصل وہی ہے، جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔  
 فلسفہ فلسفین کی فتح القدر و غیرہ میں چار صورتیں تحریر ہیں، ان میں سے تین  
 صورتیں بالاتفاق حرام اور ناجائز ہیں، اور ایک صورت اختلافی ہے، جس کی تفصیل گزر  
 گئی:-

۱-	فلس غیر معین	=	فلسین غیر معینین	حرام اتفاقاً
۲-	فلس معین	=	فلسین غیر معینین	
۳-	فلس غیر معین	=	فلسین معینین	اختلافی <sup>(۱)</sup>
۴-	فلس معین	=	فلسین معینین	

فلوس میں تا جیل جائز ہونے کی صورت علامہ سرخسی نے یہ بیان فرمائی ہے:-

وإذا اشترى الرجل فلوساً بدرهم ونقد الثمن ولم تكن  
 الفلوس عند البائع فالبیع جائز، لان الفلوس الرانجة ثمن  
 كالنقود، وقد بينا ان حكم العقد في الثمن  
 وجوبها ووجودها معا ولا يشترط قيامها في ملك بائعها  
 لصحة العقد كما لا يشترط ذلك في الدرهم والدنانير-

”جب ایک آدمی درہم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن  
 (درہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز  
 ہے، کیونکہ فلوس رانجہ نقود کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے  
 ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا  
 بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحت عقد کے لئے ضروری نہیں،  
 جیسا کہ یہ درہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔“<sup>(۲)</sup>

(۱) فتح القدر (۱: ۱۶۲)

(۲) المبسوط لسرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، لبنان، دار المعرفۃ، طبع  
 ۱۴۱۶ھ (۲۰۰۰ء)

نیز علامہ سرخسیؒ ایک مسئلے کے آخر میں فرماتے ہیں:-

وبیع الفلوس بالدرہم لیس بصرف الخ

”اور فلوس کی بیع ڈراہم کے ساتھ صرف ہے نہیں۔“<sup>(۱)</sup>

اور جب ایک جانب ڈراہم ہو اور ایک جانب فلس ہو، تو یہ صرف نہیں، تو جب دونوں طرف فلس ہو، تو وہ بطریق اولیٰ صرف نہیں ہوگا۔

یہاں تک یہ بات واضح طور پر سامنے آئی کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں فلوس کی بیع صرف نہیں ہے، اب آئیے مالکیہ کی نصوص دیکھتے ہیں:-

فلوس کی بیع کے صرف ہونے یا نہ ہونے سے متعلق مالکیہ کا نقطہ نظر

”قلت : ارأیت ان اشتريت فلوسا بدرہم فافترقنا قبل ان ان نتقابض، قال : لا یصلح هذا فی قول مالک، وهذا فاسد، قال: لی مالک : لا خیر فیها نظرة بالذهب ولا بالورق، ولو ان الناس اجازوا بینہم الجلود حتی تکون لها سكة وعین لکرهتها ان تباع بالذهب والورق نظرة۔ قلت: ارأیت ان اشتريت خاتم فضة او خاتم ذهب او تبر ذهب بفلوس فافترقنا قبل ان نتقابض ایجوز هذا فی قول مالک؟ قال: لا یجوز فلس بفلسین۔۔۔ قال اللیث بن سعد عن یحی بن سعید وربیعة انهما کرها الفلوس بالفلوس و بینهما فضل اور نظرة وقالوا : انها صارت سكة مثل سكة الدنانیر والدرہم۔“

”میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کی میں اگر ڈراہم کے بدلے فلوس

(۱) حوالہ بالا (۱۳/۲۴)۔

خریدوں اور پھر ہم قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، فرمایا: یہ امام مالک کے قول میں درست نہیں، اور یہ فاسد ہے، مجھے امام مالک نے فرمایا: فلوس اگر سونے یا چاندی کے مقابلے میں ادھار ہوں، تو اس معاملے میں کوئی خیر نہیں، اور اگر لوگ کھالوں میں تعامل شروع کریں، یہاں تک کہ یہ سکہ اور ذات بن جائیں، تو میں ان کھالوں کا تبادلہ سونے چاندی کے ساتھ ادھار مکروہ قرار دوں گا۔ میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کی انگلی خریدوں، اور پھر قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، تو یہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے؟ فرمایا: یہ امام مالک کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ امام مالک نے فرمایا: فلس کا فلسین کے مقابلے میں معاملہ جائز نہیں..... لیث بن سعد یحییٰ بن سعید اور ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں فلوس کا فلوس کے مقابلے میں ایسا معاملہ مکروہ فرماتے ہیں جس میں زیادتی یا ادھار ہو، اور یہ فرمایا: کیونکہ یہ ذنا نیر اور دراہم کی طرح سکہ ہو گیا۔<sup>(۱)</sup>

وقال مالك : اكره ذلك في الفلوس ولا اراه حراما  
كتحريم الدنانير والدراهم، قلت ارأيت ان اشتریت فلسا  
بفلسین ایجوز هذا عند مالك ؟ قال : لا یجوز فلس  
بفلسین -

”اور امام مالک نے فرمایا: میں اس کو فلوس میں مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں اس معاملے کو ذنا نیر اور دراہم کی حرمت کی طرح حرام نہیں سمجھتا

(۱) المدونة الكبرى، الاصبیحی (الامام مالك بن انس الاصبیحی المتوفی ۹-۱۰ بیروت،

دارالکتب العنمیة، طبع اول ۱۲۱۵ھ (۲۰۳، ۵، ۶)

ہوں، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے؟ فرمایا: ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز نہیں۔“ (۱)

اللیث عن یزید بن ابی حبیب وعبید اللہ بن ابی جعفر  
قالا: وشيوخنا کلهم انهم کانوا یکرهون صرف الفلوس  
بالدننیر والدرہم الایدایا۔ وقال یحیی بن ایوب:  
قال یحیی بن سعید: اذا صرفت درہما فلوسا فلا تفرقہ حتی  
تأخذ کلہ۔

”ہمارے سارے مشائخ فلوس کا دنانیر اور دراہم کے ساتھ صرف کو  
ناپسند فرماتے تھے، مگر یہ کہ ہاتھ درہا تھ ہو۔“ (۲)

حضرات مالکیہ کی ان عبارات سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان  
کے ہاں راجح یہی ہے کہ صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری نہیں، بلکہ فلوس کی بیع بھی  
صرف میں داخل ہے، اور اس میں تقابض ضروری ہے، اور ادھار ان کا معاملہ جائز نہیں۔

کیا کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف میں داخل ہے؟

باب سوم میں یہ بات گزر چکی ہے کہ ”نوٹ“ کی شرعی حیثیت میں چار مشہور  
نظریے ہیں:-

- ۱- نوٹ دین (Debt) کی ”سند“ (Certificate) ہے۔
- ۲- نوٹ ”سامان“ (Goods) ہے۔
- ۳- نوٹ سونے اور چاندی کا ”بدل“ یا قائم مقام (Substitute) ہے۔
- ۴- نوٹ بذات خود ”ثمن عرفی“ ہے، اور فلوس کے حکم میں ہے۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا (۶، ۵/۳)۔



یہ مسئلہ ان ہی نظریات پر متفق ہوتا ہے، اور نظریات میں اختلاف کی وجہ سے یہ مسئلہ بھی اختلافی بن جاتا ہے۔

چنانچہ جو حضرات پہلے نظریے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک نوٹوں میں بیع صرف کا تصور نہیں، کیونکہ بیع صرف میں تقابض ضروری ہے، اور نوٹ پر قبضہ اصل پر قبضہ ہے نہیں، بلکہ اس کی سند پر قبضہ ہے، تو تبادلے میں تقابض نہ ہوگا، تو بیع صرف متصور بھی نہیں۔

امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے:-

سوال:- اگر سو روپے کے کوئی شخص ید ابد کسی کے ہاتھ سے کمیا زیادہ کو بدلے یا فروخت کرے تو کیسا ہے؟ بیوا تو جروا۔

الجواب:- معاملہ نوٹ حوالہ ہے، بیع نہیں، اس لئے یہ دونوں صورتیں<sup>(۱)</sup> حرام اور سود ہیں، کمی بیشی جائز نہیں، اور یہ بہت ہی ظاہر ہے۔

ایک دوسرے منسل سوال کے جواب میں فرمایا:-

الجواب:- نوٹ کی حقیقت حوالہ ہے، اور حوالے میں کمی بیشی جب معروف یا مشروط ہو رہا ہے<sup>(۲)</sup>۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند معروف بعزیز الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں

مذکور ہے:-

الجواب:- بیع اس کی زائد کم کو اس مقدار سے جو اس کے اندر تحریر ہے درست نہیں، اور درحقیقت اس کی (نوٹ) بیع نہیں ہو سکتی بلکہ

(۱) امداد الفتاویٰ، تھانوی (مولانا محمد اشرف علی تھانوی) برائے دارالعلوم برائے (۶۳۷)۔

(۲) حوالہ بالا (۶۳۷)۔

بطریق حوالہ اس کا انتقال ہوتا رہتا ہے الخ۔<sup>(۱)</sup>

فتاویٰ رشیدیہ میں تحریر ہے:-

سوال:- نوٹ کی خرید و فروخت کمی یا زیادتی پر جائز ہے یا نہیں؟  
بالنقصیل ارقام فرمائیں۔

جواب:- نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں، مگر  
اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے، اور حیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے، مگر کم  
زیادہ پر بیع کرنا رہا اور ناجائز ہے فقط۔<sup>(۲)</sup>

ہندوستانی علماء میں سے ان حضرات کے نزدیک چونکہ نوٹ سند دین ہے، جیسا  
کہ باب سوم میں اس کا تذکرہ گزر چکا ہے، اس لئے ان کے نزدیک نوٹوں میں بیع جائز ہی  
نہیں، مماثلت بھی جائز نہیں، اور تقاضا بھی جائز نہیں۔

البتہ اگر کسی نے بیع کی، تو اس کو عقد حوالہ کہا جائے گا، اور اسی تاویل سے اس  
معاملے کو درست قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ تساوی کے ساتھ تبادلہ ہو، اور حوالے کا مطلب یہ  
ہے کہ زید عمر و کو دس روپے کا نوٹ دے رہا ہے، گویا زید اپنا دین اس کے حوالے کر رہا ہے،  
اور عمر و اس کو دس روپے کا نوٹ دے رہا ہے، گویا وہ اپنا دین اس کے حوالے کر رہا ہے، البتہ  
کمی بیشی جس طرح بیع میں ناجائز ہے، اسی طرح عقد حوالہ میں بھی ناجائز ہے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ ”نوٹ“ عروض اور سامان کے حکم میں ہے، ان کے  
ز نزدیک بھی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں، کیونکہ صرف کے لئے عوضین کا زر (نقد) ہونا  
ضروری ہے، ان کے ہاں صرف سونے اور چاندی میں منحصر ہے۔

علمائے ہند میں سے علمائے رام پور اور احمد رضا خان بریلوی صاحب اسی کے  
قائل ہیں، چنانچہ وہ اپنے رسالے میں فرماتے ہیں:-

(۱) عزیز الفتاویٰ، مفتی عزیز الرحمن صاحب، کراچی، دارالاشاعت کراچی، طبع اول (ص ۶۳۶)۔

(۲) فتاویٰ رشیدیہ، مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی (۲۰۰)۔

سوال ہد یجوز بیع النوط بازید من رقمہ او انقص“  
 فاقول نعم، یجوز بیعہ بازید من رقمہ وبانقص منہ کیفما  
 تراضیا (الی قولہ) نص علماء ناقاطبة ان علة حرمة الربا  
 القدر المعهود بکیل او وزن مع الجنس فان وجد احرم  
 الفضل والنساء، وان عدما، حلا، وان وجد احدهما حل  
 الفضل وحریم النساء، وهذه قاعدة غیر منخرمة وعلیها  
 تدور جمیع فروع الباب، ومعلوم ان لا اشتراك فی النوط  
 والدرهم فی جنس ولا قدر، اما الجنس فلان هذا  
 قرطاس، وتلك فضة، واما القدر فلان الدرهم موزونة  
 ولا قدر للنوط اصلا لا مکیل ولا موزون، فیجب ان یحل  
 الفضل، والنساء جمیعا، فاذن لیس النوط من الاموال  
 الربویة الخ

سوال :- کیا نوٹ کی بیع اس میں لکھی ہوئی قیمت سے کمی بیشی کے  
 ساتھ فروخت کرنا درست ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں اس کی بیع اس  
 میں لکھی ہوئی قیمت سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، جس طرح  
 عائدین راضی ہو جائیں..... ہمارے سارے علماء نے اس بات کی  
 تصریح کی ہے کہ حرمت ربا کی علت قدر (کیل، وزن) اور جنس  
 ہے، دونوں باتیں اگر موجود ہوں، تو زیادتی اور نساء دونوں ناجائز  
 ہیں، اور اگر دونوں باتیں معدوم ہوں، تو زیادتی اور نساء دونوں جائز  
 ہیں، اور اگر ایک بات موجود ہو، تو زیادتی جائز اور نساء ناجائز ہے، یہ  
 نوٹنے والا قاعدہ نہیں، اس پر باب ربا کے تمام جزوی مسائل کا مدار  
 ہے، اور یہ بات بالکل معلوم ہے کہ نوٹ اور درہم میں کوئی جنسی

اشتراک نہیں، کیونکہ نوٹ ایک کاغذ ہے، اور درہم چاندی ہے، اسی طرح قدر کی بھی بات ہے، کہ درہم موزونات میں سے ہے، اور نوٹ کا کوئی وزن نہیں، کیونکہ یہ نہ موزونات میں سے ہے، اور نہ مکیلات میں سے ہے، لہذا واجب ہے کہ اس میں زیادتی اور نساء دونوں جائز ہوں، لہذا نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں۔<sup>(۱)</sup>

فتاویٰ رضویہ میں ایک سوال کے جواب کے آخر میں لکھتے ہیں:-

”پس حسب ضابطہ مقررہ یہاں فضل و نسیئہ دونوں حلال ہونا چاہئے۔“<sup>(۲)</sup>

اور فتاویٰ سعدیہ میں مذکور ہے:-

”فتعین انہا سلع یثبت لہا مایثبت لسانر السلع من زیادة ونقصان وجواز بیع بعضها ببعض متماثلا او متفاضلا من جنس او اجناس الخ“

”تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نوٹ سامان ہے، دوسرے سامان کی طرح اس میں بھی کمی بیشی جائز ہوگی خواہ دونوں نوٹ ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں۔“

اور شیخ سلیمان الحمد ان اپنے ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں:-

”اذا علم هذا فلا مانع من بیع الورق علی اختلاف انواعه ومسمایاته من الریالات او الدنانیر او الجنیہات باحد النقدين باحد النقدين الذهب والفضة متفاضلاً او نساء

(۱) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام القرطاس والدرہم (ص ۶۳)۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، بریلوی (مولوی احمد رضا خان بریلوی) کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ کراچی (۲۳۵/۷ باب الصرف)۔

ولا دخل للربا في شئ من ذلك لان الورق ليس من الاموال الربوية ولان الربا مختص بالمكيلات والموزونات والورق ليس بمكيل ولا موزون۔“

”.....نوٹوں کے تبادلے میں ربا کا کوئی دخل نہیں، کیونکہ نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں، اور اس لئے بھی کہ ربا خاص ہے مکیلات اور موزونات کے ساتھ اور نوٹ نہ مکیل ہے، اور نہ موزون۔“ (۱)

اور جن حضرات کے نزدیک ”نوٹ“ سونے چاندی کا قائم مقام اور سونے چاندی کا بدلہ ہے، ان کے نزدیک نوٹوں کے احکام وہی ہوں گے، جو سونے چاندی کے ہیں، لہذا ان کے نزدیک نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف میں داخل ہے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس نظریے کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک نوٹ ثمن تو ہے، لیکن اس پر احکام سونے چاندی کے لاگو ہوں گے، نہ کہ فلوس کے، نوٹ کے بارے میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:-

”پس پیسے (فلوس) اگرچہ عرفاً ثمن ہیں، مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں، بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے، گو ثمنیت خلقیہ نہیں، بلکہ ثمنیت عرفیہ ہو، پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو، کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں، حقیقتہً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں بھی ثمنیت کی صفت آگئی ہو، پس جبکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا گیا جائے گا، اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔“ (۲)

(۱) جريدة البلاد السعودية العدد - ۲۹۱ (۲۲-۶-۱۳۷۱ھ)۔

(۲) مجموع الفتاویٰ لکھنوی (مولانا عبدالحی) راجی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک (۲/۷۱۳)۔

شیخ عبدالرزاق عسفینی فرماتے ہیں:-

”لما كان الامر كذلك كانت الاوراق النقدية بدلا عما حلت محله من عملات الذهب او الفضة التي سبقتها في التعامل---وعلى هذا تجب فيها الزكوة كاصلها ويقدر فيها النصاب بما قدر بها في اصلها وتجري فيها ربا الفضل والنسيئة<sup>(۱)</sup>“

اس عبارت کا حاصل یہی ہے کہ کرنسی نوٹ جب سونے چاندی کی کرنسی کے قائم مقام ہو گئے، تو اب اس پر اس کے سارے احکام جاری ہوں گے، اور کرنسی نوٹوں میں دیگر احکام کی طرح ربا الفضل اور ربا النسيئة دونوں قسمیں جاری ہوں گی۔ ان عبارات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف ہو سکتا ہے۔

اور جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ مستقل زر ہے، اور احکام میں فلوس کی طرح ہے، ان کے نزدیک کرنسی نوٹوں کا تبادلہ ”بیع صرف“ نہیں۔

حاصل یہ کہ مذکورہ چار موقفوں میں سے صرف تیسرے موقف کے مطابق کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف ہے، باقی تین موقفوں کے مطابق نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں، اور بیع صرف نہ ہونے کی وجہ الگ الگ ہے، یعنی:-

موقف اول کے مطابق نوٹ پر قبضہ سند پر قبضہ ہے، تو قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے بیع صرف کیا سرے سے یہ بیع ہی نہیں، بلکہ حوالہ ہے۔

دوسرے موقف کے مطابق نوٹ سامان کے حکم میں ہے، اس لئے صرف کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، چوتھے موقف کے مطابق نوٹ اگر چہ زر ہے، لیکن چونکہ بیع صرف کے لئے ثمن کا خلقتی ہونا ضروری ہے، اور یہ ثمن خلقتی نہیں، اس لئے ان کا تبادلہ بیع صرف نہیں، تیسرے موقف کے مطابق چونکہ کرنسی نوٹ سونے یا چاندی کے قائم مقام ہے،

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجعید (ص ۲۱۳)۔

اور بدل کا حکم وہی ہوتا ہے، جو مبادل کا ہوتا ہے، اس لئے اس کا مبادلہ بیع صرف ہے۔  
بہر حال چوتھے موقف کے مطابق بھی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ صرف نہیں۔ جسٹس  
مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

ثم ان هذه الاوراق النقدية وان كان لا يجوز فيها  
التفاضل، ولكن بيعها ليس بصرف، لان الاوراق النقدية  
ليست اثمانا خلقية وانما هي اثمان عرفية او اصطلاحية  
ولا يجري الصرف الا في الاثمان الخلقية من الذهب  
والفضة۔

”پھر یہ نوٹ اگرچہ ان میں تفاضل جائز نہیں، لیکن ان کی خرید و  
فروخت صرف نہیں، کیونکہ نوٹ خلقی اثمان نہیں، بلکہ یہ تو عرفی یا  
اصطلاحی اثمان ہیں، اور بیع صرف اثمان خلقیہ یعنی سونے چاندی  
میں جاری ہوتی ہے۔“<sup>(۱)</sup>

سید محمد باقر اپنی کتاب میں کرنسیوں کے تبادلے کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:-  
”وعملیات البيع والشراء هذه جائزة شرعا سواء كانت  
حاضرة او لاجل۔“

”اور ان کی خرید و فروخت کا عمل شرعاً جائز ہے، خواہ نقد ہو، یا ادھار  
ہو۔“<sup>(۲)</sup>

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کرنسی نوٹوں کی ادھار بیع کو جائز قرار  
دیا، لہذا یہ صرف نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۲)۔

(۲) البنك اللاربوي في الاسلام، السيد محمد باقر الصدر، بيروت، دارالتعارف، طبع  
شعبان ۱۴۰۰ھ (ص ۱۳۹)

شیخ عبداللہ بن سلمان جو دارالافتاء ریاض کے رکن ہیں، فرماتے ہیں:-

”هذه النظرية ترى ان الاوراق النقدية كالفلوس في  
طروا الثمنية عليها فما ثبت للفلوس من احكام الربا  
والزكاة والسلم تثبت للاوراق النقدية مثلها وقد قال بهذه  
النظرية مجموعة كبيرة من افاضل العلماء و يعتبر القائل  
بها في الجملة وسطا بين القائلين بالنظرية السندية  
والقائلين بالنظرية العرضية، ولا شك انه اقرب الاقوال  
الى الاصابة في نظرنا (النقد الورقي ص ۸۳)

”اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ نوٹ ٹمن طاری ہونے میں فلوس کی  
طرح ہیں، سو ربا، زکوٰۃ اور سلم کے جو احکام فلوس میں جاری ہوتے  
ہیں، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے، اس نظریے کا قائل  
فاضل علماء کی ایک بڑی جماعت ہے، اور اس نظریے کا قائل دو  
نظریوں یعنی یہ نظریہ کہ نوٹ سند ہے، اور یہ نظریہ کہ نوٹ عرض ہے،  
کے درمیان فیصل اور ثالث ہے، (یا اس نظریے کا قائل مذکورہ دو  
نظریوں کے قائلین کے درمیان میں ہے، یعنی یہ نظریہ اعتدال پر مبنی  
ہے۔) اور بلاشبہ یہ نظریہ ہماری نظر میں حق اور درستگی کے زیادہ  
قریب ہے۔“ (۱)

شیخ احمد خطیب اس سلسلے میں فرماتے ہیں:-

”فتبين بجميع ذلك ان النوت كالفلوس النحاسية في  
جميع احكامها ظاهراً وباطناً (اقناع النفوس بالحاق النوت  
بالفلوس ص ۴۸)

(۱) بحوالہ جدید فقہی مباحث للقاسمی۔



”ان تمام (دلائل) سے یہ بات واضح ہوئی کہ نوٹ ظاہر اور باطن تمام احکام میں تاج سے بنے ہوئے فلوس کی طرح ہے۔“<sup>(۱)</sup>

ترجیح

باب سوم میں ہم نے کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں چوتھے موقف کو ترجیح دی تھی، لہذا اسی بنا پر یہاں بھی راجح یہی ہے کہ کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں۔

فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ

فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ اسی باب کے شروع میں ”بیع صرف اور فلوس“ کے عنوان کے تحت بڑی تفصیل سے لیا گیا ہے، اس لئے یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ بیع

جاننا چاہئے کہ ایک ملک کی کرنسی جنس واحد ہے، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں اجناس مختلفہ ہیں، اور کرنسی کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ فلوس کے حکم میں ہے، اور فلوس میں اختلاف مشہور ہے، جو تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکا، امام محمد اور امام مالک فلوس میں تفاضل کو حرام قرار دیتے ہیں، بلکہ غیر معین ہونے کی صورت میں حضرات شیخین کا بھی یہی موقف ہے، لہذا کرنسی نوٹوں سے متعلق اس قول کے مطابق ملکی کرنسی کا تبادلہ میٹیش کے ساتھ جائز نہ ہوگا، اور تفاضل جائز نہ ہونے کی علت وہی ہے، جو ”فلوس“ میں گزر چکی، یعنی یہ کہ یہ امثال متساویہ ہیں، تو بیع کی صورت میں اگر ایک طرف زیادتی ہوگی، تو وہ زیادتی مشروط خالی من العوض ہوگی، اور یہی رہا ہے، جو حرام ہے، اس کی منسل عبارت عبارت گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکی ہیں۔

واضح رہے کہ جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سند دین ہے، ان کے نزدیک

(۱) حوالہ بالا۔

ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع درست نہیں، بلکہ بطور عقدِ حوالہ درست ہوگا، تفصیلات گزر چکی ہیں، اور جو حضرات کرنسی نوٹ کو سامان کا درجہ دیتے ہیں، ان کے نزدیک نہ صرف ملکی کرنسی کی بیع درست ہے، بلکہ تفاضل بھی جائز ہے، اور جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سونے چاندی کا قائم مقام اور اس کا بدیل ہے، ان کے نزدیک ملکی کرنسی کی بیع بشرطِ تماثل جائز ہے، اور یہ بیع صرف ہے۔

حاصل یہ کہ ملکی کرنسی کے تبادلے میں چار قول ہو گئے:-

۱- ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع درست نہیں، البتہ بطور حوالہ بشرطِ تماثل گنجائش ہے = علمائے ہند میں سے مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب، مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

۲- ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع تفاضلاً بھی درست ہے = علمائے رامپور اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اس کے قائل ہیں۔

۳- ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع صرف بشرطِ تماثل درست ہے = علامہ عبدالحی لکھنوی صاحب اور علامہ سعدی صاحب فتاویٰ سعدیہ اسی کی طرف مائل ہیں۔

۴- ملکی کرنسی کی بطور عام بیع بشرطِ تساوی بیع جائز ہے = بعد کے اکثر علمائے ہند اور علمائے عرب اسی کے قائل ہیں، اور زیادہ تر دارالافتاؤں میں اسی پر فتویٰ اور عمل جاری ہے۔

## کرنسی نوٹ کے بارے میں ایک قول جدید

مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب مرحوم کی تحقیق کے مطابق ایک روپیہ کا نوٹ بحکمِ فلوس ہے، اور بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں اور دھاتی سکوں کی رسید ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان سے تحقیق پر معلوم ہوا کہ ملکی درآمد

برآمد کے حساب سے کل پیداوار کے برابر دھاتی سکے اور ایک روپے کے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، پھر ان دھاتی سکوں اور ایک روپے کے نوٹوں کے مجموعے کی تعداد کے مطابق بطور دستاویز بڑے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، لہذا اسٹیٹ بینک کے اس بیان کے مطابق

$$\begin{aligned} \text{دھاتی سکے} &= \text{فلوس} \\ \text{ایک روپے کا نوٹ} &= \text{فلوس کے حکم میں ہے} \\ \text{بڑے نوٹ} &= \text{فلوس کی دستاویز} \end{aligned}$$

اس لئے دس روپے کا نوٹ مثلاً ایک ایک روپے کے دس نوٹوں یا اس کے برابر دھاتی سکوں کی دستاویز ہے، خود زراور مال نہیں۔

اسی نظریے کی بناء پر مشقی صاحب ملکی کرنسی کے تبادلے کے بارے میں تحریر

فرماتے ہیں:-

”ایک روپے کے نوٹ بحکم فلوس ہیں، اس لئے ان کا باہم مبادلہ جائز ہے، البتہ تقاضا اور نسا حرام ہے، اگر ہمیں نسا کی ضرورت پیش آئے، تو مبادلے کی بجائے استقراض کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ بڑے نوٹوں کے عوض ایک روپے کے نوٹ لینا اس معاملے کو استقراض میں داخل کیا جاسکتا ہے، بڑے نوٹوں کا باہم مبادلہ یہ درحقیقت مال کا مال کا مبادلہ نہیں، بلکہ رسید کا رسید سے ہے، اس لئے جائز ہے۔“<sup>(۱)</sup>

اس میں ملکی کرنسی سے متعلق درج ذیل چار صورتیں آئیں:-

۱- ایک روپے کے نوٹوں کے بطور بیع باہمی مبادلہ، یہ قائل اور تقاضا کے ساتھ

جائز ہے۔

(۱) احسن الفتاویٰ، لدھیانوی مفتی رشید احمد صاحب، کراچی، ایچ ایم سعید،

پاکستان چوک، طبع اول ۱۵۱۵ھ - ۱۹۲۰ء۔

۲- ان کی بیع نساءً اجازت نہیں، البتہ قرضاً درست ہے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ زید عمر و کو آج ایک ایک روپے کے سونوٹ بطور قرض دیدے، اور ماہ بعد عمر و پھر واپس کرے۔

۳- ۱۰۰ کا نوٹ مثلاً ایک ایک روپے کے ۱۰۰ نوٹ، اس کی بیع درست نہیں، لہذا اس میں قرض کا حیلہ کیا جائے گا، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

۴- ۱۰۰ روپے کا نوٹ = ۱۰۰ روپے کے نوٹ کے ساتھ تبادلہ بطور بیع درست ہے۔

### مناقشہ

حضرت مفتی صاحب مرحوم کا کرنسی نوٹوں سے متعلق مذکورہ موقف اس بات پر مبنی ہے کہ ملک میں ایک روپے کے جتنے نوٹ ہوتے ہیں اس کی بقدر بڑے نوٹ بطور دستاویز جاری ہوتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ تحقیق کرنے سے نیز مشاہدے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ملک میں بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں کے مقابلہ کئی گنا زیادہ گردش میں ہوتے ہیں، لہذا اس موقف کی اصل بنیاد ہی درست نہ رہی۔

نیز شروع باب سوم میں ہم نے چوتھے موقف کو راجح قرار دینے کے جو دلائل اور قرائن ذکر کئے ہیں، ان سے بھی اس موقف کا کمزور ہونا ثابت ہو رہا ہے، اور جب کرنسی نوٹ سے متعلق اصل نظریہ ہی باطل ہو گیا، تو اس پر جو تفریعات مبنی ہیں، وہ درست نہ ہوں گی۔

نیز بڑے نوٹ کو بڑے نوٹ کے بدلے میں فروخت کرنے جائز قرار دینا جیسا کہ اوپر ذکر کردہ چوتھی صورت میں ہے، یہ بالکل درست نہیں، کیونکہ یہ بیع الکالی باکالی ہے، وجہ بالکل ظاہر ہے، اس لئے کہ بڑا نوٹ جب مال نہیں، بلکہ مال کی رسید ہے، اور رسید پر قبضہ مال پر قبضہ نہیں، تو یہاں اس معاملے میں ایک جانب سے بھی قبضہ نہیں پایا گیا،

تو اس صورت کو بیع کی بنیاد پر کس طرح جائز کہیں گے؟ حالانکہ عامائے ہند نے جب کرنسی نوٹوں کو سند دین کہا، تو بیع کے طور پر ان کے مبادلے کو ناجائز کہا، البتہ حوالے کی تاویل کی، جیسا کہ اس کی تفصیل نزر چکی، اسی طرح یہاں بھی ہونا چاہئے تھا، بہر حال یہ موقف اور اس پر مبنی تفریعات قوی نہیں۔

## ملکی کرنسی کے بطور بیع تبادلے میں ”تقابض“ کا مسئلہ

یہ مسئلہ نہایت اہم ہے، جو مفتی صاحب مرحوم نے بیان فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ زشتہ صفحات میں ہم نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ذکر کی ہے کہ فلوئس یا کرنسی نوٹ کا تبادلہ بطور بیع، بیع صرف نہیں، بیع صرف نہ ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں تقابض شرط نہ ہو، کیونکہ تقابض صرف کی خصوصیات میں سے ہے، لیکن اس کے باوجود صحیح اور قوی کے مطابق اس میں تقابض شرط ہے، جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی ملکی کرنسیوں میں تبادلے میں پہلے تقابض کے عدم اشتراط کے قائل تھے، کہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، دونوں طرف سے تقابض ضروری نہیں، لیکن انہوں نے مفتی رشید احمد صاحب مرحوم کا مضمون پڑھ کر اپنے سابقہ موقف سے رجوع فرمایا، اور صرف ملکی کرنسی کے تبادلے میں ان کے ہاں بھی تقابض ضروری ہے، چنانچہ دونوں حضرات کی عبارات ذیل میں ملاحظہ ہوں :-

مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”بیع الفلوئس بالفلوئس بالتساوی: اس میں بالاتفاق تقابض فی المجلس شرط ہے، مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف تعیین البدلین بالاتفاق بیع بھی کافی ہے، یعنی تعیین و اتفاق میں کسی کا وجود شرط ہے۔“

قال الامام الكاساني رحمه الله تعالى تباعفلسا بيعه  
بفلس بعينه فاللسان لا يتعينان وان عينا الا ان القبض

فی المجلس شرط حتى يبطل بترك التقابض في المجلس  
لكونه افتراقا عن دين بدين ولوقبض احد البدلين في  
المجلس فافتراقا قبل قبض الاخر وذكر الكرخي انه  
لا يبطل العقد لان اشتراط القبض من الجانبين من  
خصائص الصرف وهذا ليس بصرف فيكتفى في القبض  
من احد الجانبين لان به يخرج به عن كونه افتراقا عن  
دين بدين، وذكر في بعض شروح مختصر الطحاوی  
رحمه الله تعالى : انه يبطل لا لكونه صرف بل لتمكن ربا  
النساء في فيه لوجود احد وصفی علة ربا الفضل وهو  
الجنس وهو الصحيح (بدائع ص ۲۳۷/۵)

وقال الامام الطحاوی رحمه الله تعالى : ولا بد من التعيين  
في بيع الفلوس بمثلها لا اتحاد الجنس كما مر في بيع الفلوس  
بالفلسين (حاشية الطحاوی علی الدر ۱۱۰/۳)

مذکورہ نصوص مذہب دیگر بے شمار تصریحات ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ  
کے مطابق بیع بالجنس میں ایک جانب کا عدم تعین ہی نساء ہے جو  
حرام ہے، حرمت تفاضل و جواز نساء کی کوئی نظیر نہیں ملتی، بلکہ یہ نصوص  
فقہ کے سراسر خلاف ہے۔“ (۱)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم نے ”احسن الفتاویٰ“  
جلد: ۷ ص: ۸۷ پر اس مسئلے پر جو بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ یہ  
ہے کہ اس صورت میں صحت عقد کے لئے احد البدلین پر قبضہ کافی

(۱) احسن الفتاویٰ (۸۷/۷)۔

نہیں، بلکہ جانہین سے تقابلی ضروری ہے۔

حضرت مدظلہم کے دلائل پر غور کرنے کے بعد اب احقر بھی حضرت کی بات کو راجح سمجھتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ”نیج الفلوس بالفلوس التساوی“ کی صورت میں فقہائے حنفیہ کی تصریحات میں اختلاف ہے، میں پہلے جو حکم لکھتا تھا، وہ تنویر الابصار، الدر المختار اور علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق لکھتا تھا، اور حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے ارشاد کا معنی ”بدائع الصنائع“ میں علامہ کاسانی کی عبارت ہے۔ (یہ عبارت اوپر ذکر ہوئی) اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جانہین سے قبضہ ضروری ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ نیج صرف ہے، بلکہ وجہ یہ ہے کہ جنس ایک ہونے کی بنا پر اس میں نسبیہ جائز نہیں، اگرچہ جن حضرات نے احد البدلیین پر قبضے کو کافی سمجھا ہے، انہوں نے غالباً ”اجل“ کی تعیین کے بغیر قبضے کے صرف مؤخر ہونے کو نسبیہ میں داخل نہیں کیا، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح القدر“ ج: ۵، ص: ۲۸۸ میں اسی بنا پر اس کو نسبیہ ماننے سے انکار کیا ہے، اور چونکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نقل کیا ہے، اور اگر یہ نقل درست ہے، تو اس قول کو بھی باطل تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بڑی وزنی ہے، اور وہ یہ کہ نسبیہ سے بچنے کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو عوضین پر مجلس ہی میں قبضہ ہو جائے، یا مازم عوض مؤخر کی تعیین کی جائے، چونکہ راجح قول کی بنا پر فلوس میں تعیین ممکن نہیں، اس لئے قبضہ ہی متعین ہے۔ یہ دلیل چونکہ نہایت قوی ہے، اس لئے احقر ”نیج الفلوس بالفلوس بالتساوی“ کے سلسلے میں اپنے سابقہ فتوے

سے رجوع کرتا ہے۔ الخ، (۱)

واضح رہے کہ مفتی رشید احمد صاحب مرحوم اور جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی ان عبارات کا تعلق فلوس میں تقابض سے ہے، لیکن چونکہ کرنسی نوٹ ان کے نزدیک فلوس ہی کے حکم میں ہے، اس لئے جو تفصیل فلوس میں ہوگی، وہی تفصیل کرنسی نوٹ کے تبادلے میں بھی ہوگی، لہذا ملکی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ جب بطور بیع ہو، تو یہ اگرچہ بیع صرف نہیں، لیکن جنس متحد ہونے کی وجہ اس میں تقابض شرط ہوگا۔

### ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ قرض

پچھلی بحث میں یہ بات ذکر ہوئی کہ اگر ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع ہو، تو اس میں راجح قول کے مطابق نہ تفاضل جائز ہے، اور نہ نساء، لیکن کبھی کبھی نساء کی ضرورت پڑتی ہے، لہذا اس کے لئے استقراض کا طریقہ اختیار کیا گیا، استقراض کی صورت میں نساء حرام نہیں، کیونکہ استقراض بغیر نساء کے ممکن ہی نہیں، البتہ تفاضل یہاں بھی حرام ہوگا، کیونکہ تفاضل یہاں ربا النسیئہ میں داخل ہے، جو حدیث مشہور ”کل قرض جسر منفعۃ فہو ربا“ کی رو سے ناجائز اور بالکل حرام ہے، اس حدیث کی تخریج اور تشریح باب دوم میں گزر چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک ملکی کرنسی نوٹوں کی بیع درست نہیں، ان کے نزدیک بھی ان نوٹوں میں استقراض کا طریقہ درست ہے، جیسا کہ گزر چکا۔ اور قرض یا استقراض کی شکل یہ ہوگی، کہ مثلاً زید کو آج اپنی کسی شخصی یا تجارتی ضرورت کے لئے ایک لاکھ روپے پاکستانی کی ضرورت ہے، تو وہ عمرو کے پاس جاتا ہے، اور اس سے بطور قرض یہ روپیہ حاصل کرتا ہے، اور ایک ماہ کی مدت مقرر ہوتی ہے، تو یہ معاملہ درست ہے، البتہ ایک ماہ بعد زید ایک لاکھ روپے ہی واپس کرے گا، اس میں ایک

(۱) البلاغ شماره جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ دارالعلوم کراچی ۱۴۔



روپیہ کا اضافہ بھی حرام ہے، اور سخت گناہ ہے، یہ تبادلہ ہے ایک لاکھ پاکستانی روپیہ کا ایک لاکھ پاکستانی روپیہ کے ساتھ جو نسا، کے ساتھ ہے، اس میں نسا، جائز ہے، کیونکہ یہ تبادلہ بطور بیع نہیں، بلکہ بطور قرض اور استقرض ہے۔

## ایک ملک کی کرنسی میں ہنڈی کا حکم

اس تفصیل سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ ایک ہی ملک کی کرنسی میں ہنڈی بطور بیع درست نہیں، کیونکہ بیع میں تقابض کا ہونا ضروری ہے، اور ہنڈی میں تقابض کا تصور نہیں، بلکہ اس میں ایک جانب سے قبضہ پایا جاتا ہے، البتہ بصورت قرض جائز ہے۔

مثلاً زید اور عمرو دونوں سعودی عرب میں ہیں، زید عمرو کو پانچ سو ریال دیتا ہے، اور اس سے کہتا ہے کہ یہ پانچ سو روپے میں آپ کو بطور قرض دیتا ہوں، لیکن اس کی ادائیگی پاکستان میں میرے والد صاحب کو کرنا، چنانچہ یہ پانچ سو ریال عمرو کے ذمہ زید کا قرضہ ہو گیا، اب عمرو ان کو اپنی ضرورت میں استعمال کر سکتا ہے، اور ان کی جگہ دوسرے پانچ سو ریال پاکستان میں زید کے والد کو ادا کر سکتا ہے، اور اگر عمرو کا اس پر کچھ خرچہ آتا ہے، تو معروف طریقے سے وہ زید سے لے سکتا ہے، یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ قانوناً اس کی ممانعت نہ ہو۔

## منی آرڈر کا حکم

جب کوئی شخص دوسری جگہ پیسہ بھیجتا ہے، تو ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ ڈاک خانے جاتا ہے، ڈاک خانے سے ایک روپیہ میں منی آرڈر فارم حاصل کرتا ہے، اس کی خانہ پری کرتا ہے، اور پھر مطلوبہ رقم کے ساتھ ڈاک خانے والوں کے حوالے کرتا ہے، ڈاک خانے والے یہ فارم اور رقم وصول کر کے مقدار رقم کے تناسب سے رقم بھیجنے والے سے پتہ نہیں وصول کرتا ہے، اور اس کو توثیق کے لئے ایک رسید کاٹ کر دیتے ہیں، پھر ڈاک خانے والے اپنے مخصوص طریقے سے یہ رقم مطلوبہ شخص تک پہنچاتے ہیں، اور پہنچانے کے بعد اس

کا ایک چٹ مُرسل کے پاس آجاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ رقم بخیریت منزل تک پہنچ گئی، اور اگر یہ رقم راستے میں تلف ہوگئی، تو اہل ڈاک خانہ اس کے ضامن ہوتے ہیں، جو رسید ڈاک خانے نے آپ کو رقم جمع کراتے وقت دی تھی، وہ رسید درحقیقت ضمانت نامہ ہے، یہ منی آرڈر کے طریقہ کار کا خلاصہ ہے۔

اب فقہی لحاظ سے جو رقم آپ نے ڈاک خانے والے کے ہاتھ میں دی ہے یہ قرض ہے یا امانت ہے؟ قرض کی صورت میں بعینہ یہی رقم پہنچانا ضروری نہیں، بلکہ اس کے برابر دوسری رقم پہنچانا بھی جائز ہے، اس صورت میں مرسل مقرض ہوگا، اور ڈاک خانہ مستقرض ہوگا، اور اگر یہ امانت ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مرسل مستاجر ہے اور ڈاک خانہ اجیر، اور اجیر کے ہاتھ میں رقم بحکم امانت ہوتی ہے، اور امانات میں نقد متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے، لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ رقم بعینہ مُرسل الیہ تک پہنچ جائے، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ یہ رقم بعینہ مرسل الیہ کو نہیں دی جاتی، اجارہ کی صورت میں دوسرا اشکال یہ ہے کہ اجیر امین ہوتا ہے، اور جو رقم اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ امانت ہے، لہذا اگر امین کی طرف سے کسی غفلت (Negligence) کے بغیر وہ رقم تلف ہو جائے یا ضائع ہو جائے، تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس کا ضمان اجیر پر نہیں ہوگا، حالانکہ یہاں ڈاک خانہ ضامن ہے، ان وجوہات کی بناء پر منی آرڈر کے معاملے کو ”اجارہ“ کہنا مشکل ہے، گو دوسرا اشکال زیادہ وزنی نہیں، کیونکہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اجیر ضامن ہوتا ہے، لیکن چونکہ پہلا اشکال زیادہ قوی ہے، اس لئے اس معاملے کو اجارہ نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ معاملہ قرض ہی ہے، لیکن قرض کی صورت میں بھی اس پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں:

۱- ڈاک خانے والے جو فیس لیتے ہیں، وہ بھی بظاہر جزو قرض ہے، اور مرسل الیہ کو دیتے وقت اس فیس کے بغیر رقم دی جاتی ہے، تو گویا کہ قرض دیا زیادہ تھا، اور وصول کم ہوا، تو قرض میں کمی بیشی لازم آئی، جو ناجائز اور حرام ہے۔

۲- یہ معاملہ ”سُفْتَجِه“ میں داخل ہے، کیونکہ اس میں ”سَقُوْطِ خَطْرِ طَرِيقِ“ ہے،

اور سفتجہ ”کل قرض جر منفعة فهو ربا“ کے بموجب جائز نہیں۔

چنانچہ امداد الفتاویٰ میں اس اشکال کو اس طرح بیان فرمایا ہے:-

الجواب:- قاعدہ کلیہ ہے الا قراض تقضی بامثالها، اور مخصوص ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربا ہے، اب سمجھنا چاہئے کہ منی آرڈر کا روپیہ جو ڈاک خانے میں جمع کیا جاتا ہے، آیا وہ امانت ہے، اور ابل ڈاک اجیر، یا قرض ہے، اور ابل ڈاک مستقرض، سو چونکہ یقیناً معلوم ہے کہ وہ روپیہ بعینہ نہیں بھیجا جاتا، اور نیز قانون ہے کہ آرڈر ڈاک خانے سے وہ روپیہ اتفاقاً ضائع ہو جائے، تو ابل ڈاک اس کا ضمان دیتے ہیں، ان دونوں امر سے معلوم ہوا کہ وہ امانت نہیں، بلکہ قرض ہے، جو دوسری جگہ ادا کیا جاتا ہے، پس فیس بھی جزو قرض ہوا، اور مقام وصول پر چونکہ وضع فیس ادا کیا جاتا ہے، اس لئے قرض میں کمی بیشی لازم آئی، یہ وجہ اس کے ممنوع ہونے کی ہے، بلکہ اگر یہ فیس نہ بھی ہو، تب بھی حسب قاعدہ کلیہ کل قرض جر نفعاً فهو ربا، بوجہ منفعت سقوط خط طریق کے داخل سفتجہ ہو کر، مکروہ ہے الخ۔<sup>(۱)</sup>

ان اشکالات کا حل یہ ہے کہ:-

۱- ڈاک خانے والے جو فیس لیتے ہیں، وہ جزو قرض نہیں، بلکہ حق الخدمت (Service Charges) کے طور پر ہے، یعنی رجسٹر میں لکھنے، رسید کاٹنے، اور فارم بھیجنے وغیرہ کی اجرت ہے۔

۲- اس اشکال کے دو جواب دیئے جاسکتے ہیں:-

الف:- یہ معاملہ سفتجہ نہیں، سفتجہ کی حقیقت ”سقوط خط طریق“ ہے، جس کی

(۱) امداد الفتاویٰ (۳-۱۲۳)۔

تفصیل آگے آرہی ہے، اور منی آرڈر سے مقصود سقوط خطر طریق نہیں، بلکہ اصل مقصود پیسہ پہنچانا ہوتا ہے، جسے ”ایصال“ کہتے ہیں، اور ایصال پر رقم لینا جائز ہے۔

احسن الفتاویٰ میں اس کو اس طرح سمجھایا ہے:-

بندہ کے خیال میں جب قرض سے اسقاط خطر طریق مقصود نہ ہو، بلکہ صرف دوسرے مقام تک ایصال مقصود ہو، تو یہ سفتجہ مکروہہ میں داخل نہیں، اگرچہ یہ سقوط خطر طریق کو مستلزم ہے، مگر مقصود اور لازم میں فرق ہے، چنانچہ مقامی قرض میں بھی حفظ مال کا نفع لازم ہے، مع ہذا اس کو کل قرض جر نفعاً فہو ربا میں داخل کر کے حرام نہیں قرار دیا جاتا، (الی قولہ) بندہ کے خیال مذکور کی تائید شرح وقایہ کے حاشیہ تکملة عمدة الرعایة“ کتاب الحوالہ میں مولانا فتح محمد صاحب تائب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق سے بھی ہوتی ہے، محشی موصوف نے اس مقام پر منی آرڈر اور ہنڈی کی دیگر اقسام کی تفصیل اور ان کے احکام بیان فرمائے ہیں، ونصہ:-

ويجب ان يعلم ان التی فی زماننا المسماة فی لساننا  
(بھندی منی آرڈر) لیس من هذا ولا له حکم حکم  
السفاتج، لان السفاتج كانت لسقوط خطر الطريق وذا  
للوصول، فان قلت: علة الكراهة هي النفع سواء كان  
لسقوط الخطر او للوصول، قلت: بلی ولكن الخطر مما  
لا يجوز الكفالة به ولا اجر عليه، لانه لیس فی وسع الانسان  
الا دفع اللصوص والحفظ انما بفضل الله تعالى واما  
الا یصال تحل الاجرة عليه ويمكن العهدة عليه فلا یلزم

من النهی عن نفع سقوط الخطر كراهة اجرة الايصال  
(۱)  
الخ۔

اس عربی عبارت کا حاصل وہی ہے، جو مفتی صاحب مرحوم نے بیان فرمایا، البتہ اس میں ایک اشکال کیا ہے، اور پھر اس کا جواب دیا ہے، اور اشکال اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ مقصود سقوط خطر طریق ہو، یا ایصال، دونوں صورتوں میں قرض دہندہ کو نفع حاصل ہو رہا ہے، جو مذکورہ حدیث کی بناء پر ممنوع ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ سقوط خطر طریق کفالت کے معنی میں ہے، اور اس کی کفالت جائز نہیں، کیونکہ یہ اختیاری چیز نہیں ہے، اور نہ کفالت پر ثمرنا اجرت لینا جائز ہے، بخلاف ایصال کے کہ اس کی کفالت بھی درست ہے، کیونکہ یہ اختیاری چیز ہے، اور اس پر اجرت بھی درست ہے، لہذا سقوط خطر طریق کی ممانعت سے ایصال کی ممانعت لازم نہیں آتی۔

ب:- اور اگر اس کو سفیجہ میں داخل بھی کیا جائے، تو عموم بلوی اور ضرور شدیدہ کی بناء پر یہاں بعض دوسرے اقوال کے مطابق فتویٰ دیا جاسکتا ہے، کیونکہ بعض حضرات سفیجہ کے جواز کے قائل ہیں، جیسے کہ اگلی بحث سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:-

حتیٰ کہ اگر یہ بھی نقل صحیح سے معلوم ہو جائے کہ سفیجہ کے جواز کی طرف ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام گئے ہیں، تب بھی بضرورت اس پر عمل کرنے کو جائز کہا جاوے گا الخ، (۲)

اور احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے:-

بافترض اس کا سفیجہ ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے، تو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سفیجہ جائز ہے، ابتداء عام و حوائج شدیدہ کے پیش نظر

(۱) احسن الفتاویٰ (۱-۲-۱۰۸۰)

(۲) امداد الفتاویٰ (۳-۵-۱۰۵)

عمل بمذہب غیر کی گنجائش ہے۔“ (۱)

خلاصہ یہ کہ منی آرڈر کا معاملہ جائز ہے، اور اس کے ذریعے پیسہ پہنچانا درست ہے، اور ڈاک خانے والوں کا اس پر فیس وصول کرنا صحیح ہے، اور یہی حکم بنک ڈرافٹ کا بھی ہے۔

## سَفْتَجَه کی حقیقت

منی آرڈر کی بحث میں چونکہ سَفْتَجَه کا ذکر آیا، نیز آگے بھی کئی مباحث میں اس کا دخل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ سَفْتَجَه کی پوری حقیقت اور اس کے شرعی حکم کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، لہذا ہم یہاں سَفْتَجَه سے متعلق چار مباحث ذکر کرتے ہیں:-

- ۱- سَفْتَجَه کے لغوی معنی۔
- ۲- سَفْتَجَه کے اصطلاحی معنی۔
- ۳- سَفْتَجَه کی فقہی حیثیت۔
- ۴- سَفْتَجَه کا شرعی حکم اور اقوال فقہاء۔

## سَفْتَجَه کے لغوی معنی

سَفْتَجَه فارسی لفظ ہے، سین پر ضمہ ہے، اور فاء ساکن، یہ سَفْتَه سے عربی بنایا گیا ہے، نیز سین کے زبر کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے، یعنی سَفْتَجَه، اس صورت میں یہ ”سَفْتَه“ سے ہوگا۔

سَفْتَه یا سَفْتَجَه کے معنی ”احکام“ کے ہیں، یعنی مضبوط کرنا، لہذا سَفْتَجَه کے لغوی معنی مضبوط کرنے ہو گئے۔ (۲)

(۱) احسن الفتاویٰ (۱۰۹/۷)

(۲) ردالمحتار (۱۸/۸ کتاب الحوالہ)

”واحدة السفاتج، فارسی معرب، اصله سفته وهو الشئ المحکم، سمی هذا القرص به لاحکام امره کما فی الفتح وغیره۔“

## سفتجہ کے اصطلاحی معنی

سفتجہ کے اصطلاحی معنی کا حاصل ہے کہ یہ ایک مالی معاملہ ہے، جس میں مثلاً زید عمر و کو کسی شہر میں قرضہ دیتا ہے، اور یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ عمر و یا اس کا نائب یہ قرضہ زید یا اس کے نائب کو فلاں شہر یا فلاں جگہ میں واپس کرے گا، اس کی جمع ”سفتج“ ہے۔<sup>(۱)</sup>

## سفتجہ کی شرعی حیثیت اور فقہی تکلیف

فقہائے کرام مسند ”سفتجہ“ کو دو جگہ بیان فرماتے ہیں، بعض حضرات فقہائے کرام اس کو باب القرض میں ذکر کرتے ہیں، اور بعض حضرات نے باب الحوالہ میں اس کو ذکر کیا ہے:

۱۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ قرض کا معاملہ ہے۔

۲۔ بعض نے اس کو حوالہ قرار دیا ہے۔

۳۔ بعض نے اس کو اجارہ قرار دیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ قرض ہی کا معاملہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور جمہور علماء

نے اس کو اختیار کیا ہے۔

(حوالہ سابقہ (۱) ص ۱۸)

”وصورتها ان يدفع الي تاجر مالا قرضا ليدفعه الي صديقه وانما يدفعه قرضا لا امانة ليستفيد به سقوط خطر الطريق، وقيل هي ان يقرض انسانا ليقضيه المستقرض في بدد يريده المقرض، ليستفيد به سقوط خطر الطريق كفايه“

\_\_\_\_\_ تهذيب الاسماء والنغات، لنووي (امام ابو زكريا محي الدين بن شرف

النووي المتوفى ۶۰۶ھ، دمشق، ادارة الطباعة المنيرية (۲۰۹ ص)

\_\_\_\_\_ تحرير التنبيه، النووي، بيروت، دار القلم، طبع اول ۱۴۰۱ھ (ص ۱۹۳)

”بفتح السين المهملة والتاء المثناة فوق بينهما فاء ساكنة والجيم، هي كتاب لصاحب المال التي وكيته في بند آخر ليدفع اليه بدله وفاندرته السلامة من خطر الطريق ومنونة الحمد“

## سفتجہ کا شرعی حکم

”سفتجہ“ کے شرعی حکم میں علمائے کرام اور فقہائے اُمت کا اختلاف ہے، ایک فریق اس کو مکروہ یا ناجائز کہتا ہے، اس فریق میں تابعین میں سے امام ابن سیرین، امام قتادہ، امام شعبی، امام ابراہیم نخعی، اور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور بعض تفصیلات کے ساتھ حضرت امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔<sup>(۱)</sup>

دوسرا فریق اس کو جائز کہتا ہے، اس فریق میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ابن عباس، ابن الزبیر، حضرت علی، حضرت حسن بن علی، تابعین میں سے عبدالرحمن بن اسود، ایوب، امام ثوری اور امام اسحاق اور ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل، اسی طرح دیگر علماء میں سے علامہ ابن قدامہ، ابو یعلیٰ، امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

## فریقِ اول کے دلائل کا خلاصہ

جو حضرات سفتجہ کو مکروہ یا ناجائز کہتے ہیں، ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

(۱) مصنف عبد الرزاق، الصنعانی (حافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ، جنوبی افریقہ، المجلس العلمی، طبع اول ۱۳۹۲ھ (۱۴۰/۸))  
\_\_\_\_\_ الفتاویٰ الہندیۃ (العالمگیریۃ) (۲۹۳/۳)

”وکرہ السفاتج وهو قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق وقد نہی رسول ﷺ  
عن قرض جر نفعاً“

\_\_\_\_\_ الہدایۃ مع الفتح (۳۵۵/۶)

”ویکرہ السفاتج وہی قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق الخ“

\_\_\_\_\_ الخرشی (۲۳۱/۵)

\_\_\_\_\_ الشرح الصغیر للدرریر (۲۹۵/۳)

\_\_\_\_\_ المہذب، الشیرازی (امام ابو اسحاق شیرازی) مصر، (۳۰۴/۱)

\_\_\_\_\_ مغنی المحتاج، الخطیب، (شیخ محمد الشربینی الخطیب) بیروت، دار احیاء

\_\_\_\_\_ التراث العربی (۱۱۹/۲)



۱- سفتجہ سے مقصود مستوط خطر طریق ہوتا ہے، یہ ایک منفعت ہے، جو قرض و ہند کو اپنے دینے قرض کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، جس کی احادیث مبارکہ میں نہ تنہا ممانعت آئی ہے، مشہور حدیث ہے:-

”کل قرض جر منفعة فهو ربا“

یہ حدیث اس مقالے میں متعدد مقامات پر نثر کی ہے، اور باب دوم میں اس کی تفصیل تشریح اور تخریج ذکر چکی ہے۔

۲- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر ایسے قرض کو ناپسند کرتے تھے، جس کی وجہ سے کوئی منفعت حاصل ہو، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:-

عن عطاء قال كانوا يكرهون كل قرض جر منفعة۔

”حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ہر اس قرض کو کبروہ سمجھتے

تھے، جو کوئی منفعت لے کر آئے۔“

۳- عقد قرض احسان اور تبرع پر مبنی ہوتا ہے، لہذا جب اس میں سفتجہ کی شرط لگائی جائے، تو عقد قرض اپنے اصل موضوع سے ہٹ جائے گا، جو درست نہیں۔

## سفتجہ کی ممانعت کی علت

اس سلسلے میں تین باتیں بیان کی جاتی ہیں:-

۱- جر منفعت، جو مشہور علت ہے۔

۲- تلفت (مشقت) قرض سے بچاؤ: بعض حضرات نے سفتجہ کی کراہت کا

مدار اس بات پر رکھا ہے کہ قرض کے طور پر دینے والی چیز اگر تلفت والی ہو، اور اس واپس شہر سے دوسرے شہر یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں مشقت ہو، اور یہ چیز سفتجہ کی

۱- مصنف ابن ابی شیبہ، العیسیٰ، حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی

۲۳۵ھ، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، طبع اول ۲۰۲ھ ۱۴۰۱ھ، ص ۱۸۰

شرط کے ساتھ کسی کو قرض کے طور دی جائے، تو یہ ناجائز ہے، ورنہ جائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

۳- حضرت امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کی علت ”تغیر ثمن“ ہے، یعنی عام طور جس شہر میں ادائیگی قرض کی شرط لگائی جاتی ہے، وہاں قیمت دوسری ہوتی ہے، جس سے قرض میں کمی بیشی لازم آجائے گی، جو ناجائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

### استثناءات (Exceptions)

جو حضرات سفاج کونا جائز یا مکروہ کہتے ہیں، ان کے ہاں اس حکم سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں:-

۱- قرض کا معاملہ پہلے ہو، اور سفتجہ بعد میں لکھا جائے، یہ جائز ہے، کیونکہ یہاں منفعت مشروط نہیں، بلکہ یہ محض احسان و تبرع ہے، اور مذکورہ حدیث کی تشریح میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہاں منفعت سے وہ منفعت مراد ہے جو مشروط یا معروف ہو، مشروط یا معروف نہ ہونے کی صورت میں یہ محض تبرع اور احسان سمجھا جائے گا، یہ حضرات ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سفتجہ کا جو جواز منقول ہے، اس کی یہی تاویل کرتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

(۱) الکافی، ابن قدامہ المقدسی، بیروت، المکتب الاسلامی، طبع سوم ۱۴۰۲ھ (۲/۱۲۵)  
وان شرط ان یوفیہ فی بلد آخر ویکتب فیہ سفتجة الی بلد فی حملہ الیہ نفع لم یجز  
لذک، فان لم یکن لحملة مؤنة فعنه الجواز۔

وقال ابن عبدالبر : ولا یجوز ان یقترض الرجل شیئاً له حمل ومؤنة فی بلد  
علی ان یعطیہ ذلک فی بلد آخر فاما السفاج بالذنانیر والدرہم فقد کرہ مالک العمل بہا  
ولم یحرمہا واجاز ذلک طائفة من اصحابہ الخ (احکام الاوراق النقدیة للجعید  
ص ۳۴۱ بحوالہ الکافی ۲/۲۸۸، ۲۹۰)

(۲) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للجعید (ص ۳۴۱)

(۳) الفتاوی العالمگیریہ (۳/۲۹۳)

فان لم تکن المنفعة مشروطة ولا کان فیہ عرف ظاہر فلا بأس بہ کذا فی الکافی، فی  
کتاب الحوالہ

بدائع الصنائع (۷/۳۹۵)

الکافی لابن قدامہ (۲/۱۲۵)

۲- جہاں کہیں خوف عام ہو جائے، تو وہاں سفتجہ کی گنجائش ہے۔<sup>(۱)</sup>

آج کل ہمارے یہاں یہی صورت حال ہے، اس لئے ضرورت کے مقام پر مالکیہ اور حنبلیہ مذہب کے مطابق عمل کی گنجائش ہے، جیسا کہ مثنیٰ آرڈر کی بحث میں تفصیل فرمائی۔

## فریق دوم کے دلائل

۱- بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر وغیرہ اس کو یا اس سے ملتی جلتی صورتوں کو جائز کہتے تھے۔<sup>(۲)</sup>

۲- بعض تابعین مثلاً: ابن سیرین وغیرہ اس کے یا اس سے ملتی جلتی صورتوں کے جواز کے قائل تھے۔<sup>(۳)</sup>

۳- سفتجہ کے جائز ہونے کی سب سے اہم دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں نفع جائزین سے ہے، یعنی صرف مقروض کے ساتھ نفع خاص نہیں، بلکہ جس طرح مقروض کو نفع حاصل ہوتا ہے، اسی طرح مستقرض کو بھی نفع حاصل ہوتا ہے، مثلاً مستقرض اپنے شہر میں جہاں اس کا مال رکھا ہوا ہے، ادا کیل کرتا ہے، تو اس کو بھی خطر طریق کے سقوط کا فائدہ حاصل ہوا، جب نفع جائزین سے ہے، تو اس کو شریعت منع نہیں کرے گی۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں :-

”والصحيح جوازہ لانه مصدحة لهما من غير ضرر بواحد

منهما والشرع لا يرد بتحريم المصالح التي لا مضرة فيها

(۱) الخرشى للعلامة الخرشى المالكي، بيروت، دارصادر، ۵، ۲۲۱.

(۲) ”الا ان يعم الخوف اى الا ان يغيب الخوف فى جميع طرق المحل الذى يذهب اليه المقرض الخ“

(۲) مصنف عبد الرزاق (۱، ۱۵۰).

(۳) المغنى لابن قدامه (بحواله احكام الاوراق النقدية والتجارية للجعيد، ص ۳۰۳).

بل بمشروعیتها ولان هذا ليس بمنصوص على تحريمه  
ولافى معنى المنصوص فوجب ابقاءه على الاباحة۔“  
”سفتجہ کا جواز ہی صحیح قول ہے، کیونکہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے،  
اور کسی جانب بھی کوئی نقصان نہیں، اور شریعت ان مصالح کو حرام  
نہیں کرتی، جن میں کوئی نقصان نہ ہو، بلکہ ان کو مشروع قرار دیتی  
ہے، اور اس لئے بھی کہ اس کی حرمت نہ منصوص ہے، اور نہ منصوص  
کے معنی میں ہے، لہذا اس کو اباحت پر باقی رکھنا واجب ہے۔“ (۱)

یہی بات علامہ ابن تیمیہ نے بھی کی ہے:-

”ولكن قد يكون في القرض منفعة للمقرض كما في مسألة  
السفجة ولهذا كرهها من كرهها، والصحيح انها لا تکره  
لان المقترض ينتفع بها ايضا ففيها منفعة لهما جميعا۔“  
”اور کبھی قرض میں مقرض کو منفعت حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ سفتجہ  
ہے، اس وجہ مکر وہ قرار دینے والوں نے اس کو مکر وہ قرار دیا ہے، اور  
صحیح یہی ہے کہ یہ مکر وہ نہیں، کیونکہ اس میں مستقرض کا بھی نفع ہے،  
اس میں منفعت دونوں کو حاصل ہے۔“ (۲)

اور علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:-

”وروى عنه (احمد) الجواز، نقله ابن المنذر لانه مصلحة  
لهما فلم ينفرد المقرض۔۔۔ والمنفعة التي تجر الى الربا  
في القرض هي التي تخص المقرض كسكنى دار المقترض  
وركوب دوابه واستعماله وقبول هديته فانه لا مصلحة له

(۱) المغنی لابن قدامہ (بحوالہ احکام الاوراق النقدية (۳۴۲)

(۲) مجموعة الفتاوى (۵۱۵/۲۰)

فی ذلك بخلاف هذه المسائل فان المنفعة مشتركة بينهما  
 وهما متعاونان عليهما فهي من جنس التعاون والمشاركة  
 ”اور امام احمد سے اس کا جواز منقول ہے، جس کو ابن المنذر نے  
 نقل کیا ہے، کیونکہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے، صرف مقرض  
 خاص نہیں،..... اور قرض میں جو منفعت رہا کا سبب بنتی ہے، وہ  
 منفعت ہے، جو صرف مقرض کے ساتھ خاص ہو، مثلاً مستقرض کے  
 گھر میں رہنا، اس کی سواری پر سوار ہونا، اس کو استعمال کرنا، اس کا  
 ہدیہ قبول کرنا، ان چیزوں میں مستقرض کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ  
 صرف مستقرض کو منفعت حاصل ہے، لیکن ان مسائل میں، تو ان  
 میں تو منفعت مشترک ہے، لہذا یہ تعاون اور مشارکت کے قبیل میں  
 سے ہے۔“

فتحا کے کرام کی ان تمام نصوص کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ”کل قرض  
 جبر منفعۃ فهو ربا“ میں منفعت سے مراد وہ منفعت ہے، جو صرف مقرض کے ساتھ خاص  
 ہو، لیکن اگر منفعت مشترک ہو، تو اس صورت میں وہ اس حدیث کے تحت داخل نہیں۔

### مناقشہ

لیکن یہ بات اس حدیث کے ظاہر کے بالکل خلاف ہے، اور اگر اس مطلب کو  
 صحیح قرار دیا جائے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک تاجر کسی سے قرض لے اور اس پر پتھر  
 اضافے کی شرط بھی ہو، تو یہ صورت جائز ہونی چاہئے، کیونکہ اس میں دونوں کی منفعت ہے،  
 مال والے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو اپنے مال پر پتھر اضافے مل جائے گا، اور تاجر کا فائدہ یہ ہے  
 کہ وہ اس کو تجارت میں لگا کر اس سے نفع حاصل کر لے گا، اور یہ بہت ہی خطرناک بات

۱۱ شرح الحافظ ابن القیم علی سنن ابی داؤد مع عون المعبود، بیروت، دارالکتب  
 العمیۃ۔

ہے، اس لئے کہ اس سے آج کل سارے پیداواری قرضوں پر سود لینا جائز ہو جائے گا، جیسا کہ بعض متجددین کا یہی خیال ہے، اس لئے یہ تشریح نہایت کمزور ہے، اور اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

نیز صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے اس سلسلے میں جو کچھ منقول ہے، اول تو یہ ضروری نہیں کہ اس سے مراد یہی سفیجہ ہو، اور اگر یہی سفیجہ بھی مراد ہو، تو ہو سکتا ہے کہ وہ غیر مشروط ہو، یا عموم خوف کی وجہ سے ہو، اس لئے اس سے مراد سفیجہ کے جواز پر استدلال کرنا زیادہ قوی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس سلسلے میں راجح یہی ہے کہ عام حالات میں سفیجہ مکروہ اور ناجائز ہے، البتہ اگر سفیجہ مشروط یا معروف نہ ہو، یا سخت ضرورت ہو، تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

## مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت بیع

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں یہ بات ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہیں، کیونکہ موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں سے ان کی ذات اور مادہ (Material) مقصود نہیں ہوتا، بلکہ کرنسی نوٹ آج کل قوت خرید کے ایک مخصوص معیار (Standard) سے عبارت ہے، اور ہر ملک نے اس سلسلے میں الگ الگ معیار مقرر کئے ہیں، مثلاً پاکستان میں روپیہ، سعودی عرب میں ریال، امریکا میں ڈالر وغیرہ کا معیار الگ الگ ہے، جو ملکوں کے مختلف ہونے سے بدلتا رہتا ہے، ہر ملک کی کرنسی کی حیثیت کا تعین اس ملک کی قیمتوں کا اشاریہ (Index) اور اس کی درآمدات و برآمدات وغیرہ پر ہوتا ہے، اور درمیان میں ایسی کوئی مادی شے موجود نہیں، جو ان معیارات کو جوڑ دے، اور ان میں کوئی پائیدار "تناسب" (Proportion) قائم رکھے، بلکہ ہر ملک کے اقتصادی حالات کے تغیر سے اس "تناسب" میں ہر روز بلکہ ہر گھڑی تغیر واقع ہوتا رہتا ہے، کرنسیوں کے اس اختلاف کی وجہ سے ہم ان کو ایک جنس نہیں

کہہ سکتے، بلکہ مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہی ہیں، جہاں تک ایک ملک کی کرنسی کا تعلق ہے، تو اس میں یہ بات نہیں، ایک ملک کی کرنسیاں مقدار کے اعتبار سے اگرچہ مختلف ہوتی ہیں، مثلاً دس روپے کا نوٹ اور سو روپے کا نوٹ، سو روپے کا نوٹ اور ایک ہزار روپے کا نوٹ، مقدار میں اور قیمت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن اس کے باوجود ان میں ایک ایسا پائیدار "تناسب" موجود ہے، جو کسی حال تبدیل نہیں ہوتا، حالات خواہ کچھ بھی ہوں، یہ تناسب برقرار رہتا ہے، مثلاً دس روپے پاکستانی سو روپے پاکستانی کا بہر حال دسواں ہے، (۱/۱۰) اور سو روپے پاکستانی پانچ سو روپے پاکستانی کا بہر حال پانچواں (۱/۵) ہے، اور پانچ سو روپے پاکستانی ایک ہزار روپے پاکستانی کا بہر حال آدھا (۱/۲) ہے، وغیرہ، اس لئے اس "وحدت نسبت" کی وجہ سے پاکستانی سکے اور کرنسی نوٹ جنس واحد ہیں، یہ "وحدت نسبت" پاکستانی روپے اور سعودی ریال یا سعودی ریال اور امریکی ڈالر میں نہیں پائی جاتی، یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پاکستانی روپے اور سعودی ریال میں بہر حال یہ فلاں نسبت ہے، اس لئے یہ دونوں مختلف جنس ہو گئے۔

جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہو گئیں، اور امثال قساویہ نہ رہیں، تو ان کی بیع بالاتفاق (ائمہ اربعہ) تقاضیل کے ساتھ درست ہوگی، اور جنس مختلف ہونے اور بیع نہ ہونے کی وجہ سے ان میں نساہ بھی جائز ہوگا، اور ادھار بیچنا بھی جائز ہوگا۔

### حضرات حنفیہ

حنفیہ کے ہاں ایک فلس کا دو فلسوں کے ساتھ تبادلہ اس لئے ناجائز تھا کہ وہ امثال قساویہ تھے، جس کی وجہ سے تبادلے کے وقت ایک سکہ خالی عن العوض رہ جاتا، جو ربا ہے، لیکن مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہونے کی وجہ سے امثال قساویہ نہیں، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ تبادلے کے وقت کرنسی کے کسی حصے کو خالی عن العوض نہیں کہا جاسکتا۔

## حضرات مالکیہ

ان کے نزدیک کرنسی اگرچہ اموال ربویہ میں سے ہے، لیکن جنس مختلف ہونے کی وجہ سے تقاضل جائز ہو جاتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

## حضرات شافعیہ اور حنابلہ

ان کے نزدیک ایک ایک ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ بھی تقاضل کے ساتھ جائز ہے، تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ تقاضل کے ساتھ ان کے نزدیک بطریق اولیٰ صحیح ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ:-

۱- مجلس عقد میں کم از کم ایک کرنسی پر قبضہ ہو جائے، تاکہ بیع الکالی باکالی لازم نہ آئے، جو احادیث مبارکہ کی رو سے ناجائز ہے۔

۲- نیز بوقت بیع فروخت کئے جانے والی کرنسی قبضے میں ہو، تاکہ بیع قبل القبض لازم نہ آئے، جو احادیث مبارکہ کی رو سے ناجائز ہے۔ لہذا بعض کرنسی مارکیٹوں میں کرنسیوں کی جو محض رسید کی بنیاد پر بیع و ربيع ہوتی ہے، اور فرق برابر کیا جاتا ہے، یہ معاملہ درست نہیں۔

## مختلف ممالک کی کرنسیوں میں ہنڈی کا حکم

مختلف ممالک کی کرنسیاں جب مختلف الاجناس قرار پائیں، اور ان میں نساء اور

(۱) احکام الاوراق النقدیة للعثمانی (ص ۲۲)

\_\_\_\_\_ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۳۸)

\_\_\_\_\_ احسن الفتاوی (فتویٰ بنوری ناون) (۹۸/۷)

\_\_\_\_\_ البنک اللاربوی فی الاسلام (ص ۱۳۸)

\_\_\_\_\_ جدید فقہی مباحث جلد چہارم



اس معاملہ کو نا درست ہوا، تو اب ہندوئی کے فی نفسہ جواز میں کوئی شبہ نہیں رہا، مثلاً زید کو عمر ہوا تو عودی عرب میں ایک ہزار ریال بیچتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ تم اس کے بدلے میں مجھے یا میرے عزیز کو پاکستان میں سولہ ہزار روپے دے دینا، یہ معاملہ فی نفسہ جائز ہے، البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ ریال پر اسی مجلس میں قبضہ ہو جائے، لیکن اگر قانوناً اس کی اجازت نہ ہو، جیسا کہ ظاہر یہی ہے، تو اس صورت میں قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

### چند شبہات اور ان کا ازالہ

۱۔ بعض لوگوں نے دو کرنسیوں کے باہمی تقاضا اُدھار تباد لے کو سود کے زمرے میں داخل کر کے ناجائز کہا ہے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً: آج ڈالر کا ریٹ ساٹھ روپے ہے، اور اس حساب سے زید نے عمر کو پچاس ڈالر اُدھار بیچے، تو گویا کہ زید نے عمر کو آج:-

$$۵۰ \times ۶۰ = ۳۰۰۰ \text{ روپے پاکستانی}$$

دئے، اور عمر ایک ماہ بعد ۶۲ روپے فی ڈالر کے حساب سے روپے ادا کر رہا ہے، تو عمر زید کو ایک ماہ بعد دیا کہ:-

$$۵۰ \times ۶۲ = ۳۱۰۰ \text{ روپے پاکستانی}$$

دے رہا ہے، جس میں ایک سو روپے کا اضافہ ہے، جو سود ہے، اور ناجائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

لیکن یہ اشکال قوی نہیں ہے، کیونکہ یہ اشکال اُدھار کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ نقدی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ روپے اور ڈالر جب مختلف الاجناس قرار پائیں، تو اب اس میں تقاضا جائز ہے، خواہ نقدی شکل میں ہو، یا اُدھار کی شکل میں ہو، اور اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔

۲۔ بعض علماء نے دو مختلف کرنسیوں کے باہمی تبادلے کو بیع صرف قرار دے کر

(۱) رسالہ بحث و نظر ص ۱۱۵، شمارہ اپریل، مئی، جون، ۱۹۹۰ء، اشکان از داکتر نجات

نا جائز قرار دیا، اور کہا کہ یہ بیع صرف ہے، لہذا اس میں تقابض ضروری ہوگا، اور ادھار معاملہ ان کا درست نہ ہوگا، چنانچہ کتاب ”المعايير الشرعية“ میں مذکور ہے:-

”تجوز المتاجرة في العملات شريطة مراعاة الاحكام والضوابط الشرعية الآتية:

۱- ان يتم التقابض قبل تفرق العاقدین سواء اكان القبض حقيقيا ام حكما

”کرنسیوں میں درج ذیل شرائط اور شرعی اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے تجارت درست ہے:-

۱- عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے تقابض کا مکمل ہونا ضروری ہے، خواہ قبض حقیقی ہو، یا حکمی ہو۔“ (۱)

اور ”تطور النقود“ میں ہے:-

واذا اختلف الجنس ان كان يبيع الذهب بالفضة او بالعملات الورقية المختلفة وجب الحلول والتقابض و جاز التفاضل

”اور جب دونوں جنس مختلف ہوں، مثلاً سونے کی بیع چاندی کے ساتھ ہو، یا مختلف کاغذی کرنسیوں کا معاملہ ہو، تو اس میں حلول (نقد ہونا)، اور تقابض ضروری ہے، البتہ تفاضل جائز ہے۔“ (۲)

اس کا جواب گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ بیع صرف کے لئے ضروری ہے کہ دونوں جانب ثمن خلقی ہو، اگر دونوں جانب ثمن عرفی ہو، یا ایک جانب خلقی ہو، اور ایک جانب عرفی ہو، تو اس کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا، اور اس میں تقابض

(۱) المعايير الشرعية ص ۱۵، ۱۴۲۱ھ، هيئة المحاسبة والمراجعة، بحرین۔

(۲) تطور النقود في ضوء الشريعة الاسلامية (ص ۱۴۵)۔

ضروری نہ ہوگا، اور اس کا ادھار معاملہ بھی درست ہوگا، اگر ایک طرف ثمن خلقتی ہو، اور دوسری طرف ثمن عرفی ہو، تو ایک جانب سے مجلس عقد میں قبضہ کافی ہے، تقابض ضروری نہیں۔ یہ بات کتب فقہ میں مصرح ہے، چنانچہ فتح القدر میں ہے:-

”وفی شرح الطحاوی لو اشتری مائة فلس بدرهم وقبض  
الفلس او الدرهم ثم افترقا جاز البیع لانهما افترقا عن  
عین بدین۔“

”اور شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلے سو  
فلس خریدیں، اور فلس یا درہم پر قبضہ کر لیا، اور پھر دونوں الگ  
الگ ہو گئے، تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ اس میں ذین کے بدلے میں  
عین کا سودا کر کے جدا ہو گئے۔“<sup>(۱)</sup>

اس میں فلس جو ثمن عرفی ہے، اور درہم جو ثمن خلقتی ہے، دونوں کے تبادلے کا  
معاملہ ہے، اور اس میں ایک جانب سے قبضہ نوکافی قرار دیا گیا ہے۔

علامہ شامی نے اس سلسلے میں تین روایتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے راجح اور صحیح  
قول یہی ہے کہ ایک اس صورت میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے، تقابض ضروری نہیں:

”فصار الحاصل ان ما فی الاصل یفید اشتراطہ من احد  
الجانبین وما فی الجامع اشتراطہ منہما۔“

”حاصل یہ ہوا کہ کتاب الاصل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک  
جانب سے قبضہ کافی ہے، اور الجامع سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں  
جانبوں سے قبضہ ضروری ہے۔“<sup>(۲)</sup>

اور بزاز یہ سے نقل کرتے ہیں:-

(۱) فتح القدر (۶-۱-۲)۔

(۲) رد المحتار (۱-۳۱۶)۔

”سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسئیه فاجاب بانہ

يجوز اذا قبض احد البدلين لما في البزازية:

”علامہ حانوتی سے فلوس کے بدلے سونے کو ادھار فروخت کرنے

کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز

ہے، بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو، کیونکہ بزاز یہ میں مذکور ہے کہ اگر

کوئی شخص سو فلوس ایک درہم کے بدلے خریدے، تو ایک جانب

سے قبضہ کافی ہے، فرمایا، اسی طرح اگر فلوس کے بدلے چاندی یا

سونے کو بیچا۔“

علامہ سرخسی کا ترجمان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ فرمایا:۔

وإذا اشترى الرجل فلوسا بدرهم ونقد الثمن ولم تكن

الفلوس عند البائع فالبيع جائز، لان الفلوس الرائجة ثمن

كالنقود، وقد بينا ان حكم العقد في الثمن

وجوبها ووجودها معا ولا يشترط قيامها في ملك بائعها

لصحة العقد كما لا يشترط ذلك في الدراهم والدنانير۔

”جب ایک آدمی درہم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن

(درہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز

ہے، کیونکہ فلوس رائجہ نقود کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے

ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا

بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحتِ عقد کے لئے ضروری نہیں،

جیسا کہ یہ درہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔“ (۱)

(۱) المبسوط للسرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، لبنان، دارالمعرفة، طبع

۱۴۱۴ھ (۲۰۰۲ء)

اور جب ایک جانب میں ٹمن خلتی ہونے کے باوجود تقابلی شرط نہیں، تو اگر کسی جانب بھی ٹمن خلتی نہ ہو، بلکہ دونوں طرف کرنسی ہو، مثلاً پاکستانی روپیہ اور ڈالر، تو یہاں بطریقہ تقابلی شرط نہ ہوگا۔

## کرنسی کو سرکاری ریٹ سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا

آج کل روزانہ کرنسیوں کی قیمت مقرر کی جاتی ہے، اور باقاعدہ پراسسٹ جاری ہوتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں حکومت کی مقرر کردہ قیمت کی مخالفت کرتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ کرنسیوں کا تبادلہ جائز ہے؟ مثلاً ڈالر کا سرکاری ریٹ ۶۰ روپے ہو، اور کوئی ڈالر ۵۸ یا ۶۲ میں فروخت کرے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ بذات خود اس کی گنجائش ہے، کیونکہ مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس قرار دے کر ان میں تقاضا جائز قرار دیا گیا ہے، اور تقاضا کی کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں، اس لئے فی نفسہ اس معاملے کو جائز کہا جائے گا، اور یہ معاملہ سودی نہیں ہوگا، لیکن درج ذیل وجوہات کی بنا پر اس سے احتراز لازم ہے:-

۱- یہ طریقہ ہمیں حیلہ برہانہ بنایا جائے۔

۲- "تسعیر" (حکومت کا نرخ مقرر کرنا) کی وجہ سے، جس طرح دیگر اشیاء میں بعض حالات میں تسعیر جائز ہے، اسی طرح کرنسی میں بھی تسعیر جائز ہوگی، اور تسعیر کے بعد لوگوں کے لئے اس کی مخالفت درست نہ ہوگی، اور اس کی دو وجوہات ہیں:-

الف:- مشہور قاعدہ ہے کہ جو کام معصیت اور گناہ نہ ہوں، ان میں حکومت کی

اطاعت واجب ہے۔

ب:- جو شخص جس ملک میں رہ رہا ہے، وہ تو ایسا عملاً اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک اس ملک کے قوانین کسی گناہ کرنے پر مجبور نہیں کریں گے، وہ ان قوانین کی ضرور پابندی کرے گا۔<sup>(۱)</sup>

(۱) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۴۰)۔

## مختلف ممالک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ قرض

جب ایک ہی ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ بصورتِ قرض جائز ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر گئی، تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ بصورتِ قرض بطریقِ اولیٰ درست ہوگا، مثلاً اگر زید آج عمرو سے ایک ماہ کے لئے سو ڈالر قرض لیتا ہے، اور ایک ماہ کے بعد زید عمرو کو ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دیتا ہے، تو یہ جائز ہے، اب ایک ماہ کے بعد زید جو عمرو کو ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دیتا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں:-

الف:- ایک صورت یہ ہے کہ شروع میں یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ زید عمرو کو ایک ماہ بعد ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دے گا۔

ب:- دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے سے اس طرح کوئی معاہدہ نہیں، مقررہ تاریخ آنے پر دونوں کی باہمی رضامندی سے اس طرح کیا جاتا ہے۔

دوسری صورت کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور پہلی صورت بھی درست ہے، البتہ شرط فاسد ہوگی، کیونکہ قرض ان معاملات میں سے ہے، جو شرط فاسد کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتے، بلکہ شرط فاسد خود بخود فاسد ہو جاتی ہے، پہلی صورت میں جب شرط فاسد ہوگئی اور کالعدم ہوگئی، تو زید مقررہ تاریخ پر عمرو کو ڈالر بھی دے سکتا ہے، اور عمرو زید کو مقررہ تاریخ پر اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ حسبِ معاہدہ پاکستانی روپیہ ہی ادا کرے گا۔

قرض کے اس معاملے میں یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہوگا، (یعنی جس دن زید عمرو کو سو ڈالر کے بدلے پاکستانی روپیہ ادا کرے گا، اس دن کے ریٹ کا اعتبار ہوگا)، اور زید کے لئے جائز نہ ہوگا، کہ وہ عمرو کو یوم الاداء کی قیمت سے کم یا زیادہ دے، مثلاً جس دن عمرو نے زید کو سو ڈالر دیئے اس دن ڈالر کی قیمت ۶۰ روپے ہے، لیکن جس دن زید قرض ادا کرتا ہے، اس دن ڈالر کی قیمت ۶۲ روپے ہے، تو زید عمرو کو ۶۲ کے حساب سے پاکستانی

روپ کی ادائیگی کرے گا، وجہ اس کی ہے کہ قرض کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ:-

القروض تقضى بامثالها

یعنی ”قرض کی مثل ادا کرنا ضروری ہے۔“

سس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اشاریہ (Indexation) کا مسئلہ بیان کرتے

ہوئے فرماتے ہیں:-

”لان القروض يجب في الشريعة الاسلامية ان تقضى

بامثالها“

”شریعت اسلامیہ کی رو سے ضروری ہے کہ قرض کی مثل ادا کی

جائے۔“<sup>(۱)</sup>

اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ماہ بعد عمر و کو ایک سو ڈالر دیدے، کیونکہ اصل  
مثلاً تو ڈالر ہی ہے، لیکن جب اس کو ڈالر نہیں دیتا، تو اس دن سو ڈالر کے برابر پاکستانی  
روپ واپس کرے، اگر ۶۰ روپے کے حساب سے زید ادائیگی کرتا ہے، تو اس نے سو ڈالر  
نہیں دیا، بلکہ کم ادا کر دیا، جو کہ جائز نہیں۔

البتہ ۶۲ روپے فی ڈالر سے زیادہ لینا دینا جائز نہیں، ورنہ قرضے پر اضافہ  
ہو جائے گا، اور ”مشثیت“ باقی نہیں رہے گی۔

خاصہ یہ کہ زید کے ذمہ ایک ماہ کے بعد سو ڈالر دینے ہیں، سو ڈالر سے کم یا زیادہ  
دینا جائز نہیں، ورنہ ”مشثیت“ باقی نہیں رہے گی، اگر ریٹ ۶۲ روپے ہے، اور زید ۶۰ کے  
حساب سے ادائیگی کرتا ہے، تو ۶۰ کے حساب سے جتنے پاکستانی روپے ہیں، ان میں سو ڈالر  
نہیں آسکتے، تو اس صورت میں کمی واقع ہوگی، اور اگر ریٹ ۶۲ روپے ہے، اور زید ۶۲ کے  
حساب سے ادائیگی کرتا ہے، تو اس حساب سے سو ڈالر سے زیادہ آئیں گے، دونوں صورتوں

(۱) احکام الاوراق النقدية ص ۳۱۔

میں ”مثلیت“ جو مطلوب ہے، باقی نہیں رہتی۔

اس سلسلے میں قرض اور بیع میں فرق ہے، بیع میں کمی بیشی فی نفسہ جائز ہے، وہ الگ بات ہے کہ دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ بھی ناجائز ہے، لیکن اس کو بہر حال سودی معاملہ نہیں کہا جائے گا، لیکن قرض میں یہ صورت جائز نہیں کیونکہ قرض میں کمی بیشی ناجائز ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر زید مثلاً عمر کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال قرض دیدے، اور عمر اس کے بدلے پاکستان میں ایک ہزار ریال کے برابر پاکستانی روپیہ زید یا اس کے کسی ایجنٹ یا کسی عزیز کو ادا کرے، تو فی نفسہ اس کی اجازت ہے، البتہ اگر قانون میں ممنوع ہو، تو قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

نیز اس پر سفتجہ والا اشکال ہوگا، اس کا جواب پیچھے گزر چکا ہے۔

فائدہ:- اوپر جو تفصیل گزری کہ یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہے، اس سے کمی بیشی ناجائز ہے، اس کمی بیشی سے مراد وہ کمی بیشی ہے جو قیمت مثل سے کے مقابلے میں ہو، اور قیمت مثل کی تین صورتیں ہیں:-

۱- بنک ریٹ کے مطابق۔

۲- اوپن مارکیٹ ریٹ کے مطابق۔

۳- ان دونوں کے درمیان والا ریٹ۔

مثلاً بنک ریٹ ۶۰ روپے ہے، مارکیٹ ریٹ ۶۲ روپے ہے، تو اس میں اختیار ہے کہ ۶۰ کے حساب سے ادا کریں، یا ۶۲ کے حساب سے ادا کریں، یا ۶۱ کے حساب سے ادا کریں، لیکن ۵۹ کے حساب سے یا ۶۳ کے حساب سے ادائیگی جائز نہیں۔

کرسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت معاہدہ / مواعدہ

جو مالیاتی ادارے اسلامی اور شرعی اصولوں کے مطابق کاروبار کرتے ہیں، وہ یہ



طر ایقہ درآمدات اور برآمدات میں بطور ”اسلامی متبادل“ (Islamic Alternative) استعمال کرتے ہیں، تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:-

درآمد برآمدکنندگان کے لئے ایل سی (LC) اور امپورٹ ایکسپورٹ کنٹریکٹ کے تحت فارن آپکینج کورن سہولت فراہم کی جاتی ہے، یہ سہولت فراہم کرنے کی بہت اہمیت ہے، کیونکہ موجودہ دور میں کرنسیوں کی قیمتوں کے وقتاً فوقتاً اتار چڑھاؤ کی وجہ سے درآمدکنندگان اور برآمدکنندگان کو نفع و نقصان کا تخمینہ لگانا اور اپنے آپ کو ممکنہ نقصان سے بچانا اور تجارت جاری رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، اس وجہ سے بینک فارن آپکینج کورن سہولت فراہم کرتے ہیں، تاکہ مستقبل میں ڈالر خریدنے اور بیچنے میں نقصان نہ ہو، یہ بات واضح رہے کہ درآمدکنندگان و درآمد کردہ اشیاء کی قیمت ڈالر یا زر مبادلہ میں درآمد شدہ سامان کے کاغذات کے وصول ہونے کے بعد برآمدکنندہ کو کرنے ہوتے ہیں، جس کے لئے ڈالر یا زر مبادلہ خریدنا ہوتا ہے، اس کے برخلاف برآمدکنندگان کو اپنے برآمد کردہ سامان کی قیمت وصول ہوتی ہے، جس کی فروخت کر کے وہ پاکستانی روپے حاصل کرتے ہیں۔

## فارورڈ کورنٹریکٹ

موجودہ سودی نظام میں درآمد برآمدکنندگان ایل سی (LC) کھولنے کے بعد غیر ملکی کرنسیوں کی خرید و فروخت کے لئے ”فارورڈ کورنٹریکٹ“ کسی بینک کے ساتھ مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ کر سکتا ہے:-

۱- اس کنٹریکٹ کی مدت کم از کم ایک ماہ ہو۔

۲- اگر ایک ماہ سے پہلے ادائیگی کرنی ہو، تو جس دن ادائیگی کرنی ہو، اس دن

کے اسپاٹ (Spot) یعنی نقد (انہ بینک) ریٹ کے حساب سے ادائیگی کی جائے گی،

فارورڈ کورنٹریکٹ مقررہ تاریخ پر وجہ طر ایقہ کار کے مطابق ختم کی جائے گا۔

فارورڈ کور کنٹریکٹ کا مروجہ طریقہ کار درج ذیل ہے:-

۱- درآمد کنندہ (امپورٹر) کو ایک ملین ڈالر آج سے ۹۰ دن بعد درآمد کنندہ (ایکسپورٹر) کو ادا کرنے ہیں، وہ چونکہ یہ نہیں جانتا کہ ۹۰ دن کے بعد ایک ڈالر کے کتنے روپے بنیں گے کہ جس کے حساب سے وہ اپنی بجٹ پلان کرے، اس وجہ سے وہ کمرشل بینک سے فارورڈ کور کنٹریکٹ کرنے کے لئے رابطہ کرتا ہے، جس کا طریقہ کار درج ذیل ہے:-

۲- فرض کریں کہ ڈالر کی اسپاٹ (Spot) یعنی نقد (انٹر بینک) قیمت ۶۰ روپے ہے۔

۳- کمرشل بینک مثلاً نیشنل بینک ایک ملین امریکی ڈالر آج ۶۰ روپے کے حساب سے مارکیٹ سے خرید لیتا ہے، موقع پر ہی ان کو حبیب بینک کو ۶۰ روپے کے حساب سے ہی فروخت کرتا ہے، اور ساتھ ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ ایک ماہ بعد ڈالر کی قیمت کچھ بھی ہو، نیشنل بینک حبیب بینک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے خریدے گا۔

۴- نیشنل بینک دس پیسے فی ڈالر اپنی فیس اس قیمت میں شامل کر کے درآمد کنندہ سے ۱۰،۶۱ روپے فی ڈالر کے حساب سے آج سے ۹۰ دن کے بعد ایک ملین امریکی ڈالر فروخت کرنے کا معاہدہ کر لیتا ہے۔

۵- اب دو صورتیں پیش آسکتی ہیں:-

الف:- درآمد کنندہ نیشنل بینک کو ۱۰،۶۱ ملین روپے ادا کرتا ہے، نیشنل بینک ۱۰،۶۱ روپے اپنی فیس رکھتا ہے، اور ۶۱ ملین روپے حبیب بینک کو ادا کر کے ایک ملین ڈالر حاصل کرتا ہے، جس کے ذریعہ وہ (نیشنل بینک) درآمد کنندہ کو ادائیگی کرتا ہے، اس صورت میں یہ عقد سابقہ ذکر کردہ شرائط کے ساتھ مکمل ہو گیا۔

ب:- ۹۰ دن سے پہلے درآمد کنندہ نیشنل بینک کو مطلع کرتا ہے کہ کنٹریکٹ کے کینسل ہونے کی بناء پر وہ ڈالر نہیں خرید سکے گا، لہذا اب وہ اس عقد کو ختم کرنا چاہتا ہے،

(اگر وہ ڈالر رکھنا بھی چاہے، تو اسے سٹیٹ بینک کے قوانین کے مطابق کنٹریکٹ کے بغیر ڈالر وصول کرنے کی اجازت نہیں) اسٹیٹ بینک کے قوانین کی رو سے درآمد کنندہ وہ ڈالر بینک ریٹ یعنی ۶۱،۱۰ روپے فی ڈالر کے حساب سے خرید کر فوراً نیشنل بینک کو یہی ڈالر بازاری قیمت یا معاہدے کے دن کی بازاری قیمت میں سے جو بھی کم ہو، اس قیمت پر واپس نیشنل بینک کو فروخت کرنے کا پابند ہوگا، مثلاً:-

زیر بحث مثال میں معاہدے کے دن کی قیمت فی ڈالر ۶۰ روپے تھی، اب فرض کیجئے کہ تیس دن بعد کنٹریکٹ کنسیسل ہو رہا ہے، اس دن اس کی قیمت ۶۱ تک بڑھ جاتی ہے، اس صورت میں نیشنل بینک امپورٹرز سے ۶۰ روپے کے حساب سے ڈالر واپس خریدے گا، اس میں امپورٹرز کو ایک ملین روپے گویا کہ جرمانے کے طور پر ادا کئے۔

یہ فارن ایکسچینج اور کاروائی اور سودی طریقہ ہے، جو شرعاً جائز نہیں۔ اس کا شرعی متبادل طریقہ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ:-

۱- امپورٹرز کو ایک ملین امریکی ڈالر آج سے ۹۰ دن کے بعد ادا کرنے ہیں، وہ اس کے لئے مثلاً میزبان بینک سے فارورڈ کو کنٹریکٹ کرنے کے لئے رابطہ کرتا ہے۔

۱- فرض کریں کہ ڈالر کی اسپاٹ قیمت ۶۰ روپے ہے۔

۲- میزبان بینک، حبیب بینک سے ایک معاہدہ کرتا دو طرفہ وعدہ ہے کہ تین ماہ بعد میزبان بینک حبیب بینک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے خریدے گا، (اس دو طرفہ وعدے کے تحت خرید و فروخت کا عقد تین ماہ مقررہ مدت پر ہی انجام پائے گا۔) معاہدے کے تحت میزبان بینک تین ماہ کے بعد حبیب بینک سے خریدنے کا عقد کرے گا، اور ۶۱ ملین روپے کے عوض ایک ملین ڈالر لے گا، حبیب بینک ایک ملین ڈالر آج کی تاریخ میں بازار سے خرید کر اپنے پاس محفوظ کرے گا، تا کہ وہ تین ماہ بعد میزبان بینک کو فروخت کر سکے۔

۳- میزبان بینک دس پیسے فی ڈالر اپنا نفع اس قیمت میں شامل کر کے درآمد کنندہ

سے ۱۶۱ روپے کے حساب سے آج سے ۹۰ دن کے بعد فروخت کرنے کا دو طرفہ وعدہ کر لیتا ہے۔ معاہدے کے تحت میزان بنک تین ماہ کے بعد امپورٹر سے فروخت کرنے کا عقد کرے گا، اور ۱۶۱ ملین روپے کے عوض ایک ملین ڈالر دیدے گا۔

اب یہاں پر وہی دو صورتیں پیش آسکتی ہیں جو طریقہ اول میں ”الف“ اور ”ب“ کے عنوان سے گزر گئیں۔

”الف“ تو واضح ہے، اور ”ب“ کی صورت میں میزان بنک وہ معاہدہ جو امپورٹر کے ساتھ کیا گیا تھا، مندرجہ ذیل طریقے سے ختم کیا جائے گا:-

۱- میزان بنک، مسلم کمرشل بنک کے ساتھ فارورڈ کور کنٹریکٹ کرے گا کہ میزان بنک کو وہ ڈالر جو اسے حبیب بنک سے ۹۰ دن پر خریدنے ہیں، اور جن کی اب امپورٹر کو ضرورت نہیں رہی، وہ ڈالر مسلم کمرشل بنک کو فروخت کرے گا، فرض کریں یہ کنٹریکٹ ۵۹ روپے فی ڈالر پر طے ہوتا ہے۔

۲- معاہدے کی خلاف ورزی کی وجہ سے میزان بنک امپورٹر سے اپنا نقصان پورا کرنے کی حد تک وصول کرے گا، اس مثال میں میزان بنک درآمد کنندہ سے ۲ روپے فی ڈالر (۶۱-۵۹=۲) چارج کرے گا۔

۳- ۹۰ دن بعد میزان بنک حبیب بنک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے حاصل کرے گا، اور ۵۹ روپے کے حساب سے مسلم کمرشل بنک کو فروخت کرے گا۔ پہلے طریقے میں جو مرؤجہ ہے، اس میں مستقبل کی طرف بیع کی نسبت ہوتی ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، نیز اس میں بیع عینہ کی خرابی بھی ہے، اس سے بچنے کے لئے دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، جس میں بیع عینہ کی خرابی بھی نہیں، اور مستقبل کی طرف بیع کی نسبت نہیں، بلکہ محض دو طرفہ وعدہ ہے۔

مستقبل کی بیع تو بالاتفاق ناجائز ہے، کیا مستقبل میں دو طرفہ وعدہ جائز ہے؟ اس

میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے:-

دو طرفہ وعدے کا ایفاء فریقین پر قضاء لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو

مختلف اقوال سامنے آئے ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

قول اول:- دو طرفہ وعدہ قضاء لازم نہیں ہوتا، مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے

اپنے پانچویں اجلاس میں اسی کو اختیار کیا ہے، اس قول کی بنیاد امام مالک کے ایک قول پر

ہے جس میں امام مالک نے ایسے عقود اور معاملات جن کو فی الحال سرانجام نہیں دیا جاسکتا،

ان پر دو طرفہ وعدہ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ مثلاً قبضے سے قبل کھانے کی بیع فی الحال

سرانجام نہیں دی جاسکتی، لہذا اس عقد پر دو طرفہ وعدہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ امام مالک

سے منسوب اس سلسلے میں دو قول اور بھی ہیں، جن میں سے ایک قول کے مطابق یہ مواعدہ

مکروہ اور دوسرے قول کے مطابق یہ مواعدہ جائز ہے۔ چنانچہ ایضاح المسالك کی عبارت

میں یہ بات مذکور ہے:-

”القاعدة الخامسة والستون: الاصل منع المواعدة بما لا

يصح وقوعه في الحال حماية-

ومن ثم منع مالك المواعدة في العدة وعلى بيع الطعام

قبل قبضه ووقت نداء الجمعة وعلى ماليس عندك-وفى

الصرف مشهورها المنع، وثالثها الكراهة وشهرة ايضا

لجوازها في الحال وشبهت بعقد فيه تأخير وفسرت به

المدونة“<sup>(۱)</sup>

(۱) ایضاح المسالك، الونشريسى (ابو العباس احمد بن يحيى) متحده عرب امارات،

رباط، التراث الاسلامى، طبع اول ۱۹۸۰ء، (ص ۲۷۸)

وفی القوانین الفقہیہ :

الفرع الخامس یکرہ الوعد فی الصرف علی المشهور  
وقیل یجوز وقیل یمنع۔<sup>(۱)</sup>

مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد کا متن بھی ذیل میں مذکور ہے :-

قرارات مجمع الفقہ الاسلامی :

ثالثاً: المواءمة وهی التي تصدر من الطرفين تجوز فی  
بیع المرابحة بشرط الخيار المتواعدین کلہما او  
احدهما فاذا لم یکن هناك خيار فانها لا تجوز، لان المواءمة  
الملزمة فی بیع الرابحة تشبه البیع بنفسه، حیث یشرط  
عندئذ ان یكون البائع مالکاً للمبیع حتی لا تكون هناك  
مخالفة نهی النبی ﷺ عن بیع الانسان ما لیس عنده۔<sup>(۲)</sup>

هیئة المراجعة والمحاسبة للمؤسسات المالية الاسلامیة بحرین کی

مجلس شرعی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے :-

لا یجوز ان تشتمل وثيقة الوعد او ما فی حکمها علی  
مواءمة ملزمة للطرفین (المؤسسة والعمیل) لانها تشبه  
حیث عقد البیع نفسه قبل التملك۔ (۲/۳) یجوز  
اصدار المواءمة من المؤسسة والعمیل الأمر بالشراء اذا  
كانت بشرط الخيار للمتواعدین کلہما او احدهما۔<sup>(۳)</sup>

(۱) القوانین الفقہیة، الجزی (ابو القاسم محمد بن محمد احمد الجزی المالکی متوفی

۵۷۴ھ، بیروت، دارالقلم، طبع اول ۱۹۷۷ء (ص ۱۶۶)

(۲) قرارات، قرار ۲/۱ جده، السعودیہ العربیہ۔

(۳) المتطلبات الشرعیة لصیغة المرابحة للأمر بالشراء، بحرین (۱۶)

اور "المعايير الشرعية" میں ہے:-

تحريم المواعدة في المتاجرة في العملات اذا كانت ملزمة  
لطرفين ولو كان ذلك لمعالجة مخاطر هبوط العملة، اما  
الوعد من طرف واحد فيجوز ولو كان ملزماً<sup>(۱)</sup>

اور اسی میں ایک اور جگہ ہے:-

تحريم المواعدة الملزمة في مبادلة العملات هو ما عليه  
جمهور الفقهاء- لان المواعدة الملزمة من طرفي المبادلة  
تشبه العقد الخ<sup>(۲)</sup>

### مذکورہ عبارات خلاصہ

ان حضرات کی مذکورہ بالا عبارات کا حاصل یہی ہے کہ دو طرفہ وعدہ اس عقد کے  
مشابہ ہے جو فی الحال ناجائز ہوتا ہے، مثلاً دو طرفہ وعدہ بیع جس میں بیع مستقبل میں واقع  
پذیر ہوگی، اس لئے ناجائز ہے کہ یہ اس بیع کے مشابہ ہے جس میں بیع ابھی بائع کی ملکیت  
میں نہ آئی ہو، جس کی وجہ سے بیع مستقبل کی طرف مضاف ہو، لہذا یہ بیع فی الحال ناجائز  
ہوگی، کیونکہ اس میں بیع مالیس عندک (یعنی ایسی چیز کی فروختگی جو بائع کی ملکیت میں نہ  
ہو) یا بیع قبل القبض لازم آتی ہے۔ جو ناجائز ہے۔ اور چونکہ مواعدہ بھی ایسے وقت میں  
کیا جا رہا ہے جب بائع کے پاس بیع موجود نہیں ہے لہذا یہ اس بیع کی مانند ہو گیا جو قبضے سے  
قبل کی جائے۔

### دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ دو طرفہ وعدے کو مواقع حاجت میں فریقین پر قضا، لازم کیا

(۱) المعايير الشرعية، بحرین، (ص ۱۸)

(۲) المعايير الشرعية (ص ۲۵)

جا سکتا ہے یہ قول احناف، شافعیہ وغیرہ کا ہے، ان حضرات کی عبارات درج ذیل ہیں:-

فتاویٰ خانہ علی ہامش الہندیہ:

وان ذکر البیع من غیر شرط ثم ذکر الشرط علی وجه  
المواعدة جاز البیع ویلزمه الوفاء بالوعد لان المواعدة  
قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس۔<sup>(۱)</sup>

وفی شرح المجلة للاتاسی:

وان ذکر البیع من غیر شرط ثم الشرط علی وجه  
المواعدة فالبیع جائز ویلزم الوفاء بالوعد لان المواعید  
قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس..... وقال  
بعد اسطر: وان ذکر البیع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی  
وجه المواعدة جاز البیع ولزم الوفاء وقد یلزم الوعد  
فیجعل هنا لازما لحاجة الناس الیہ۔<sup>(۲)</sup>

اور "تطور النقود" میں ہے:-

الصورة الخامسة: هي المواعدة علی الصرف وذلك بان  
یتفق العميل مع المصرف علی ان یشتری منه بعد شهر  
مثلا نقدا بالآخر كالدولار بالاسترلینی او بالریال، فاذا  
حل الاجل المضروب للصرف ابرما عقد الصرف بينهما  
وتقاضا بالسعر الحاضر۔ ویلجأ التجار عادة الی هذه الصورة

(۱) الفتاویٰ الخانیہ علی ہامش العالمگریہ (۱۶۵/۲)

(۲) شرح المجلة، الاتاسی (العلامہ محمد خالد الاتاسی) پاکستان، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ

(۳۱۵/۱)



لاستخدامها في عمليات الاستيراد والتصدير حتى  
 يضمنوا تجهيز العملة الاجنبية اللازمة للوفاء بالتزاماتهم  
 المستقبلية۔ وحكم هذه الصورة الصحة لوجود حقيقة  
 الصرف وشرطه والمواعدة السابقة جائزة لاشئ فيها عند  
 اكثر العلماء، وممن نص على هذا الشافعي رحمه الله حيث  
 قال واذا تواعد الرجلان الصرف فلا بأس ان يشتري  
 الرجلان الفضة ثم يقرانها عند احدهما حتى يتبايعاها  
 ويصنعا بها ماشاء، كما نص على ذلك ابن حزم فقال:  
 والتواعد في بيع الذهب بالذهب او بالفضة وفي بيع  
 الفضة بالفضة وفي سائر الاصناف الاربعة بعضها ببعض  
 جائز تباعا بعد ذلك اولم يتبايعا لانه لم يأت نهى عن  
 شئ من ذلك ..... ولا دليل لبعض المالكية على  
 كراهة هذه المواعدة اوفسادها۔<sup>(۱)</sup>

### مذکورہ عبارات کا خلاصہ

مذکورہ عبارات کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ ”مواعدہ“ (جانبین سے وعدہ) بعض  
 اوقات صحیح ہو جاتا ہے، اور قضاء لازم بھی کیا جاتا ہے، اور اسی موقف کو ”صاحب عطر الہدایہ“  
 نے بھی اختیار کیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

یہی جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا بھی ہے، چنانچہ وہ اپنے ایک مقالے میں

(۱) تطور النقود (ص ۱۴۶)

(۲) عطر الہدایہ، لکھنوی (بحر العلوم مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی، مکتبہ

نشر القرآن دیوبند، یوپی، ہندوستان۔ (ص ۲۴۳ تا ۲۴۵)

اس مسئلے پر بحث کے دوران فرماتے ہیں:-

وان عبارة قاضى خان رحمه الله بصفة خاصة صريحة فى ان المواعدة يمكن ان تجعل لازمة عند الحنفية لحاجة الناس، والمواعدة انما تكون من الطرفين فتبين انه لا بأس بجعلها لازمة عند الحنفية لحاجة الناس، ولا شك ان الحاجة فى الزام المواعدة ظاهرة الخ

”اور قاضی خان کی عبارت ایک خاص صفت کے ساتھ اس سلسلے میں صریح ہے کہ مواعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے حضرات حنفیہ کے نزدیک لازم قرار دیا جاسکتا ہے، اور مواعدہ طرفین سے ہوتا ہے، تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ کے نزدیک مواعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے لازم قرار دے دیا جائے، اور اس میں شک نہیں کہ مواعدہ کو لازم قرار دینے میں ضرورت بالکل واضح ہے۔“ (۱)

### مناقشہ اور ترجیح

ان دونوں قولوں میں سے ہمارے نزدیک دوسرا قول راجح ہے، کیونکہ مسئلہ منصوص تو ہے نہیں، بلکہ اجتہادی ہے، لہذا حالاتِ زمانہ کا تقاضا یہ ہے کہ مواعدہ کو قضاءً لازم قرار دے دیا جائے، لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ یہ مواعدہ کا لزوم صرف مواقعِ ضرورت میں ہے، اور مواقعِ ضرورت سے مراد یہ ہے کہ وعدے کی خلاف ورزی کی صورت میں کسی ایک فریق کا نقصان ہو رہا ہے۔

جو قول اولوں نے جو دلیل پیش کی ہے کہ اس صورت میں دوطرفہ وعدہ عقدِ مستقبل کے مشابہ ہو جائے گا، اور ایک ایسی چیز کا مواعدہ لازم آجائے گا، جو بوقتِ وعدہ

(۱) عقود التورید والمناقصة، مخطوطہ، جامعہ دارالعلوم کراچی (ص ۴)

باتھ میں نہیں ہے، یہ دلیل کوئی وزنی دلیل نہیں ہے، کیونکہ وعدہ اور عقد میں احکام اور نتائج کے اعتبار سے فرق ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو طرفہ وعدہ حقیقت میں کوئی قطعی عقد نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ تو صرف ایک وقت مقررہ پر عقد منعقد کرنے کا وعدہ ہوتا ہے، لہذا دونوں وعدہ کرنے والوں کو مقررہ تاریخ آنے پر باقاعدہ ایجاب و قبول کرنا ہوگا، عقد کے فوری منعقد ہونے یا صرف وعدہ عقد کرنے کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ جس شخص نے مثلاً خریداری کا عقد کیا، تو بیع فوری طور پر خریداری طرف منتقل ہو جاتی ہے، اور اگر بیع سلم ہے، تو بیع اس کے ذمہ دین بن جاتی ہے، لہذا ذمہ داری کا منتقل ہو جانا ایجاب و قبول کے فوراً بعد ہوگا، لہذا ایک اگر ایک شخص نے ایک مکان خرید اور اس نے ابھی نے اس کی قیمت بائع کو ادا نہیں کی، تو یہ شخص فوراً بائع کا مدیون بن گیا، چنانچہ اب اس پر مدیون کے سارے احکام لاگو ہوں گے، لہذا اب اس پر دین کی حد تک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، اور مشتری مفلس ہو گیا، تو وہ بقیہ دوسرے قرض خواہوں کے مساوی سمجھا جائے گا، اسی طرح اگر کسی نے بیع کے تحت کوئی گندم فروخت کی، تو وہ شخص خریدار کا اس مقدار کی حد تک گندم کا مدیون ہو گیا، لہذا اس پر بھی اس مقدار تک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، وغیرہ۔

لیکن دو طرفہ وعدہ کسی پر بھی دین نہیں بنتا، اور اس پر مذکورہ بالا نتائج مرتب نہیں ہوتے۔ جیسا کہ ظاہر ہے، بلکہ مذکورہ نتائج اس وقت مرتب ہوں گے، جب یہ دونوں وقت مقررہ پر باقاعدہ ایجاب و قبول کر کے بیع کو منعقد کریں گے، اس سے پہلے محض وعدے کی بنیاد پر کوئی حکم متوجہ نہیں ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

دو طرفہ وعدے کے قضاء لزوم پر کیا اثر مرتب ہوگا؟

دو طرفہ وعدے کے قضاء لازم ہونے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:-

۱- حاکم دونوں فریقین کو اس مقررہ تاریخ پر عقد کرنے اور نافذ کرنے پر مجبور

کرنے گا، اور کسی کو انکار جائز نہیں ہوگا۔

(۱) عقود التورید والمناقصة (ص ۵)۔

۲- اور اگر ان میں سے کسی ایک نے وعدہ پورا کرنے سے انکار کیا، جس کی وجہ سے دوسرا فریق حقیقتہً کسی مالی نقصان میں مبتلا ہو گیا، تو اس صورت میں حاکم یا قاضی اسے اس حقیقی نقصان کی تلافی پر مجبور کرے گا، اور اس سلسلے میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا گیا ہے:-

”لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام“

”اسلام میں نہ ضرر ہے، اور نہ کسی کو ضرر پہنچانا ہے۔“ (۱)

لہذا ثابت ہو گیا کہ کرنسیوں کا تبادلہ بصورت معاہدہ/مواعدہ راجح قول کے

مطابق درست ہے۔

## کرنسی کے کاروبار کی ایک نئی اور عالمگیر شکل

عالمی مارکیٹ میں کرنسی کا کاروبار کیا جاتا ہے، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ امریکا سے پوری دنیا میں مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کی قیمتوں کا اجراء ہوتا ہے، ایک آدمی لاہور پاکستان میں بیٹھ کر سیٹلائٹ کے ذریعے کمپیوٹر سکرین پر وہ قیمتیں وصول کرتا ہے، قیمتیں ملکی حالات کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہیں، یہ آدمی ان قیمتوں پر کرنسی کی خرید و فروخت کرتا ہے، لیکن یہ آدمی ضابطے کی رو سے براہ راست یہ کاروبار نہیں کر سکتا، بلکہ کسی کمپنی کے ذریعے یہ کاروبار کرتا ہے، کمپنی نے ایک اصول وضع کیا ہوتا ہے، وہ یہ کہ دو لاکھ ڈالر کی ایک لاکھ ہوتی ہے، جو آدمی خرید کر پھر اس کو فروخت کر سکتا ہے، لیکن اس آدمی کو صرف اس کا ۵ فیصد کمپنی کو اپنے نام پر جمع کروانا ہوتا ہے، جو کہ صرف ۱۰۰۰ ڈالر بنتا ہے، ایک ہزار ڈالر سے اپنا اکاؤنٹ کھلوا کر اب یہ آدمی اس قابل ہوتا ہے کہ دنیا کی مارکیٹ میں یہ آدمی ایک لاکھ خرید سکتا ہے، اس آدمی کی طرف سے بقیہ رقم بطور ضمانت کمپنی جمع کراتی ہے، تو اس طرح اس آدمی کا بظاہر ایک ہزار ڈالر کی سرمایہ کاری ہوئی، لیکن یہ آدمی کاروبار دو لاکھ ڈالر کا کر رہا ہوتا ہے، یعنی یہ آدمی دو لاکھ ڈالر کی کرنسی کی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔

(۱) الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ (۲/۲۸۲)

اب اس آدمی کو نفع یا نقصان کس طرح ہوتا ہے؟ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یہ آدمی کمپیوٹر سکرین پر دنیا کے مختلف بنکوں کی طرف سے دی گئی قیمتوں کا جائزہ لیتا ہے، اور کرنسی کے ماہرین اپنی رائے دیتے رہتے ہیں کہ آیا اس کرنسی کی قیمت آئندہ بڑھ جائے گی، یا کم ہو جائے گی، اس کے علاوہ اس آدمی کو کرنسی کے متعلق مختلف ملکوں کی خبریں بھی موصول ہوتی رہتی ہیں، اور پھر کمپیوٹر پر ہی مخالف گراف کے ذریعے اس کرنسی کی صورت حال کا جائزہ لیتا ہے، کہ آئندہ لمحات میں اس کرنسی کی کیا صورت حال ہوگی، تو ان تمام قرائن کے ذریعے یہ آدمی ایک رائے قائم کر کے اس کو خرید لیتا ہے، مثلاً سکرین پر اس کو پاؤنڈ سٹرلنگ کی قیمت ۱.۶۷۰۰ نظر آرہی ہے، یہ آدمی کمپنی کے ذریعے بذریعہ ٹیلی فون اس بنک سے اس قیمت کی تصدیق کرواتا ہے کہ آیا آپ کی قیمت فروخت یہی ہے، وہ اس کی تصدیق کر لیتا ہے، تصدیق کے بعد یہ شخص پہلے ان سے زبانی معاہدہ کرتا ہے کہ ایک لاٹ میں نے خرید لی، اور یہ میری ہوگئی، اب اس کو ہر صورت اس کا نفع یا نقصان اٹھانا ہوگا، اس خریداری پر حسی قبضہ (Physical Possion) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کرنسی اس سے ہزاروں میل دور ہے، لیکن حکمی قبضہ (Constructive Possion) ہو گیا، یعنی وہ کرنسی اس کے ضمان میں آگئی، اب جب اس کرنسی کی قیمت بڑھ گئی تو اس طریقے پر بذریعہ ٹیلی فون اس نے اس کو فروخت کر دیا، مثلاً اگر ۱.۶۷۰۰ پر خریدا اور ۱.۶۷۱۰ پر اس کو فروخت کر دیا، اور قیمت فروخت کا بھی تحریری معاہدہ ہو گیا، جو دس اعشاریہ اس کو نفع میں ہے، اس کی قیمت ۱۲۵ ڈالر ہوئی، وہ اس طرح کہ انہوں نے ایک پوائنٹ کی قیمت ۱۲۵.۵۰ ڈالر طے کی ہوئی ہے، اس طرح:-

$$۱۰ \text{ پوائنٹ کی قیمت } ۱۲۵.۵۰ \times ۱۰ = ۱۲۵۰$$

یہ اس شخص کا نفع ہے، اگر کرنسی کی قیمت کم ہو جائے، تو اسی شرح سے اس کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔

بیچ میں جو کمپنی ہے، وہ کاروبار کروانے کے لئے درج ذیل سہولتیں مہیا کرتی ہے:-

۱- ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ۔

۲- مارکیٹ جہاں بیٹھ کر کاروبار کیا جاتا ہے۔

۳- انٹرنیٹ سسٹم۔

۴- دو لاکھ ڈالر کا زر ضمانت، وغیرہ۔

ان تمام سہولتوں کے ساتھ یہ شخص ایک ”ٹریڈ“ مکمل کر لیتا ہے، یعنی ایک دفعہ

کرنسی خرید کر پھر فروخت کرنے کو ایک ٹریڈ کہتے ہیں۔

اس ایک ٹریڈ پر کمپنی ۶۰ ڈالر کمیشن وصول کرتی ہے، اس ٹریڈ میں نفع ہو یا

نقصان، کمپنی کا ۶۰ ڈالر کمیشن طے ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ اگر وہ ایک کرنسی کو اسی دن

خرید کر فروخت کر دے، اگر آج اس نے کرنسی خریدی ہے، اور اس کی قیمت مناسب نہیں مل

رہی ہے، پھر اس کو ایک دن یا چند دن بعد فروخت کرنا چاہتا ہے، تو کمپنی اس سے ۶۰ ڈالر

کے علاوہ ہر دن کے حساب سے ۲۰ ڈالر مزید وصول کرے گی، اس لئے کہ کمپنی کا دو لاکھ

ڈالر کاروبار میں بطور زر ضمانت جمع ہو رہا ہے، اس پر کمپنی ۲۰ ڈالر یومیہ وصول کرتی ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں کھربوں ڈالر کا یہ کاروبار روزانہ ہوتا ہے، ایک اندازہ

کے مطابق دنیا میں سب سے بڑا کاروبار یہ ہو رہا ہے۔

اس شکل میں یہ کاروبار شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں، جس کی وجوہات درج

ذیل ہیں:-

۱- جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس طرح کاروبار میں جب کوئی لاٹ خریدی جاتی

ہے، تو وہ خریدار کو متعین اور الگ کر کے حوالے نہیں کی جاتی، بلکہ اس کے اکاؤنٹ میں تحریر

کردی جاتی ہے، پھر جب وہ خریدار اسے آگے کسی شخص کو فروخت کرتا ہے، تو اس وقت اگر

اسے نفع ہو، تو صرف نفع واپس کر دیا جاتا ہے، اور اگر نقصان ہو، تو اس سے وہ نقصان طلب

کر لیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ پوری خرید کردہ لاٹ تحویل میں نہیں دی جاتی، بلکہ کاغذی طور

اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کردی جاتی ہے، اور آخر میں نفع اور نقصان کا فرق برابر کر لیا جاتا

ہے، جو شے کی ایک قسم ہے۔

۲- یہ واضح رہے کہ کرنسی کے حکمی قبضے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ کرنسی کی قیمت بڑھنے یا گھٹنے کا نقصان متعلقہ شخص کے ذمے ہو جائے، بلکہ قبضے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خریدی ہوئی کرنسی غیر خریدی شدہ کرنسی سے بالکل ممتاز کر کے کر لی جائے، اور خریدار یا تو خود قبضہ کرے، یا اس کا کوئی وکیل اس کی طرف اسے اپنی تحویل میں اس طرح لے لے کہ وہ متعینہ کرنسی جل جائے یا چوری ہو جائے، تو نقصان اس خریدار کے ذمہ سمجھا جائے، ظاہر ہے کہ یہ صورت مذکورہ کاروبار میں نہیں کہ کرنسی والگ کر لیا گیا ہو، اور خریدار یا اس کے کسی نمائندے کی تحویل میں دیا گیا ہو۔

واضح رہے کہ کہ شرعی اعتبار سے کرنسی اور دوسری اجناس کی تعیین میں یہ فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہو سکتی ہیں، لیکن کرنسی اس وقت تک متعین نہیں ہوتی، جب تک کہ اس پر کوئی کوئی شخص خود یا اپنے نمائندے کے ذریعے قبضہ نہ کرے۔

۳- اوپر ذکر کردہ طریقے میں خریدار صرف ایک ہزار ڈالر کی ادائیگی کرتا ہے، باقی کی ادائیگی نہیں کرتا، اگرچہ باقی رقم کمپنی بطور زر ضمانت جمع کراتی ہے، مگر یہ رقم درحقیقت خریدار کے ذمہ دین ہوتی ہے، دوسری طرف کرنسی بیچنے والا خریدار کو اس شرعی طریقے پر قبضہ نہیں دیتا جس کا ذکر اوپر ۲ میں کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ رقم دونوں طرف دین ہوتی ہے، لہذا "بیع الکالی بالکالی" میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

۴- درمیانی کمپنی جو میٹن وصول کرتی ہے، وہ یا تو ضمانت کی فیس ہے، یا تو اس رقم کا معاوضہ ہے جو وہ خریدار کی طرف سے فروخت کرنے والے کو ادا کرتی ہے، پہلی صورت میں یہ "أجرت علی المال" ہے، اور دوسری صورت میں یہ قرض پر سود ہے، اور دونوں طریقے ناجائز ہیں۔





## باب ششم

## قدر زر (Value)

## قدر زر

پرانے زمانے میں کرنسی یا زر کا تعلق سونے چاندی کے ایک مخصوص معیار کے ساتھ ہوتا تھا، جب سونے چاندی کا یہ معیار بڑھتا، تو کرنسی یا زر کی قیمت بھی بڑھتی، اور جب سونے چاندی کا یہ معیار گھٹتا، تو کرنسی یا زر کی قیمت بھی گھٹتی، لیکن اب جبکہ کرنسی یا زر سونے چاندی سے بالکل لا تعلق ہو گیا، اور سونے چاندی کے ساتھ زر کا کوئی تعلق نہیں رہا، تو اب کرنسی یا زر کی قیمت (قدر) کے بڑھنے اور گھٹنے کا تعلق سونے چاندی کے ساتھ نہیں رہا، بلکہ اس کا معیار دوسرا مقرر ہوا، یعنی ”اشیاء“ (Goods Commodities) کی قیمتیں، لہذا اب قدر زر ”قوت خرید“ (Purchasing Power) سے عبارت ہے، یعنی وہ قوت جس کی بدولت زر اپنے عوض دوسری اشیاء و خدمات (Services) حاصل کر سکتا ہے۔

زر بذات خود زیادہ اہمیت کا مالک نہیں ہوتا، اس کی طلب محض اس لئے کی جاتی ہے کہ اس کی مدد سے دوسری اشیاء اور خدمات حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے، اگر زر ایک مخصوص مقدار کے عوض زیادہ اشیاء اور خدمات حاصل کرے، تو زر کی قدر زیادہ ہوگی، اور اگر اسی مخصوص مقدار کے عوض کم اشیاء اور خدمات حاصل کرے، تو زر کی قدر کم ہوگی۔ مثلاً اگر:-

۳۰ روپے = تین کلو آٹا (۲۰۰۱ء)



۳۰ روپے = دو کلو آٹا (۲۰۰۲)۔

پہلی مثال میں زر کی قدر دوسری مثال کے مقابل زیادہ ہے، اور دوسری مثال میں زر کی قدر پہلی کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زر کی قدر اور اشیا، خدمات کی قیمتوں میں متناسب رشتے ہیں، جب قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے، تو زر کی قدر کم جاتی ہے، اور جب قیمتوں میں کمی ہوتی ہے، تو زر کی قدر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

قیمت میں  $\uparrow$  قدر زر  $\downarrow$   $\leftrightarrow$  قیمت میں  $\downarrow$  قدر زر  $\uparrow$

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب سے زر سونے اور چاندی کے اثرات سے آزاد ہو گیا ہے، تو اس کی قدر اشیا، اور خدمات سے وابستہ ہوتی ہے، اس لئے ہم خلاصہ کہہ سکتے ہیں کہ زر کی قدر زر کی قوت خرید سے عبارت ہے، جسے عربی میں "القوة الشرائية" اور انگریزی میں "Purchasing Power" کہا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## قدر زر کے تغیرات

قدر زر میں مختلف قسم کے تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں، اور اس میں یہ تغیرات واقع ہونا کوئی نئی بات نہیں، اور نہ یہ اس زمانے کے خاص ہیں، بلکہ ٹر شہتہ زمانوں میں بھی یہ

(۱) تورف زرو بہاری (ص ۴۰)

\_\_\_\_\_ کتاب معاشیات (۲-۴)

\_\_\_\_\_ احکام الاوراق النقدية، ص ۴۰

\_\_\_\_\_ ہانڈلنگ فونڈ اور زر کی جامعہ (ص ۵۵)

\_\_\_\_\_ مقدمة في النقود والبنوك

قبسمة النقود بانها عبارة عن سلعان النقود في المبادلة بسلع السلع والخدمات التي القوة الشرائية للنقود ص ۲۱

Introduction to Economic Principles P. 332

The Theory of Money and Credit P. 117

تغییرات وقوع پذیر ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آثار اور کلام فقہائے کرام میں اس پر مفصل مباحث کتب فقہ میں موجود ہیں۔

ہم اپنے اس مقالے میں ان تغیرات کا قدر تفصیل کے ساتھ جائزہ لے رہے ہیں، کیونکہ بہت سارے احکام کا ان مباحث سے تعلق ہے، اور اس زمانے میں قدر زر کے تغیرات کو خاص طور پر اہمیت دی جا رہی ہے۔

زر کو چار قسم کے تغیرات لاحق ہوتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

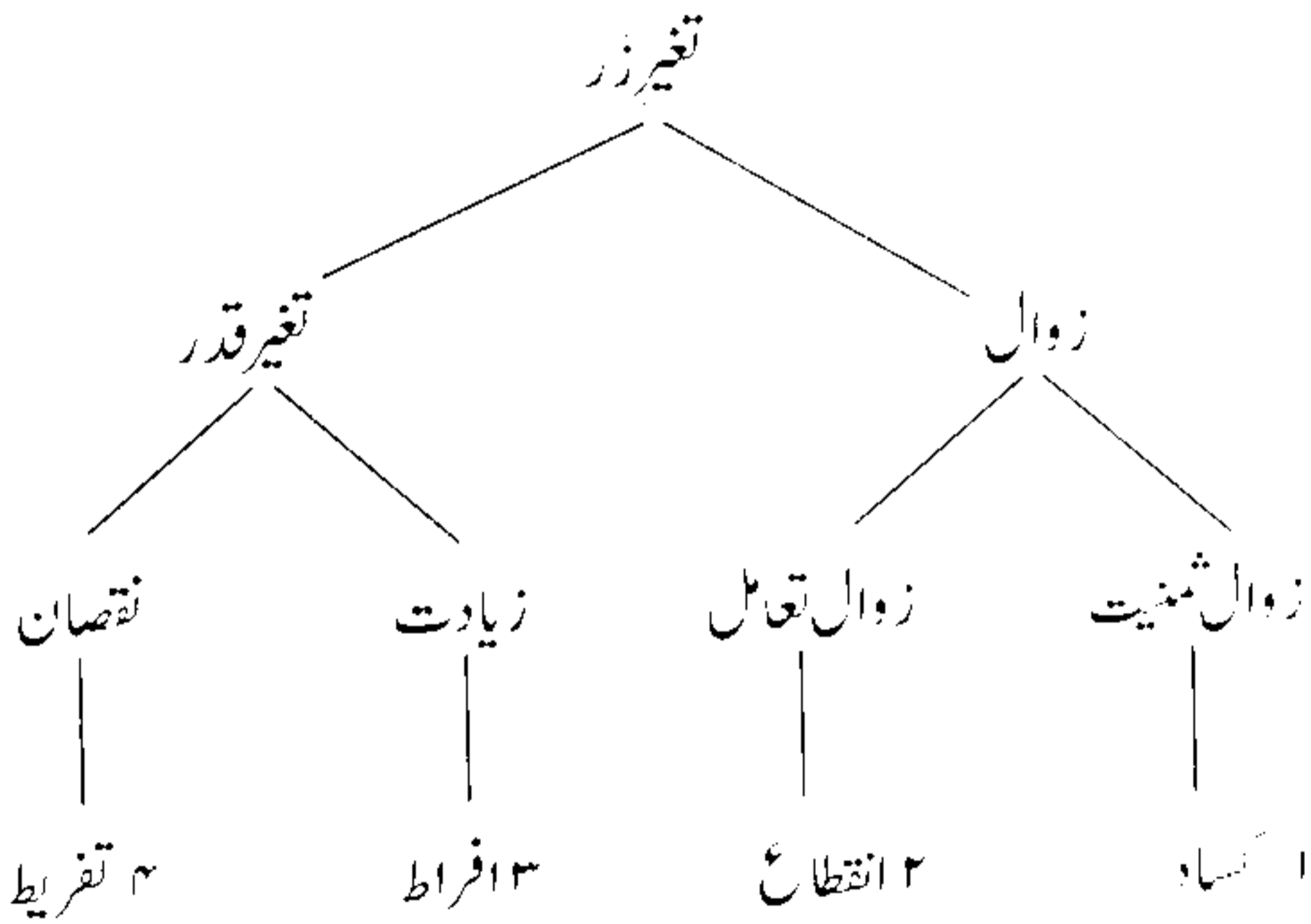
۱- انقطاع زر

۲- کساد زر

۳- افراط زر

۴- تفریط زر

ذیل میں نقشہ ملاحظہ ہو:-



اس کا مطلب یہ ہے کہ زر کو بعض اوقات ایسا تغیر لاحق ہو جاتا ہے کہ اگر وہ ثمن اصطلاحی ہو، تو اس کی ثمنیت بالکل ختم ہو جاتی ہے، اور اگر وہ ثمن خلقی ہو، تو اس کی ثمنیت تو

نقذ نہیں ہوتی، اباتہ اس کا قائل نقذ ہو جاتا ہے، یہ فقہی انتقاض اور انتقاض سے واقع ہوتا ہے، اور نقض اوقات زر و ایہا فقہی حق ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے یا تو زرین قدر میں اضافہ ہو جاتا ہے، یا زرین قدر میں کمی ہو جاتی ہے، یہ فقہی انتقاض اور انتقاض سے واقع ہوتا ہے۔

### انتقاض (Forfeiture)

انتقاض انتقاض سے ماخوذ ہے جس کے معنی نقذ ہونے کے ہیں، اور انتقاض فقہ میں انتقاض کا مطلب یہ ہے کہ عام شہر میں کوئی زر و متقیاب نہ ہو، اگرچہ سہ فلوں (Money Changers) اور سہروں میں موجود ہوں۔

چنانچہ عامہ شامی انتقاض کے معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

ان لا يوجد النقد في السوق وان وجد في يد الصيارفة  
والبيوت الخ

زر بازار میں نہ ہے، اگرچہ سہ فلوں کے ہاں اور سہروں میں موجود ہوں۔

اور عامہ ذرقانی اور بنانی انتقاض کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

انه لا نعده جملة في سد تعامل المتعاقدين وان  
وجدت - الفوس - حين القبض في غير هذا -

انتقاض یہ ہے کہ ایک ساتھ زر و عاقدین کے شہرت سے غائب ہو جائے، اگرچہ فلوں قبضے کے وقت دوسرے کسی شہر میں موجود ہوں۔

یا دیکھنا چاہئے کہ فقہاء کے تمام اس مفہوم کے انتقاض کے عامہ اور شامی

مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں، صرف انقطاع کے لفظ پر اکتفاء نہیں کرتے، جیسا کہ عبارات فقہاء سے واضح ہو جائے گا۔

## مذہب فقہاء

انقطاع کے بارے میں حضرت امام اعظم کا ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی، لیکن دوسرا قول جو مفتی بہ ہے، اور وہ صاحبینؒ، اور ائمہ ثلاثہ کا بھی مذہب ہے کہ انقطاع سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:-

ان انقطعت بان لا توجد في السوق ولو وجدت في يد الصيارفة او في البيوت، فقیل: يفسد البيع، وقيل: تجب في آخر يوم الانقطاع وهو المختار۔

”اگر زر منقطع ہوا، کہ بازار میں دستیاب نہ ہو، گوصرافوں کے ہاں یا گمروں میں موجود ہو، تو کہا گیا ہے کہ بیع فاسد ہو جائے گی، اور کہا گیا ہے کہ جس دن انقطاع ہو رہا تھا، اس آخری دن میں اس کی جو قیمت تھی، وہ قیمت واجب ہوگی، اور یہی قول مختار ہے۔“<sup>(۱)</sup>

علامہ شامی مزید فرماتے ہیں:-

”فان انقطع ذلك فعليه من الذهب والفضة قيمته في آخر يوم انقطع وهو المختار۔“

اگر زر منقطع ہو گیا، تو اس کے ذمہ سونے یا چاندی کی قیمت واجب ہے، جس میں یوم الانقطاع کا اعتبار ہوگا، اور یہی راجح ہے۔“<sup>(۲)</sup>

اور علامہ شامی اپنے ایک رسالے میں فرماتے ہیں:-

(۱) العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة، شامی (علامہ محمد امین المعروف بابن

عابدین، بیروت، دار المعرفۃ، طبع دوم (۱۹۸۰ء)۔

(۲) رد المختار (۲۱۰)۔

وان انقطع بحيث لا يقدر عليها فعليه قيمتها في آخر يوم

انقطع من الذهب والفضة هو المختار۔

”اور زر منقطع ہو گیا، یہاں تک کہ وہ عاجز ہو گیا، تو اس پر اس کی

قیمت سونے چاندی میں سے واجب ہے، جس میں یوم الانقطاع کا

اعتبار ہے، اور یہی رائے ہے۔“

اسی رسالے میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

وان انقضت تدث الدراهم اليوم كان عنيه قيمة الدراهم

قبل الانقطاع عند محمد وعينه الفتوى۔

”اور اگر وہ دراهم آج منقطع ہو گئے، تو اس کے ذمہ انقطاع سے قبل

دراہم کی جو قیمت تھی وہ واجب ہے، یہ امام محمد کا موقف ہے، اور

اسی پر فتویٰ ہے۔“

امام ابو یوسف، امام محمد اور امام ثلاثہ کے نزدیک انقطاع کے وقت قیمت واجب

ہوتی ہے، اور عتد فی سد برقرار رہتا ہے، اتنی بات پر ان سب کا اتفاق ہے، البتہ اختلاف

اس میں ہے کہ اس سلسلے میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

ملاحظہ کیجئے کہ قوال کے مطابق فیصحا کے وقت جو زر منقطع کی جو قیمت

ہوگی، وہ واجب ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک جس وقت بائع مشتہ کی سے شمن کا مطالبہ کرے گا، اس وقت

زر منقطع کی جو قیمت ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا، اور اگر بیع مؤجل ہے، تو جب ادائیگی کی متنازعہ

تاریخ پہنچ جائے، تو اس وقت زر کی جو قیمت ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا۔

(۱) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود، ضمن رسائل ابن عبدین، لاہور، پاکستان، سنہ

۱۹۷۶ء، (۲) ۵۸

(۲) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود، (۲) ۲۰، ۵

حنابلہ اور امام محمد کے نزدیک یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی جس دن زر منقطع ہو رہا ہے، اس سے ایک دن پہلے زر کی جو قیمت تھی، اس کا اعتبار ہوگا، البتہ حنابلہ کے ہاں اگر وہ مثلی ہے، اور مثل دستیاب ہے، تو مثل واجب ہوگی۔

امام ابو یوسف کے نزدیک یوم المعاملہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی جس دن عقد ہوا تھا، اس دن اس زر کی جو قیمت تھی، اس کا اعتبار ہوگا۔

خلاصہ درج ذیل ہے:-

بیع فسخ / فاسد	=	امام ابو حنیفہ
وقت فیصلہ کی قیمت	=	مالکیہ
وقت مطالبہ کی قیمت	=	شافعیہ
وقت انقطاع	=	حنابلہ + امام محمد
وقت معاملہ / عقد	=	امام ابو یوسف

علامہ شامی فرماتے ہیں:-

”و اما الكساد والانقطاع فالذی يظهر ان البيع لا يفسد اجماعا اذا سميا نوعا منه وذلك لانهم ذكروا في الدرهم التي غلب غشها ثلثة اقوال: الاول: قول ابي حنيفة بالبطلان والثاني: قول الصحابين بعدمه وهو قول الشافعي واحمد، لكن قال ابو يوسف عليه قيمتها وقت البيع وقال محمد: يوم الانقطاع، وفي الذخيرة: الفتوى على قول ابي يوسف وفي التتمة والمختار والحقائق بقول محمد يفتى رفقاً بالناس۔“

”کساد اور انقطاع میں بظاہر بالاتفاق بیع فاسد نہیں ہوتی، جبکہ عاقدین زر کی ایک خاص قسم ذکر کریں، اور یہ اس وجہ سے کہ

فقہاء کے سامنے ان وراثت کے بارے میں جن میں حیوت غالب ہو جائے، تین قول ذکر کئے ہیں، ایک قول باطل ہوئے کا ہے، جو امام عظیم کا ہے، دوسرا قول صاحبین کا ہے اور وہ یہ ہے کہ مقتد باطل نہیں ہے، اور یہی قول امام شافعی اور امام احمد رحمہما نے بیان کیا ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس پر یوم الاعتد کی قیمت واجب ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ اس پر یوم الانقضاء کی قیمت واجب ہے، ذخیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے، اور زمرہ مختار اور حقائق میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے، ابو یوسف کی آسانی کے لئے۔<sup>(۱)</sup>

### امام صاحب کے قول کی وجہ

امام صاحب کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب زر ختم ہو گیا، تو ثمن ختم ہو گیا، اور بیع ثمن کے بغیر نہیں ہوتی، اس لئے بیع منقطع ہو جائے گی۔

### صاحبین کے قول کی وجہ

امام ابو یوسف وقت قتل اور وقت مقتد کی قیمت کا اعتبار اس لئے کرتے ہیں کہ مشتمل کے ذمہ جو ثمن واجب ہوا ہے، وہ مقتد کی وجہ سے ہے، لہذا قیمت میں بھی اسی وقت کا اعتبار ہوگا۔

اور امام محمد فرماتے ہیں کہ یوم الانقضاء کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ انقضاء سے پہلے مشتمل کی ثمن کی ادائیگی پر قیود تھا، ثمن کی ادائیگی سے بجز انقضاء سے آیا، لہذا قیمت میں وقت بجز کا اعتبار ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود (۲۲-۲۳)

(۲) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، ج ۵، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث

۱۴۰۹ھ، ص ۱۶۵۲

## مذہب مالکیہ

مالکیہ کے ہاں معتد اور صحیح قول کے مطابق اس صورت میں وقت فیصلہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور دوسرا قول مالکیہ کا یہ ہے کہ جس دن مقررہ تاریخ ادا نہیں ہو، اور جس دن زر منقطع ہو جائے، ان دونوں میں سے جو بعد میں ہو، اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، مثلاً: اگر یوم ادا نہیں ہو، اور انقطاع اٹھارہ دن بعد ہو، تو یوم ادا نہیں کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

مالکیہ کی عبارات ملاحظہ ہوں:-

فی الشرح الكبير وحاشية الدسوقي: ان عدمت الفلوس بالكلية في بلد المتعاقدين وان وجدت في غيرها، فالقيمة واجبة على من ترتبت عليه مما تجددت اى يدفعها مما تجدد وظهر من المعاملة، فيقال: ماقيمة العشرة من الدراهم التي عدمت بهذه الدراهم التي تجددت فيقال: ثمانية دراهم، مثلاً في دفع المدين ثمانية من تلك الدراهم التي تجددت واذا قيل: قيمتها: اثنا عشر، دفع اثني عشر منها وهكذا۔

وقال خليل: تعتبر القيمة وقت اجتماع الاستحقاق اى الحلول ويوم العدم، فالعبرة عنده بالمتاخر منهما، فان كان العدم والاستحقاق حصل في وقت واحد، فالامر ظاهر، وان تقدم احدهما على الآخر فالعبرة بالمتاخر منهما اذ لا يجتمعان الا في وقت المتاخر منهما، فان استحققت ثم عدمت اعتبرت القيمة يوم العدم، وان عدمت ثم استحققت اعتبرت القيمة يوم الاستحقاق، ولم يذكر خليل القول المعتمد۔



وقال الدردير المعتمد ان القيمة تعتبر يوم  
الحكمه--- وقال الخرشى ان عدمت فلو اوجب عسى من  
ترتبت عسيه قيمتها مما تجدد وظهر، وتعتبر قيمتها وقت  
ابعد الاجئين عند تخالف الوقتين من العدم والاستحقاق  
--- وفي شرح الزرقاني وهذا كذا عسى مختار المصنف  
خبيد هنا تبعاً لابن الحاجب تبعاً لدخمي وابن محرز،  
والذی اختاره ابن يونس وابو حفص، ان القيمة تعتبر  
يوم الحكم، قال ابو الحسن الشاذلي وهو الصواب وقال  
البرزلي وهو ظاهر المدونة

اس پوری عبارت کا خلاصہ یہی بنتا ہے کہ مالِیہ کے ہاں انتفاع کی صورت میں  
بقول ہیں، ایک یہ ہے کہ یوم الاستحقاق اور یوم العدم میں جو دو روز ہوں، اس دن کی قیمت کا  
اعتبار ہوگا، یوم الاستحقاق سے مراد یہ ہے کہ جس دن کو اپنی ضرورت ہے، اور یوم العدم کا  
مصاب یہ ہے کہ جس دن وہ زرمینق ہو گیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یوم الخمر کا اعتبار کی قیمت  
کا اعتبار ہے، اور یہی قول ان کے نزدیک راجح اور درست ہے، جیسا کہ شرح زرقانی کی  
مذکورہ عبارت سے واضح ہے۔

مثلاً فعیہ

ان کے ہاں انتفاع کی صورت میں یوم العقد یا یوم المعامہ کی قیمت واجب  
ہوتی ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ زرمینق نہ ہو، ورنہ مینق ہونے کی صورت میں مثال  
الاجاب ہے۔

مالِیہ کی فرمائے ہیں :-

حاشیۃ المدسوقی ۳، ۲۶، ۲۵، الخرشى عسى الخبيد ۵، ۵۵، شرح الزرقانى عسى

مختصر خبيد ۵، ۱۰

”فان فقد وله مثل وجب والا قيمته وقت المطالبة“  
 ”اگر زر مفقود ہو گیا، اور اس کی مثل ہو، تو مثل واجب ہے، ورنہ زر کی  
 مطالبے کے وقت جو قیمت بنتی ہے، وہ واجب ہے۔“ (۱)  
 اور علامہ ابن حجر اہمیتی فرماتے ہیں:-

”ویرد وجوبا حیث الاستبدال المثل فی المثلی ولو نقدا  
 ابطله السلطان لانه اقرب الی حقه“  
 ”مثلی میں لازمی طور پر مثل واپس کرے گا، اگرچہ سلطان نے زر کو  
 باطل کر دیا، کیونکہ یہ حقدار کے حق کے زیادہ قریب ہے۔“ (۲)  
 اور علامہ سیوطی فرماتے ہیں:-

ان عدمت الفلوس العتق فلم توجد اصلا رجع الی قدر  
 قيمتها من الذهب والفضة، ويعتبر ذلك يوم المطالبة الخ“  
 ”اگر پیرانے فلوس معدوم ہو گئے، اور بالکل دستیاب نہ ہوں، تو اس  
 صورت میں سونے چاندی میں اس کی قیمت واجب ہوگی، اور قیمت  
 میں یوم المطالبة کا اعتبار ہوگا۔“ (۳)

## حنا بلہ

ان کا موقف وہی ہے جو امام محمد کا ہے، یعنی یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہے،

(۱) نهاية المحتاج الی شرح المنهاج، الرملى (شمس الدين محمد بن ابى العباس الرملى المتوفى ۱۰۰۲ھ) بيروت، احیاء التراث العربی (۳/۳۹۹)

(۲) تحفة المحتاج مع حاشیة الشروانی، الهیتمی (علامہ احمد بن حجر الهیتمی الشافعی) (۵/۴۴)

(۳) الحاوی للفتاوی، السیوطی (علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفى ۹۱۱ھ) بيروت، المكتبة العصرية، طبع اول ۱۴۱۱ھ

پہنچا نہ ہو تو فرماتے ہیں:-

”فإن عوز المثل قال في الحاشية عوز الشئ عوزاً من  
تعب عز فيه يوجد، وعوزني المصوب مثل عجزني لفظاً  
ومعنى، لزوم المقترض قيمته، أي المثل يوم اعوازده، لأنها  
حينئذ ثبتت في الذممة، ويجب على المقترض رد قيمة  
مما سوي ذلك أي المكس والموزون لأنه لا مثل له فضمن  
بقيته كالعصب“

”اگر مثل سے عاجز آ گیا ہو تو مقترض پر مثل کی قیمت واجب  
ہوگی، اور اس میں یوم العجز کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ یہی ذمہ ہے  
واجب ہوئی ہے، اور جو مثلی نہ ہو، مثلاً مکس اور موزونات میں سے نہ  
ہو، وہاں قیمت واجب ہے، اور یہ مسئلہ نصب کی طرح ہے۔“

ان میں عبارات میں آپ نے دیکھا کہ القطن کے لئے القطن کے علاوہ لفظ

”عزم“ اور لفظ ”اعواز“ بھی استعمال ہوا۔

کساد (Depression)

”کساد کے لئے بھی فقہاء کرام نے مختلف الفاظ استعمال فرمائے ہیں، مثلاً:

”ابطال“، ”قطع“، ”انقطاع“، ”ترك“، ”انقطاع“۔

کساد کے معنی کھوئے ہونے کے ہیں، اور اصطلاح میں کساد کی تعریف علامہ

ابن عابدین کی زبانی سنئے:-

”والكساد ان تترك المعاملة بها في جميع البلاد“<sup>(۱)</sup>

(۱) كشف القناع عن متن الاقناع، البهوتی (منصور بن یونس البهوتی المتوفی ۱۰۶۶ھ،

مكة المكرمة، مكتبة الحكومة ۱۳۹۰ھ (۳-۲۰۲)

(۲) رد المحتار (۱-۲۱)

”اور کساد یہ ہے کہ زر کے ساتھ تمام شہروں میں معاملہ ترک کیا جائے۔“

انقطاع اور کساد میں معنی یہ فرق ہوا کہ انقطاع میں زر غائب اور معدوم ہو جاتا ہے، اور کساد میں زر رہتا ہے، لیکن لوگ اس کے ساتھ تعامل ختم کر لیتے ہیں، چنانچہ کساد کی وجہ سے زر اصطلاحی کی ثمنیت بالکل ختم ہو جاتی ہے، اور وہ سامان کے حکم میں ہو جاتا ہے۔  
حضرات حنفیہ کے ہاں انقطاع اور کساد میں حکماً کوئی فرق نہیں، چنانچہ:-

۱- امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر تمام شہروں میں تعامل ترک ہو جائے، تو معاملہ فسخ / فاسد ہو جائے گا، البتہ اگر بعض شہروں میں تعامل باقی ہو، تو اس صورت میں بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ فسخ سمجھا جائے گا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں معاملہ فاسد نہیں ہوگا۔

بیع فاسد ہونے کی صورت میں اگر بیع موجود ہو، تو مشتری بائع کو بیع واپس کرے گا، اور بیع موجود نہ ہو، تو اگر مثلی ہے، یعنی بیع ملکیات یا موزونات کے قبیل میں سے ہے، تو اس کی مثل واپس کرے گا، اور اگر مثلی نہیں ہو، تو اس کی قیمت واپس کرے گا۔  
البتہ اگر معاملہ قرض کا ہو، یا بیوی کے مہر کا ہو، تو وہی زر واپس کرنا ہوگا، اگرچہ کھوٹا ہو۔

۲- حضرات صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بیع فسخ نہیں ہوگی، البتہ بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہے گا، اور بیع فسخ نہ ہونے کی صورت میں مشتری کے ذمہ اس کی قیمت واجب ہوگی، اب قیمت کی تعیین میں دونوں حضرات میں اختلاف ہو گیا:-

الف:- امام ابو یوسف کے نزدیک وقت عقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔  
ب:- امام محمد کے نزدیک یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ یہاں بھی صحیح اور راجح قول امام محمد ہی کا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے ہاں حکم کے اعتبار سے انقطاع اور کساد میں

ہوئی فرق نہیں۔

پہنچا اس سلسلے میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

”والا نقضاء عن ايدي الناس كالكساد“

ان معنی پر آ کے فرماتے ہیں:-

”والا نقضاء كالكساد“

دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ انقطاع کساد کی طرح ہے۔ اس کے  
مسئلہ کساد کے سلسلے میں ہم یہاں علامہ کا سامنی کی عبارت بمع ترجمہ نقل کرتے  
ہیں، جو نہایت ہی جامع ہے:-

”ولو اشترى بفسوس نافقة ثم كسدت قبل القبض انفسه  
عند ابي حنيفة رحمه الله، وعلى المشتري رد المبيع ان  
كان قائما وقيمته او مشه ان هالكاً، وعند ابي يوسف  
ومحمد رحمهما الله لا يبطل البيع، والبائع بالخيار ان  
شاء فسخ البيع وان شاء اخذ قيمة الفلوس۔“

وحجة ابي حنيفة ان الفلوس بالكساد خرجت عن كونها  
ثمناً لان ثمنيتها ثبتت باصطلاح الناس، فاذا ترك الناس  
التعامل بها عدداً فقد زال عنها صفة الثمنية، ولا بيع  
بلا ثمن، فينفسخ ضرورة۔“

وحجة ابي يوسف ومحمد اولا ان الفلوس في الذمة  
ومافي الذمة لا يحتمل الهلاك، فلا يكون الكساد هلاكاً  
يكون عيباً فيما يوجب الخيار، ان شاء فسخ البيع، وان شاء  
اخذ قيمة الفلوس۔۔۔“

وثانیا: ان الواجب بقبض القرص رد مثل المقبوض  
وبالكساد عجز عن رد المثل لخروجها عن رد الثمنية  
وصيرورتها سلعة، فيجب عليه قيمتها كما لو استقرض شيئا  
من ذوات الامثال وقبضه ثم انقطع عن ايدي الناس۔  
ثم اختلف ابو يوسف محمد فيما بينهما في وقت اعتبار  
القيمة، فاعتبر ابو يوسف وقت العقد لانه وقت وجوب  
التمن، واعتبر محمد وقت الكساد وهو آخر يوم ترك  
الناس التعامل بها، لانه وقت العجز عن التسليم،  
ولو استقرض فلوسا نافقة وقبضها فكسدت، فعليه رد مثل  
ما قبض من الفلوس عددا في قول ابي حنيفة و ابي يوسف،  
وفي قول محمد عليه قيمتها۔

”اور اگر کسی نے کوئی چیز ایسے فلوس سے خریدی، جو رائج تھے، پھر وہ  
قبضے سے قبل کاسد ہو گئے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع فسخ  
ہو گئی، اور مشتری پر بیع واپس کرنا ضروری ہے، اگر بیع موجود ہو، یا اس  
کی مثل واجب ہوگی، اگر بیع ہلاک ہو گئی ہو، اور صاحبین کے نزدیک  
بیع باطل نہیں ہوتی، اور بائع کو اختیار ہے، اگر چاہے تو بیع کو فسخ  
کرے، اور اگر چاہے تو فلوس کی قیمت وصول کرے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ فلوس کساد کی وجہ سے تمن ہونے سے  
نکل گئے، کیونکہ ان کی تمنیت لوگوں کی اصطلاح کی وجہ سے تھی، سو  
جب لوگوں نے فلوس کے ساتھ تعامل کو چھوڑ دیا، تو فلوس سے تمنیت  
کی صفت زائل ہو گئی، اور بیع بغیر تمن کے نہیں ہوتی، اس لئے بیع  
باطل ہو جائے گی۔



فلوس سے سودا کیا، اور ابھی ثمن بائع کو نہیں دیا تھا کہ کساد واقع ہوا، تو بیع باطل ہوگئی، اور انقطاع بھی حکم میں کساد کی طرح ہے، مشتری پر اس صورت میں واجب ہے کہ اگر بیع موجود ہو، تو بیع واپس کرے، اور اگر بیع موجود نہیں، تو اس کی مثل یا قیمت واپس کرے، اور بیع مشتری کے قبضے میں نہ ہو، تو اس صورت میں کچھ بھی واجب نہیں، یہ امام ابوحنیفہ کا موقف ہے، حضرات صاحبین کے نزدیک بیع اس صورت میں باطل نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ کساد کی وجہ سے ثمن تسلیم کرنا مشکل ہو گیا، لیکن دوبارہ رواج پائے جانے کے احتمال کی وجہ سے یہ قدرت حاصل ہو سکتی ہے، لہذا بیع باطل نہیں ہوگی، البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک یوم البیع کی قیمت واجب ہوگی، اور امام محمد کے نزدیک یوم الکساد کی قیمت واجب ہوگی، ذخیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے، محیط، تتمہ اور حقائق میں ہے کہ لوگوں کی سہولت کی خاطر فتویٰ امام محمد کے قول پر دیا جاتا ہے۔“ (۱)

یہ حکم بیع کا ہے، اور اگر قرض کا معاملہ ہوا، اور پھر زر میں کساد واقع ہوا، تو اس میں امام صاحب کے نزدیک مثل واجب ہوگی، اور صاحبین کے نزدیک قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اور قیمت کی تعیین کے وقت میں وہی اختلاف ہے، جو بیع میں گزر چکا۔ (۲) قول میں امام محمد قرض کے مسئلے میں امام صاحب کے ساتھ ہیں، جیسا کہ بدائع کی عبارت کے آخر میں ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ انقطاع ہو، یا کساد، امام صاحب کے نزدیک بیع کا معاملہ اس کی

(۱) ردالمحتار (۱/۴۱۰) والفتاویٰ الہندیہ (۲۲۵/۳)

(۲) تنبیہ الرقود (۵۷/۲)



وجہ سے باطل اور خود بخود منسوخ ہو جاتا ہے، اور اس صورت میں مشتری کے ذمہ بیع کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اگر بیع موجود نہ ہو، تو مثل اور اگر مثل بھی نہ ہو، تو اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک ان حالتوں میں بیع فاسد یا باطل نہیں ہوتی، البتہ یہ ایک عیب ہے، اس عیب کی وجہ سے بائع کو بیع کا اختیار حاصل ہے، اگر وہ بیع کو منسوخ کرتا ہے، تو بیع کی واپسی میں وہی تفصیل ہوگی، جو امام صاحب کے مذہب میں ہے، اور اگر بیع کو منسوخ نہیں کرتا، بلکہ نافذ کرتا ہے، تو بیع نافذ ہو جائے گی، اور مشتری کے ذمہ اس ضمن کی قیمت واجب ہوگی، یہ قیمت امام ابو یوسف کے نزدیک یوم العقد کے حساب سے ہوگی، اور امام محمد کے نزدیک یوم الانقطاع یا یوم الکساد کے حساب سے ہوگا، اور دونوں صورتوں میں فتویٰ حنفیہ کے ہاں امام محمد کے قول پر دیا جاتا ہے۔

### مالکیہ و شافعیہ

مالکیہ اور شافعیہ کا موقف اس سلسلے میں یہ ہے کہ جب زر پر کساد واقع ہو جائے، تو بیع باطل نہیں ہوگی، بلکہ مدیون مشتری وہی سکہ واپس کرے گا، جو سکہ بوقت عقد رائج تھا، البتہ شافعیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس صورت میں بائع کو اختیار ہوگا کہ یا تو قدیم سکہ قبول کرے یا نیا سکہ قبول کرے، اور یا اس بیع کو منسوخ کرے۔

چنانچہ شرح زرقانی میں ہے:-

”وان بطلت فلوس ترتبت لشخص علی آخر ای قطع

التعامل بها بالکلیۃ، فالمثل علی من ترتبت فی ذمتہ قبل

قطع التعامل بها۔“

”اور اگر وہ فلوس جو کسی کے کسی کے ذمہ واجب تھے، وہ کاسد ہو گئے،

یعنی ان کے ساتھ تعامل بالکلیہ ختم ہو گیا، تو جس کے ذمہ یہ فلوس

واجب الاداء ہیں، وہ ان فلوس کی مثل ادا کرے گا، جو قطع تعامل سے

پہلے رائج تھے۔“ (۱)

حاشیہ دسوقی میں ہے:-

ان بطلت فلوس او دنانیر او دراهم ترتبت لشخص علی غیرہ فقطع التعامل بها، ومن باب اولی اذا تغیرت بزیادة او نقص، فیجب قضاء المثل علی من ترتبت فی ذمته قبل قطع التعامل بها او تغیرها۔“

”اگر فلوس یا دنانیر یا دراہم باطل ہو گئے، جو کسی شخص کے دوسرے کے ذمہ واجب تھے، پس ان کا تعامل ختم ہو گیا، تو جس کے ذمہ یہ زر واجب تھا، تغیر یا قطع تعامل سے قبل جو رائج تھا، اس کی مثل اس پر واجب ہے۔“ (۲)

منح الجلیل میں ہے:-

”ومن ابتاء بنقد او اقترضه ثم بطل التعامل به لم یکن علیہ غیرہ۔“

اور المعیار میں ہے:-

”وافتی ابوالولید الباجی انه لا یلزمه الا السکة الجاریة حین العقد“

”ابوالولید باجی نے فتویٰ دیا ہے کہ مدیون پر وہی سکہ ادا کرنا واجب ہے، جو عقد کے وقت جاری تھا۔“ (۳)

(۱) شرح الزرقانی علی خلیل (۶۰/۵) کذا فی الخرشی علی خلیل (۵۵/۵)

(۲) حاشیة الدسوقی (۵۴/۱)

(۳) المعیار المعرب، الونشریسی (احمد بن یحی المتوفی ۹۱۳ھ) بیروت، دارالغرب الاسلامی ۱۴۰۱ھ (۶/۱۶۴)

فقہ شافعی کی مشہور کتاب المجموع میں ہے:-

”ولو باء بنقد معین او مطلق وحملناه علی نقد البلد  
فابطل السلطان المعاملة بذلك النقد لم یکن للبائع  
الاذلک النقد هذا هو المذهب۔“

”اور اگر کسی معین زر یا مطلق زر سے سودا کیا، اور اس کو ہم نے نقد  
البلد پر محمول کیا، پھر سلطان اس زر کے ساتھ معاملہ کو باطل کر دیا، تو  
بائع کو وہی سکہ یا زر ملے گا، جو بوقت عقد جاری تھا، اور یہی مذہب  
ہے۔“ (۱)

روضۃ الطالبین میں ہے:-

ولو اقرضه نقدا فابطل السلطان المعاملة به، فلیس له  
الالنقد الذی اقرضه نص علیه الشافعی رضی اللہ عنہ۔“  
”اور اگر اس کو زر قرض دیا، اور پھر سلطان نے اس زر کے ساتھ  
معاملے کو باطل کر دیا، تو مقترض کو وہی سکہ یا زر ملے گا، جو اس نے  
قرض دیا، اسی کی تصریح امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔“ (۲)  
اور المجموع میں ہے:-

”وحکی البغوی والرافعی وجها ان البائع مخیر ان شاء  
اجاز البیع بذلك النقد وان شاء فسخه۔“  
”اور بغوی اور رافعی نے ایک اور طریقہ بھی بیان کیا ہے، اور یہ کہ اس  
صورت میں بائع کو اختیار ہے، چاہے تو بیع اسی زر کے ساتھ نافذ  
کرے، اور اگر چاہے، تو بیع کو فسخ کرے۔“ (۳)

(۱) المجموع شرح المہذب، النووی (ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی المتوفی

۶۷۶ھ، بیروت، دارالفکر (۹-۳۳۱)

(۲) روضۃ الطالبین للنووی (۴-۳)

(۳) المجموع شرح المہذب للنووی (۹-۲۸۲)

ان تمام عبارات کا حاصل یہ نکلا کہ ان حضرات (مالکیہ اور شافعیہ) کے نزدیک رائج اور مشتمل بہ قول یہی ہے کہ کساد کی صورت میں حق دار وہی سکھ یا زر وصول کرے گا، جو بوقت عقد رائج تھا، اگرچہ وہ اس پر کساد طاری ہو گیا، خواہ معاملہ بیع کا ہو، یا قرض کا ہو۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک انقطاع اور کساد میں حکم کے اعتبار سے فرق ہے، جس کی تفصیل گزر چکی۔

### حنابلہ

کساد کی صورت میں حنابلہ کے نزدیک بھی قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اور قیمت کی تعیین میں ان کے نزدیک تین اقوال ہیں:-

الف:- وقت الكساد کی قیمت کا اعتبار ہے، جیسا کہ حنفیہ میں سے امام محمد کا موقف ہے، اور یہی قول ان کے ہاں رائج ہے۔

ب:- وقت معاملہ کی قیمت کا اعتبار ہے، جیسا کہ امام ابو یوسف کا موقف ہے۔

ج:- وقت خصومت کا اعتبار ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

”ان كان القرض فلوسا او مكسرة فحرمها السلطان وتركت المعاملة بها لانه كالعيب فلا يلزمه قبولها، ويكون له قيمتها وقت القرض سواء كانت باقية او استهلكها نص عليه احمد في الدراهم المكسرة، فقال: يقومها كم تساوى يوم اخذها ثم يعطيه، وسواء نقصت قيمتها قليلا او كثير، وذكر ابو بكر في التنبيه: انه يكون له قيمتها وقت فسدت وتركت المعاملة بها، لانه كان يلزمه مثلها مادامت نافقة، فاذا فسدت انتقل الى قيمتها حينئذ كم لو عدم

المثل الخ<sup>(۱)</sup>

”اگر قرضِ فلوس ہوں، یا لوٹے ہوئے دراہم تھے، پھر سلطان نے ان کو حرام قرار دیا، اور تعامل متروک ہو گیا، تو یہ عیب کی طرح ہے، ہذا صاحبِ حق کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ان کا سد زر کو قبول کرے، اور متروخ پر اس زر کی قیمت واجب ہوگی، جس میں وقتِ قرض کا اعتبار ہوگا، خواہ وہ زر اس کے پاس ابھی رکھا ہوا ہو، یا اس نے خرچ کیا ہو، امام احمد نے دراہمِ مکسورہ میں اس کی تصریح کی ہے، اور فرمایا کہ یہ قیمت لکائی جائے گی کہ یوم الاخذ میں اس کی قیمت تھی، چنانچہ وہ قیمت ادا کرے گا، خواہ اس کی قیمت زیادہ کم ہوئی ہو، یا معمولی کم ہوئی ہو، اور ابو بکر نے تنبیہ میں ذکر فرمایا ہے کہ یوم السداد کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اس کے ذمہ اس کی مثل واجب تھی راجح ہونے کی صورت میں، پس جب یہ زر کا سد ہو گیا، تو اب بات قیمت تک پہنچی، جیسا کہ اگر مثل معدوم ہو جائے۔“<sup>(۲)</sup>

کشاف القناع میں ہے:-

”ان كان القرض فبوساً او دراهم مكسورة فيحرمها اي يمنع الناس من المعاملة بها السلطان او نائبه سواء اتفق الناس على ترك المعامنة بها او لا، لانه كالعيب، فلا يذرمه قبولها، فدل مقتضى القيمة عن الفلوس والمكسورة في هذه الحال وقت القرض الخ“<sup>(۳)</sup>

(۱) المغنی مع الشرح الكبير، المقدسی، موفق الدین ابن قدامہ وشمس الدین بن

قدامہ المقدسی، بیروت، دارالکتاب العربی ۱۳۹۲ھ (۲۰۷۱ء) (۳۶۵)

(۲) کشاف القناع لبہوتی (۳۰۱، ۳)

علامہ مرداویؒ فرماتے ہیں:-

ان كان فلوسا او مكسرة في حرمها السلطان (الصحيح من المذهب ان له القيمة سواء اتفق الناس على تركها او لا وعليه اكثر الاصحاب، وجزم به كثير منهم،---- وقال في المستوعب: وهو الصحيح عندى---- وقيل: له القيمة وقت الخصومة“ (۱)

ان عبارات کا بھی وہی مطلب ہے جو علامہ ابن قدامہؒ کے حوالے سے گزر گیا، البتہ اس میں وقتِ خصومت کی تصریح ہے۔

### خلاصہ بحث

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہوا کہ کساد ہو یا انقطاع امام صاحبؒ کے نزدیک اس سے خود بخود بیع فسخ ہو جاتی ہے، اور مشتری کے ذمہ بیع یا مثل یا اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ صاحبینؒ سمیت جمہور مشائخ اور علماء کے نزدیک دونوں حالتوں میں بیع خود بخود فسخ نہیں ہوتی، پھر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں حالتوں میں یوم العقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الانقطاع یا یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور اسی پر فتویٰ ہے، لہذا حنفیہ کے نزدیک حکم کے اعتبار سے انقطاع اور کساد میں کوئی فرق نہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں حالتوں میں فرق ہے، چنانچہ حضرات مالکیہ کے نزدیک انقطاع میں: وقت فیصلہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جبکہ کساد میں وہی سکہ واپس کرنا ہوگا، جو بوقت عقد جاری تھا، شافعیہ کے ہاں انقطاع میں وقت مطالبہ کی قیمت کا اعتبار ہے، جبکہ کساد میں ان کے ہاں وہی سکہ واپس کرنا ہوگا، جو عقد کے وقت جاری اور رائج تھا، حنابلہ کے ہاں انقطاع میں یوم الانقطاع کی قیمت معتبر ہوتی ہے، جبکہ ان کے ہاں کساد میں

(۱) الانصاف، المرادوی (علاء الدین ابی الحسن علی بن سلیمان طبع اول

۱۳۷۶ھ (۱۲۷۵ء)

تین مختلف اقوال ہیں، راجح قول کے مطابق یوم الگساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اور یہی تفصیل قرض میں بھی ہے، البتہ امام صاحب کے نزدیک قرض میں مثل واجب ہوگی، خواہ انقطاع کی حالت ہو، یا کساد کی۔

## نقشہ مذاہب

حالت	امام	قول
انقطاع	امام ابوحنیفہ	بیع فسخ قرض میں مثل واجب
	مالکیہ	وقت فیصلہ کی قیمت، بیع ہو یا قرض
	شافعیہ	وقت مطالبہ کی قیمت
	حنبلہ + امام محمد	یوم الانقطاع، مند الی امام محمد بائع کو خیار حاصل ہوگا
	امام ابو یوسف	یوم العقد، بائع کو فسخ کا خیار حاصل ہوگا
کساد	امام ابوحنیفہ	بیع فسخ قرض میں مثل واجب
	مالکیہ و شافعیہ	وہی نکتہ جو بوقت عقد جاری تھا واجب ہوگا
	امام ابو یوسف	وقت عقد کی قیمت خیار فسخ ہی
	حنبلہ + امام محمد	یوم الگساد کی قیمت مند امام محمد خیار فسخ ہی

جاننا چاہئے کہ اگر کسی ملک میں کرنسی اس قدر گرے گی کہ اس کو کساد کہا جا سکتا ہو، تو

وہاں قروض اور دیون میں امام محمد یا امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی، اس سلسلے میں امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرنا زیادہ آسان ہے، کہ جس وقت معاملہ ہو رہا تھا، اس وقت کرنسی کی حقیقی قیمت کیا تھی، اس کے حساب سے حق دار کو حق ملے گا۔

### افراطِ زر (Inflation)

اس میں ہم سب سے پہلے معاشی نقطہ نظر سے افراطِ زر اور تفریطِ زر کے معنی، اقسام، وجوہات اور اثرات کا خلاصہ بیان کریں گے، اس کے بعد شرعی نقطہ نظر سے اس پر کلام کریں گے۔

### افراطِ زر کے معنی

افراطِ زر کے کسی قطعی اور صحیح مفہوم کے بارے میں شروع سے ہی معیشت دانوں میں شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اسے نیوکلاسیکل معیشت دانوں نے پہلی بار متعارف کرایا، ان کے خیال میں افراطِ زر سے مراد ایسی صورتِ حال ہے کہ جس میں :-

”زر کی مقدار میں حد سے زیادہ اضافہ ہونے کے نتیجے میں اشیاء میں تیزی سے اضافہ ہونے لگتا ہے۔“

دورِ حاضر کے معیشت دان افراطِ زر کو محض زر کی رسد میں اضافے کا سبب قرار نہیں دیتے، بلکہ اسے متعدد وجوہات میں سے ایک اہم ترین وجہ تصور کرتے ہیں، بعض حضرات افراطِ زر کی تعریف یوں کرتے ہیں :-

”قیمتوں کی سطح میں مستقل اور مسلسل اضافے کا نام افراطِ زر ہے“ (۱)

(۱) تعارفِ زر و بکارِ س: ۸۳

The Thoery of Money and Credit:

"An increase in the quantity of money that is not offset by a corresponding increase in the need for money , so that a fall in the objective exchange value of money must occur."P: 272



اس تعریف میں "زر کی قدر میں اضافہ" کی قید نہیں۔

## افراط زر کی خصوصیات (Characteristics)

افراط زر کی تین خصوصیات ہیں، جن پر سارے معیشت دان متفق ہیں:-

- ۱- قیمتوں میں اضافہ: افراط زر کے نتیجے میں قیمتوں میں لازماً اضافہ ہوتا ہے۔
- ۲- زر کی رسد میں اضافہ: جب قومی وسائل حکومت کی مالیاتی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہتے ہیں، تو وہ بنکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں اور عوام سے سرکاری کٹوتوں یا بانڈز کی ضمانت پر قرضے حاصل کر کے اپنا کام چلاتی ہے، حکومت کے اس اقدام سے زرا اعتباری (Credit Money) میں اضافہ ہو جاتا ہے۔
- ۳- اپنی تقویت کا خود باعث بننا: افراط زر کا چکر جب ایک دفعہ شروع ہو جاتا ہے، تو پھر یہ خود بخود مضبوط سے مضبوط تر اور شدید سے شدید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

## افراط زر کی چند مشہور قسمیں

اپنی شدت اور کمی کے لحاظ سے افراط زر کی متعدد قسمیں ہیں، جن میں بعض مشہور قسمیں درج ذیل ہیں:-

۱- رینگتا ہوا افراط زر (Creeping Inf): یہ اپنے اثرات کے لحاظ سے افراط زر کی سب سے سست رفتار قسم ہے، اس لئے معیشت کے لئے زیادہ خطرناک تصور نہیں کیا جاتا، عموماً ۳ سالانہ کے حساب سے قیمتوں میں مسلسل اضافے کو رینگتے ہوئے افراط زر سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۲- آچھلتا ہوا افراط زر (Trotting Inf): یہ افراط زر پہلی قسم کی نسبت سے زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے، عموماً ۳ سے ۶ سالانہ اضافے کو آچھلتا ہوا افراط زر کہتے ہیں۔

۳- تیز رفتار افراط زر (Running Inf): قیمتوں میں ۱۰ سالانہ اضافے کو کہتے ہیں۔

۴- شدید افراطِ زر (Hyper Inf): اس میں ہر ماہ قیمتوں میں ۲۰% تا ۳۰% کے حساب سے اضافہ ہوتا ہے۔

۵- رکودی افراطِ زر (Stagflation): جب معیشت گرم بازاری کے بعد مراجعت (Recession) اور افراطِ زر کے اثرات سے بیک وقت دوچار ہوتی ہے، تو یہ حالت رکودی افراطِ زر کی ہوتی ہے، اس میں ایک طرف پیداوار میں جمود کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف قیمتوں میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے، اپنے اثرات کے لحاظ سے یہ سب سے خطرناک قسم ہے۔

## قدرِ زر میں تغیرات پیدا کرنے والے عوامل

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی زر کی پیداوار میں اضافے یا کمی کی وجہ سے ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی کئی اسباب کی بناء پر ہوتی ہے، جنہیں ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:-

۱- زر کی مقدار: اگر زر کی مقدار بڑھ جائے، تو اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور کرنسی کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۲- پیداوار کی مقدار: اگر ملک میں زرعی اور صنعتی اشیاء کی مقدار بڑھ جائے، تو قیمتیں گر جاتی ہیں، اور زر کی قدر بڑھ جاتی ہے، اس کے برعکس اگر اشیاء کی مقدار کم ہو جائے، تو اشیاء کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۳- زر کی گردش کی رفتار: اگر زر کی گردش کی رفتار تیز ہو جائے، تو زر کی اکائی پہلے سے زیادہ مرتبہ اشیاء خریدنے کے لئے استعمال ہو، تو قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس جب زر بازاری کے دوران زر کی گردش کی رفتار سست پڑ جاتی ہے، تو قیمتیں گر جاتی ہیں، اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے، کیونکہ لوگ روپیہ خرچ کرنے

کی بجائے اپنے پاس رکھنا پسند کرتے ہیں۔

۴- آبادی کی تعداد: اگر آبادی بڑھ جاتی ہے، لیکن اشیاء کی پیداوار جوں کی توں رہے، تو طلب بڑھ جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔

۵- طلب میں کمی بیشی: بعض اوقات غیر متوقع ناگہاں مثلاً جنگ کے باعث اشیاء کی مانگ بڑھ جاتی ہے، اور قیمتوں کی سطح بلند ہو جاتی ہے، اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۶- سرکاری بھت: اگر کسی سال حکومت کی متوقع آمدنی اس کے اخراجات سے کم ہو، تو مرکزی بینک سے قرض لے کر اس کمی کو پورا کرتی ہے، جس کے باعث افراط زر رونما ہو جاتا ہے، اور اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔

۷- بیرونی تجارت: اگر کسی ملک کی بیرونی ادائیگیوں کا توازن خراب ہو جائے، یعنی اس نے اشیاء برآمد کم کی ہوں، اور درآمد زیادہ کی ہوں، تو اس کی کرنسی کی بیرونی قدر کم ہو جاتی ہے، باہر سے آنے والی اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور یوں ملک کے اندر بھی زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۸- محصولات: اگر حکومت درآمد ہونے والی اشیاء پر بھاری محصول لگائے، تو ان اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

تفریط زر (Deflation)

تفریط زر، افراط زر کے برعکس صورت کا نام ہے، اس میں قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں، اور زر کی قدر بڑھ رہی ہوتی ہے۔

تفریط زر کا رجحان اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب زر کی رسد میں کمی کی وجہ سے

(۱) کتاب معاشیات حصہ دوم (ص ۱۵۸)

اشیاء و خدمات کی پیداوار کے مقابلے میں قیمتوں میں زیادہ کمی ہو رہی ہوتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

## قدر زر کے تغیرات کے اثرات اور نتائج

زر کی قدر کم یا زیادہ ہونے سے تمام طبقہ ہائے زندگی متاثر ہوتے ہیں، لیکن سب پر ایک جیسا اثر مرتب نہیں ہوتا، بلکہ کسی طبقے پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے، اور کسی طبقے پر بُرا اثر مرتب ہوتا ہے، ذیل میں اس مسئلے کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے:-

مختلف قرضوں پر اس کا اثر: افراطِ زر سے متاثر ہونے طبقہ قرضہ دہندگان (Creditors) ہیں، یعنی وہ لوگ ہیں، جو قرضہ دیتے ہیں، چنانچہ جب افراطِ زر ہوتا ہے، یعنی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، تو ان لوگوں کو نقصان ہوتا ہے، جنہوں نے قرض دے رکھا ہو، کیونکہ انہیں اپنا قرض واپس ملتا ہے، تو اس کی قدر پہلے سے گر چکی ہوتی ہے، مثلاً اگر زید نے عمر کو ۸۸، میں ایک لاکھ روپے بطور قرض دیئے ہوں، اور ۲۰۰۲ء میں واپس کر رہا ہے، تو ۸۸، میں ایک لاکھ روپے کی قوت خرید ۲۰۰۲ء کی قوت خرید سے یقیناً زیادہ ہوگی، جتنا سامان ایک لاکھ روپے میں ۸۸ء میں آسکتا تھا، وہ ۲۰۰۲ء میں نہیں آسکتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ زر (Creditor) خسارے میں مبتلا ہو گیا۔

اور اس کے برعکس تفریطِ زر کی حالت میں زید کا فائدہ ہوگا، کیونکہ ایک لاکھ روپے کی قیمت خرید میں اضافہ ہوا ہوگا۔

مزدوروں کی اجرتوں پر اس کا اثر: افراطِ زر سے متاثر ہونے دوسرا طبقہ مختلف فیکٹریوں کے مزدور لوگ ہیں، افراطِ زر کے نتیجے میں جب قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور ان کو اجرت وہی ملتی ہو، جو پہلے سے چلی آرہی ہے، تو اس سے ان لوگوں کو یقیناً نقصان ہوگا۔ ان مسئلوں کا تعلق حقوق و واجبات سے ہے، اس لئے کہ قرض / دین (Debt)

(۱) تعارف زر و بنگاری، اور Ludwing Von Mises کہتے ہیں:

"Deflation signifies a diminution of the quantity of money which is not offset by a corresponding diminution of the demand for money, so that an increase in the objective exchange value of money must occur". P:272

صاحب قرض کا حق ہے، جسے مقروض پرواپس کرنا واجب ہے، اسی طرح اجرت مزدور اور ملازم کا حق ہے، جسے ادا کرنا آجر پرواجب ہے، اس وجہ سے ان دو مسئلوں کو ذکر کرنے میں مقدم کیا، اور ان کو نمایاں کیا، نیز آگے جوہم ”اشاریہ“ یا ”Index“ نمبر بیان کریں گے، اس کا تعلق ان مسئلوں یعنی قرض اور اجرت سے ہے۔

اس کے علاوہ قدر زر میں تغیرات کے اور بھی اثرات ہیں، مثلاً کسان طبقے پر اس کا اثر اور تاجر و صنعت کار پر اس کا اثر، اشیاء کی پیداوار پر اس کا اثر، تقسیم دولت پر اس کے اثرات اور سرمایہ کاری اور روزگار پر اس کے اثرات۔

کسان اور تاجر پر افراط زر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی پیداوار کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور ان کی آمدنی میں اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح افراط زر کے نتیجے میں زرعی و صنعتی اشیاء کی پیداوار بڑھ جاتی ہے، اور نئی سے نئی اشیاء مارکیٹ میں دستیاب ہو جاتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ افراط زر کا کسان، تاجر اور صنعت کار اور اشیاء پیداوار پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح سرمایہ کاری اور روزگار پر بھی افراط زر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیونکہ جب اشیاء کی قیمتیں بڑھیں گی، تو نئے کارخانے کھیں گے، لوگ کاروبار اور تجارت میں دلچسپی لیں گے، اور اس طرح سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا، اور بے روزگاری میں کمی آئے گی، جبکہ تقسیم دولت پر افراط زر کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور تقسیم دولت میں افراط زر سے بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ افراط زر سے قرض خواہ، مزدور اور تقسیم دولت پر بڑے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جبکہ کسان، تاجر، صنعت کار، اشیاء کی پیداوار، سرمایہ کاری اور روزگار پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

### افراط اور تفریط زر سے متعلق شرعی نقطہ نظر

عربی میں افراط زر کو ”رخص“ یا ”تضخم“ کہتے ہیں، اور تفریط زر کو ”غلاء“ یا

”انکماش“ کہتے ہیں، رخص اور غلاء قدیم الفاظ ہیں، جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، اور تضخم و انکماش جدید الفاظ ہیں، جو کتب جدیدہ میں مذکور ہیں۔

”رخص“ کے معنی سستا ہونے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر سستا ہو گیا، یعنی قدر گھٹ گئی، اور یہی افراط ہے، اور ”غلاء“ کے معنی مہنگا ہونے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر مہنگا ہو گیا، یعنی قدر بڑھ گئی، اور یہی تفریط ہے۔

”تضخم“ کے معنی بڑھنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر کی مقدار بڑھ گئی، اور یہی افراط ہے، اور ”انکماش“ کے معنی سکڑنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر کی مقدار سکڑ گئی، اور یہی تفریط ہے، زر کے مہنگے اور سستے ہونے کے بارے میں فقہائے امت کے دو قول مشہور ہیں، ایک قول جمہور علماء کا ہے، اور دوسرا قول امام ابو یوسف کا ہے۔

## قول جمہور

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور امام ابو حنیفہ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ زر مہنگا ہو یا سستا ہو، دین دار کے ذمہ وہی نقد واجب ہوگا، جو بوقت معاملہ اس کے ذمہ واجب ہو چکا تھا، اس کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، اس کا حاصل یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک ”رخص و غلاء“ کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، اور اس سے قرض یا دین یا اجرت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اگر عقد کے وقت فلوس کی قیمت ایک ہزار درہم تھے، اور بعد میں ان کی قیمت سو رہ گئی، یا بوقت عقد فلوس کی قیمت ایک سو درہم تھی، اور بعد میں ان کی قیمت ایک ہزار ہو گئی، دونوں صورتوں میں وہی فلوس ادا کرنے ہوں گے، جو دین دار کے ذمہ واجب تھے، سو ہونے یا ایک ہزار ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

شرح الزرقانی میں ہے:-

”وان بطلت فلوس ترتبت لشخص علی آخرای قطع  
التعامل بها بالکلیۃ واولی تغیرھا بزیادۃ او نقص مع بقاء

عینہا، فالمثل علی من ترتبت فی ذمتہ قبل قطع التعامل  
بہا او التفریر، ولو كانت حین العقد مائة درهم، ثم صارت  
الفاہیہ کما فی المدونۃ ای او عکسہ، لانہا من المثلیات“  
”اور اگر وہ فلوس جو کسی کے کسی کے ذمہ واجب تھے، متروک التعامل  
ہو گئے، اور اس حکم میں فلوس کا زیادت یا نقصان کے ساتھ متغیر ہونا  
بطریق اولی شامل ہے، تو اس صورت میں دین دار پر مثل واجب  
ہے، اگرچہ عقد کے وقت فلوس سو درہم کے برابر تھے، اور پھر ایک  
برابر ہو گئے، یا اس کا برعکس، کیونکہ فلوس مثلیات میں سے ہیں۔“<sup>(۱)</sup>  
حاشیہ دسوقی میں ہے:-

”اذا بطلت فلوس ترتبت لشخص علی غیرہ بقرض او بیع  
او نکاح او كانت عنده وديعة وتصرف فيها، وكذا لو دفعها  
لمن يعمل بها قراضا، فالواجب المثل علی من ترتبت فی  
ذمتہ، ولو كانت الفلوس حین العقد مائة بدرهم ثم صارت  
الفاہیہ۔“

”جب وہ فلوس باطل ہو جائیں، جو کسی شخص کے دوسرے کے ذمہ  
واجب تھے، خواہ قرض کے طریقے سے یا بیع یا نکاح کے طریقے  
سے، یا اس کے پاس ودیعت کے طور پر رکھے ہوئے تھے، اور اس  
نے ان میں تصرف کیا، اسی طرح اگر اس کو مضاربت کے طور پر  
دیئے تھے، تو ان تمام صورتوں میں دین دار کے ذمہ مثل واپس کرنا  
ضروری ہے، اگرچہ فلوس عقد کے وقت ایک درہم کے بدلے سو  
تھے، اور بعد میں ایک برابر ہو گئے۔“<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح الزرقانی (۵: ۶۰)

(۲) حاشیۃ الدسوقی (۳: ۲۵) بتصرف یسیر

منح الجلیل میں ہے:-

”ان اقرضته دراهم فلوسا، وهو يومئذ مائة فلس بدرهم ثم صارت مائتي فلس بدرهم فانما يرد عليك مثل ما اخذ لا غير ذلك۔“

”اگر آپ نے اس کو ذرا ہم فلوس کی شکل میں قرض دیئے، اور اس دن صورت حال یہ ہو کہ ایک درہم کے سو فلوس بنتے تھے، پھر صورت حال بدل گئی، اور اب ایک درہم کے بدلے میں دو سو فلوس آتے ہیں، تو وہ آپ کو وہی فلوس دے گا، جو اس نے لئے تھے، ان کے علاوہ کچھ واجب نہیں۔“<sup>(۱)</sup>

المعیار میں ہے:-

”سئل سعيد بن لب عن رجل باع سلعة بالناقص المتقدم بالحلول فتاخر الثمن الى ان تحول الصرف وكان ذلك على جهة فبايهما يقضى له؟ وعن رجل آخر باع بالدرهم المفلسة فتاخر الثمن الى ان تبدل فبايهما يقضى له؟ فاجاب: لا يجب قبل المشتري الا ما انعقد البيع في وقته لنلا يظلم المشتري بالزامه ما لم يدخل عليه في عقده۔“<sup>(۲)</sup>

اس عبارت کا حاصل بھی وہی ہے، جو دوسری عبارات میں ذکر ہوا، اور وہ یہ کہ تغیر زر کی صورت میں وہی زر واجب ہوگا، اس کی قیمت واجب نہیں ہوگی۔  
علامی سیوطی فرماتے ہیں:-

(۱) منح الجلیل (۲/۵۳۵)

(۲) المعیار المعرب (۶/۴۶۲)



ان بآء برطل فدوسا فهذا ليس له الارطل زاد سعرة ام  
نقص --- فان بآء بالف فدوسا اوفضة او ذهباً ثم يتغير  
السعر فظاهر عبارة الروضة المذكورة ان ليس له  
الاما يسمى الفاعند البيع ولا عبرة بما ظرا۔

”ایک رطل کے عوض میں فلوس بیچے، تو اس کو ایک ہی رطل ملے گا،  
اس کی قیمت زیادہ ہو جائے، یا کم ہو جائے..... لہذا ایک ہزار کے  
بدلے میں اگر کسی نے فلوس یا سونا یا چاندی بیچی، اور پھر قیمت بدل  
گئی، تو اس صورت میں ”الروضہ“ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ  
اس کو وہی ملے گا، جس کو بیچ کے وقت ”ہزار“ کہا جاتا تھا، اور جو تغیر  
پیش آیا ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔“<sup>(۱)</sup>

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:-

”ویرد وجوباً حیث لا استبدال المثل فی المثلی لانہ اقرب  
الی حقہ“

”مثلی میں مثلی ہی واپس کرنا ضروری ہے، کیونکہ مثلی میں مثلی کو قیمت  
کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں، اور یہ حق دار کے حق کے زیادہ قریب  
ہے۔“<sup>(۲)</sup>

علامہ قدامہ فرماتے ہیں:-

”واما رخص السعر فلا یمنع سواء کان قلیلاً او کثیر لانہ  
لم یحدث فیہا شنی انما تغیر السعر، فأشبهه الحنطة اذا  
رخصت او غلت“

(۱) الحاوی للفتاویٰ (۱: ۹۰)

(۲) تحفة المحتاج (۵: ۴۴)

”جہاں تک قیمت کا گھٹنا ہے، تو یہ مانع نہیں، خواہ یہ کمی زیادہ ہو، یا کم ہو، کیونکہ اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی، صرف ریٹ بدل گیا، تو یہ ایسا ہوا جیسا کہ گندم کی قیمت گھٹ جائے، یا بڑھ جائے۔“<sup>(۱)</sup>

شرح المجملہ میں ہے:-

”استقرض من الفلوس الرائجة والعدالی ای الدرهم الغالب غشها فکسدت فعليه مثلها کاسدة ولا یغرم قیمتها، وکذا کل ما یکال ویوزن لما مر انه مضمون بمثله فلا عبرة بکساد وغلاءه ورخصه، وهذا عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ“

”کسی نے فلوس رائج یا عدالی میں سے قرض لیا، پھر کساد واقع ہوا، تو مستقرض کے ذمہ مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، اگرچہ وہ مثل کا سد ہی کیوں نہ ہو، اور وہ قیمت کا ذمہ دار نہیں، اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے، جس کو ناپا جاتا ہو، یا وزن کیا جاتا ہو، کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس کا ضمان مثل کے ساتھ واجب ہے، لہذا کساد یا ریٹ بڑھنے یا گھٹنے کا کوئی اعتبار نہیں، اور یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔“<sup>(۲)</sup>

## امام ابو یوسف کا مذہب

امام ابو یوسف کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ زر کے مہنگا ہونے یا سستا ہونے کی صورت میں قیمت ادا کرنا واجب ہے، حضرات حنفیہ کے ہاں فتویٰ اور عمل اسی قول پر

(۱) المغنی لابن قدامہ (۲/۲۴۲)

(۲) شرح المجملہ للاتاسی (۲/۲۴۸)

ہے، اگر قرض ہو، تو قرض میں یوم القبض کی قیمت کا اعتبار ہے، اور اگر بیع ہو، تو بیع میں یوم العقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:-

”اذا غلت الفلوس قبل القبض او رخصت، قال ابو يوسف .  
قولي وقول ابى حنيفة في ذلك سواء، وليس له غيرهما ثم  
رجع ابو يوسف وقال: عليه قيمتها من الدراهم يوم وقع  
البيع اى في صورة البيع ويوم وقع القرض اى في صورة  
القرض، وبه عدهم ان في الرخص والغلاء قولان، الاول  
ليس له غيرها، والثانى قيمتها يوم البيع وعنه الفتوى  
”قبض سے پہلے فلوس منگے ہو گئے، یا سستے ہو گئے، تو امام ابو یوسف  
نے فرمایا کہ اس میں میرا اور امام ابو حنیفہ کا قول ایک ہے، اور یہ کہ  
اس کو یہی فلوس میں کے، لیکن بعد میں امام ابو یوسف نے رجوع  
فرمایا، اور فرمایا کہ اس پر درابم کی شکل میں ان کی قیمت واجب  
ہوگی، اور اس قیمت میں یوم البیع کا اعتبار ہوگا، اگر بیع ہو، اور یوم  
القبض کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر معاملہ قرض کا ہو، اس سے معلوم ہوا  
کہ رخص اور غلاء میں دو قول ہیں، پہلا قول یہ کہ مثل واجب ہے، اور  
دوسرا قول یہ ہے کہ یوم البیع کی قیمت واجب ہے، اور اسی پر فتویٰ  
ہے۔“

اور علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:-

”اذا غلت قيمة الفلوس او انتقصت، فالبيع على حاله  
ولا يتخير المشتري، ويطالب بالنقد بذلك العيار الذى

(۱) تنبيه الرقود (۲/ ۵۱)

كان وقت البيع، كذا في فتح القدير، وفي البزازية عن  
 الملتقى: غلت الفلوس اور خصت فعند الامام الاول  
 والثاني اولاً: ليس عليه غيرها، وقال الثاني ثانياً: عليه  
 قيمتها من الدراهم يوم البيع والقبض وعليه الفتوى،  
 وهكذا في الذخيرة والخلاصة بالعزو الى المنتقى،  
 وقد نقله شيخنا في بحره وقره فحيث صرح بان الفتوى  
 عليه في كثير من المعتمرات فيجب ان يعول عليه افتاء  
 وقضاء الخ“

”جب فلوس کی قیمت بڑھ جائے، یا گھٹ جائے، تو بیع اپنے حال  
 پر برقرار رہے گی، اور مشتری کو فسخ کا اختیار بھی نہیں رہے گا، اور  
 مشتری سے اس زر کا مطالبہ کیا جائے گا، جو بیع کے وقت تھا، اسی  
 طرح فتح القدير میں بھی مذکور ہے، اور بزازیہ میں الملتقى کے حوالے  
 سے لکھا ہے کہ فلوس کی قیمت بڑھ گئی، یا گھٹ گئی، تو امام اول اور  
 امام ثانی کے نزدیک پہلے یہ مسئلہ تھا کہ مشتری کے ذمہ ان متغیرہ  
 فلوس کے علاوہ مزید کچھ واجب نہیں، اور امام ثانی (امام  
 ابو یوسفؒ) نے بعد میں کہا کہ اس پر ذرا ہم کی شکل میں ان فلوس کی  
 قیمت واجب ہوگی، اور اسی پر فتویٰ ہے، اسی طرح ذخیرہ اور خلاصہ  
 میں مثنقی کے حوالے سے ہے، اور اس کو ہمارے شیخ نے اپنے بحر  
 میں نقل کیا ہے، اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ بہت ساری مستند کتابوں  
 میں اسی پر فتویٰ نقل کیا گیا ہے، لہذا اسی پر فتویٰ میں بھی اور قضاء میں  
 بھی اعتماد کرنا چاہئے۔“<sup>(۱)</sup>

(۱) تنبیہ الرقود (۲۰/۲)۔

العقود الدریہ میں ہے کہ:-

”وان رخصت او غلت فقیل لیس للبانع غیرھا، ای یجب  
عنی المشتري رد المثل، وقیل تجب قیمتھا یوم البیع او  
یوم القبض فی صورة القرض، وعلیہ الفتویٰ“  
”اور اگر فلوں سے ہو گئے یا مینگے ہو گئے، تو ایک قول یہ ہے کہ بائع کو  
یہی فلوں میں گئے، یعنی مشتری مثل واپس کرنا واجب ہے، اور ایک  
قول یہ ہے کہ بیع میں یوم البیع اور قرض میں یوم القبض کی قیمت ادا  
کرنا واجب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔“<sup>(۱)</sup>

علامہ ابن عابدین نے اس بات پر علامہ غزالی کا جزم ذکر فرمایا ہے کہ اس سلسلے

میں فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

”وقد تبعت کثیرا من المعتبرات من کتب مشائخنا  
المعتمدة فلم ار من جعد الفتویٰ علی قول ابی حنیفة  
رضی اللہ عنہ، بل قالوا بہ کان یفتی القاضی الامام، واما  
قول ابی یوسف فقد جعدوا الفتویٰ علیہ فی کثیر من  
المعتبرات فیکن المعول علیہ“

”میں نے (علامہ غزالی نے) اپنے مشائخ کی بہت ساری معتد  
کتابوں کا مطالعہ کیا، تو میں کسی کو نہیں دیکھا جس نے امام ابو حنیفہ  
رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا ہو، البتہ ان کے قول کے مطابق قاضی  
امام فتویٰ دیا کرتے تھے، جہاں تک امام ابو یوسف کے قول کا تعلق  
ہے، تو اس کے مطابق بہت ساری معتد کتابوں میں فتویٰ دیا گیا ہے،  
ابنہذا ہی پر اعتماد کرنا چاہئے۔“<sup>(۲)</sup>

(۱) العقود الدریة (ص ۲۱۰)۔

(۲) تنبیہ الرقود (۲-۱۵)۔

## فائدہ

یاد رکھنا چاہئے کہ کساد، غلاء اور رخص کے ان احکام اور تفصیلات کا تعلق ثمنِ خلقی سے نہیں، بلکہ صرف ثمنِ عرفی سے ہے، کیونکہ ثمنِ خلقی مثلاً سونا یا چاندی کی ثمنیت کبھی بھی باطل نہیں ہوتی، تو اس میں کساد کا تصور نہیں، اسی طرح غلاء یا رخص سے اس میں زیادہ تغیر واقع نہیں ہوتا، جس سے عاقدین کو نقصان یا ضرر پہنچ جائے، تو یہاں اس قسم کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اور سونے چاندی میں مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، اور کسی کے نزدیک بھی قیمت کا اعتبار نہیں، بخلاف ثمنِ اصطلاحی اور عرفی کے، کہ اس میں کساد بھی مؤثر ہوتا ہے، جس کی وجہ بالکل واضح ہے، اسی طرح غلاء اور رخص سے اس میں کافی تغیر واقع ہو سکتا ہے، جس سے عاقدین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے، اس لئے عاقدین کو نقصان سے بچانے کے لئے امام ابو یوسفؒ نے مذکورہ قول اختیار کیا، اور حنفیہ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا، کیونکہ یہ قول مزاجِ شریعت کے زیادہ قریب ہے، اور وہ یہ کہ حق دار کا حق محفوظ رہے، اور اس کو ضرر لاحق نہ ہو۔

## حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کا صحیح محمل

یہاں یہ بات سمجھنی نہایت ضروری ہے کہ غلاء اور رخص کے سلسلے میں حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے، کہ فلوس سستے ہونے یا مہنگے ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک مثل واپس کرنا ضروری نہیں، بلکہ قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے فلوس میں غلاء اور رخص کا اعتبار کیا، تو کیا غلاء اور رخص کا اعتبار موجودہ کرنسی نوٹوں میں بھی ہوگا، اور کرنسی نوٹوں میں بھی امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق افراط اور تفریط کی صورت میں قیمت کا اعتبار ہوگا؟ اگر جواب ”ہاں“ میں ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو قرض دیا تھا، یا اس کے ذمہ اس کا دین تھا، اور بعد میں افراط زر کے نتیجے میں کرنسی نوٹ کی قدر گر گئی، جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے، تو اب حق دار کو کچھ

مزید دیدے، تاکہ افراط زر کے نتیجے میں جو کمی واقع ہوئی ہے، وہ پوری ہو جائے، جیسا کہ رہا جائز سمجھنے والے کہتے ہیں، اور یہ ان کی مستقل ایک دلیل ہے، اس طرح رہا کا دروازہ کھل جائے گا، اور اگر جواب ”نہیں“ میں ہے، تو پھر فلوس اور کرنسی نوٹوں میں فرق بیان کرنا ضروری ہوگا۔

اس کا جواب ”نہیں“ میں ہے، اور اس زمانے کے فلوس اور موجودہ کرنسی نوٹوں میں فرق ہے، کرنسی نوٹ فلوس کی طرح نہیں ہیں، لہذا فلوس میں امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کرنے سے اور اس پر فتویٰ دینے سے لازم نہیں آتا کہ یہی معاملہ موجودہ کرنسی نوٹوں کے ساتھ بھی ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس زمانے میں فلوس سونے اور چاندی کے ساتھ مربوط تھے، اور سونے چاندی کی بنیاد پر ہی ان کی قیمت مقرر ہوتی تھی، اور فلوس سونے چاندی کے سبب بطور ریز گاری استعمال ہوتے تھے، مثلاً:-

۱۰ فلس = درہم

یعنی ایک فلس درہم کا دسواں حصہ (۱/۱۰) ہو گیا، لیکن ایک فلس کی یہ قیمت اس کی ذاتی قیمت کی بنیاد پر مقرر نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ ایک ایسی علامتی قیمت ہوتی تھی، جس کو لوگوں نے اصطلاح بنایا تھا، اس لئے یہ ممکن تھا کہ لوگ اس اصطلاح کو تبدیل کر دیں کہ اب:-

۲۰ فلس = درہم

یعنی ایک فلس درہم کا بیسواں حصہ (۱/۲۰) ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوس سستے ہو گئے اور فلوس کی قیمت و قدر کم ہوئی، اور یہ بھی ممکن تھا کہ لوگ یہ اصطلاح مقرر کر دیں کہ اب:-

۵ فلس = درہم

ہو گیا، یعنی ایک فلس درہم کا پانچواں حصہ (۱/۵) ہو گیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوس کی قدر بڑھ گئی۔

مندرجہ بالا اصول کے مطابق اگر فلوس کی قیمت میں اتار چڑھاؤ آجائے، تو ایسا مقررہ نرخ یا مدیون پر وہی پڑانے سکے واپس کرنا واجب ہوں گے، یا اب ان کی قیمت کا اعتبار

ہوگا، اس میں ذکر کردہ اختلاف ہو گیا، اور حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دے دیا، لہذا ان کے قول کے مطابق اگر کسی شخص نے ایک سو فلوس قرض لئے تھے، اور پھر ایک فلس درہم کا بیسواں حصہ ہو گیا، تو اب وہ دو سو فلوس واپس کرے گا، اس لئے کہ اس نے حقیقت میں دس درہم کی ریز گاری قرض لی تھی، اور اب ادائیگی کے روز دس درہم کی ریز گاری دو سو فلوس ہو گئی، اس لئے قرض دار پر دو سو فلوس ادا کرنا واجب ہو گئے۔

لیکن جہاں تک موجودہ کرنسی نوٹوں کا تعلق ہے، ان کا کسی دوسرے ثمن کے ساتھ کوئی ربط اور تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی یہ نوٹ کسی اور ثمن کے لئے بطور ریز گاری اور اجزاء کے استعمال ہوتے ہیں، بلکہ وہ خود مستقل ثمن ہیں، لہذا کرنسی نوٹوں کو فلوس پر قیاس کرنا درست نہیں، اس کے علاوہ فلوس کی صحیح قیمت معلوم کرنا ممکن تھا، کیونکہ وہ سونے یا چاندی کے ایک خاص معیار کے ساتھ مربوط تھے، بخلاف کرنسی نوٹوں کے کہ ان کا کوئی حقیقی معیار نہیں، بلکہ اس میں اشیاء کی قیمتوں کو دیکھ کر اندازہ اور تخمین سے کام لیا جاتا ہے، جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

خلاصہ یہ کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کا تعلق گزشتہ زمانے کے فلوس سے ہے، اور ان فلوس اور کرنسی نوٹوں میں فرق ہے، اس لئے اس حکم میں کرنسی نوٹ فلوس کی طرح نہیں ہوں گے، اور کرنسی نوٹ میں ”قیمت“ کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ ”مثل“ کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ جمہور فقہائے کرام کا موقف ہے، لہذا امام ابو یوسفؒ کے قول کو بنیاد بنا کر کرنسی نوٹوں میں افراط زر کی بنیاد پر اضافے کو جائز قرار دینا درست نہیں۔<sup>(۱)</sup>

### قیمتوں کا اشاریہ (Price Index)

اس کو انڈیکس نمبرز (Index Numbers) بھی کہتے ہیں۔

عام اشیاء کی قدر زر کی مدد سے ماپی جاتی ہے، مثلاً: ہم کہتے ہیں کہ کرنسی کی قیمت

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۴۲)

\_\_\_\_\_ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم



دو سو روپے ہے، اور مکان پانچ لاکھ روپے کا ہے، لیکن خود زر کی قیمت و قدر اشیاء کی قیمتوں کے معیار سے پرکھی جاتی ہے، مثلاً: ہم کہتے ہیں کہ دس سال قبل سو روپے کی قدر ایک من گندم کے برابر تھی، لیکن آج صرف دس کل کے برابر ہے، لہذا زر کی قدر اس وقت زیادہ تھی، جب بھی تو اس کے بدلے زیادہ چیزیں آئیں، اور اب کم ہو گئی، کیونکہ چیزیں کم ہو گئیں۔

اب زر کی پیمائش کس طرح ہوگی؟ اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ چند ایسی اشیاء جو کثیر الاستعمال ہوں، منتخب کی جاتی ہیں، اور ان کی (مختلف تاریخوں کے حساب سے) قیمتوں کا موازنہ (Comparison) کیا جاتا ہے، اس کو اشاریہ (Index) کہتے ہیں۔

## ”اشاریہ“ کا طریقہ اور اس کے مختلف مراحل

زیر بحث مسئلے کا شرعی حکم جاننے کے لئے قیمتوں کا اشاریہ وضع کرنے کا طریقہ اور کرنسی کی قیمت کی تعیین میں اس کے استعمال کو جاننا ضروری ہے، لہذا اقرضوں کا قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ تعلق کے سلسلے میں معاشین جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، ذیل میں اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ کرنسی خواہ دھات کی ہو، یا کاغذ کی ہو، وہ بذات خود قسود نہیں، بلکہ اس کرنسی کے ذریعے انسان اپنی ضروریات زندگی کی اشیاء، خدمات (Goods & Services) خریدتا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے، تو ہ کرنسی کی دو قیمتیں ہوتی ہیں، ایک اس کی ظاہری قیمت (Face Value) اور دوسری اس کی حقیقی قیمت (Real Value)، ظاہری قیمت کرنسی کی وہ قیمت کہلاتی ہے، جو اس کے اوپر لکھی ہوئی ہوتی ہے، اور حقیقی قیمت اشیاء، خدمات کا وہ مجموعہ ہے، جو ایک انسان کے لئے اس کرنسی کے ذریعے خریدنا ممکن ہو،

آج کل معیشت دان اشیاء و خدمات کے اس مجموعے کو ”اشیاء کی ٹوکری“ (Basket of Goods) کہتے ہیں۔

مثلاً اگر زید کی ماہانہ تنخواہ دس ہزار روپے ہے، تو دس ہزار روپے اس کی ماہانہ آمدنی کی ظاہری قیمت ہے، پھر وہ یہ دس ہزار روپے مندرجہ ذیل اشیاء و خدمات میں صرف کرتا ہے:-

اشیاء و خدمات کی ٹوکری

(Basket of Goods  
& Services)

گندم = ۴۰ کلو

کپڑا = ۲۰ میٹر

گوشت = ۲۰ کلو

دال = ۵ کلو

مکان کا کرایہ

دو بیٹوں کے تعلیمی اخراجات

طبی معائنے کی فیس

یہ اشیاء و خدمات کی ٹوکری ہے، اور یہ ٹوکری دس ہزار روپے کی حقیقی قیمت ہے۔ پھر اشیاء کی ٹوکری میں درج شدہ اشیاء سب ایک طرح اہمیت نہیں رکھتیں، بلکہ بعض چیزیں دوسرے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں، مثلاً گندم کپڑے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، اور کپڑا چائے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، اور اس میں شک نہیں کہ ہر انسان کی زندگی پر اہم اشیاء میں تبدیلی زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، بہ نسبت ان کی اشیاء کی قیمتوں میں تبدیلی کے جو کم اہمیت رکھتی ہوں، لہذا اگر چائے کی قیمت زیادہ ہو جائے، تو اتنی مشکلات پیدا نہ ہوں گی جتنی گندم کی قیمت زیادہ ہونے سے پیدا ہوں گی،

ابذا کرنسی کی حقیقی قیمت میں تبدیلی کو اشیاء کی قیمتوں میں اوسط تبدیلی کے ذریعے معلوم کرنے کے لئے ماہرین معاشیات ہر چیز کی ایک خاص اہمیت فرض کرتے ہیں، پھر فرض کی ہوئی اہمیت کی بنیاد پر تمام اشیاء کے لئے علیحدہ علیحدہ نمبر مقرر کرتے ہیں، اس نمبر کو معیشت دان ”چیز کا وزن“ (Weight of Commodity) کہتے ہیں، اور اس طرح اشاریہ کو ”وزن دار اشاریہ“ (Weighted Index Number) کہتے ہیں۔

اور اگر اشاریہ میں تمام اشیاء کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کیا جائے، اور ہر چیز کو ایک ہی وزن دیا جائے، تو اس اشاریہ کو ”سادہ اشاریہ“ (Simple Index Number) کہتے ہیں۔

اشاریہ بنانے میں مختلف مراحل ہوتے ہیں :-

۱- اہم اشیاء کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

۲- ہر شے کو اس کی اہمیت کے پیش نظر ایک خاص وزن دیا جاتا ہے۔

۳- بنیادی سال کا انتخاب کیا جاتا ہے، یہ سال ایسا ہونا ضروری ہے جس میں

معاشی اعتبار سے کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہ ہوا ہو، جس میں عام اشیاء کی قیمتیں نہ بہت کم ہوں، اور نہ بہت زیادہ ہوں، نہ یہ قحط کا سال ہو، نہ بہتات کا، نہ جنگ کا زمانہ ہو، نہ طویل امن کا، گویا کہ یہ سال نارمل ہو۔

۴- بنیادی سال کے مقابلے میں اس سال کا انتخاب کیا جاتا ہے، جس کی قیمتوں

کے ساتھ بنیادی سال کی قیمتوں کا تقابل کیا جاتا ہے۔

۵- دونوں سالوں کے درمیان قیمت کی تبدیلی کا اوسط نکالا جاتا ہے۔

۶- اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن سے ضرب دی جاتی ہے۔

۷- حاصل ضرب کو جمع کیا جاتا ہے، حاصل جمع دونوں سالوں کی قیمتوں کا فرق

ہوتا ہے۔

درج ذیل نقشہ ملاحظہ ہو!

۱ اشیاء	۲ وزن	۳ ۱۹۸۰ء	۴ ۱۹۹۷ء	۵ تبدیلی اوسط	۶ نتیجہ ضرب
کھانا	۵۰٪	۳۰ کلو = ۵۰ روپے	۳۰ کلو = ۱۰۰ روپے	$۲ = ۱۰۰ / ۵۰$	۱
کپڑا	۲۰٪	۱۰ روپے میٹر	۳۰ روپے میٹر	$۳ = ۳۰ / ۱۰$	۶
مکان	۳۰٪	۵۰۰ ماہانہ کرایہ	۱۵۰۰ روپے	$۳ = ۱۵۰۰ / ۵۰۰$	۹
مجموعہ					۲،۵

## وضاحت

کالم ۱ :- انسان کی ضروریات میں سب سے اہم اشیاء کھانا، کپڑا اور مکان ہیں، اس لئے، ان تینوں کا انتخاب کیا گیا۔

کالم ۲ :- اس کا مطلب یہ ہے کہ زید مثلاً اپنی تنخواہ کا پچاس فیصد کھانے میں، بیس فیصد کپڑے میں اور تیس فیصد رہائش میں صرف کرتا ہے۔

کالم ۳، ۴ :- میں دو سال کی قیمتوں کا تقابل کیا گیا کہ مثلاً ۸۰ء میں تیس کلو گندم کی قیمت پچاس روپے تھی، اور ۹۷ء میں یہ قیمت بڑھ کر سو روپے ہو گئی۔

کالم ۵ :- میں دونوں سال کی قیمتوں کی تبدیلی کا اوسط نکالا، جس کے لئے ۸۰ء کی قیمتوں کو ۹۷ء کی قیمتوں پر تقسیم کیا، یعنی:  $۲ = ۱۰۰ / ۵۰$ ، یہ اوسط تبدیلی ہے۔

کالم ۶ :- اس میں اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن کے ساتھ ضرب دیا، یعنی:

$$۱ = ۵۰ / ۱۰۰ \times ۲ / ۱ = ۵۰\% \times ۲$$

مجموعہ: سے مراد یہ ہے کہ اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن میں ضرب سے جو حاصل ضرب نکلا، اس کو جمع کیا، یعنی :-

$$۲.۵ = ۰.۹ + ۰.۶ + ۱.۰$$

”۲.۵“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اشیاء کی نوکری جس کو ایک شخص ۸۰، میں سو روپے میں خرید سکتا تھا، وہ ۹۷، میں انہی اشیاء کی نوکری کو دو سو پچاس روپے میں خرید سکے گا، کیونکہ کرنسی کی حقیقی قیمت میں ۲۵٪ کے تناسب سے کمی واقع ہوگئی۔

اگر ہم فرض کریں کہ ۸۰، میں ایک شخص کی ماہانہ تنخواہ ۵۰۰۰ روپے تھی، اور ۹۷، میں اس کی ماہانہ تنخواہ زیادہ ہو کر ۱۰۰۰۰ روپے ہوگئی، تو اس کی ماہانہ تنخواہ کی قیمت اور حیثیت کا حساب مندرجہ ذیل طریقے سے کیا جائے گا:-

سال	ظاہر قیمت	زیادتی کا تناسب	حقیقی قیمت	کیفیت
۱۹۸۰	۵۰۰۰	۰.۱	۵۰۰۰	۱ × ۵۰۰۰ / ۰
۱۹۹۷	۱۰۰۰۰	۵.۲	۲۰۰۰	۲ × ۱۰۰۰۰ / ۵

تو گویا کہ ۱۰۰۰۰ روپے ۲۰۰۰ روپے مساوی ہو گئے۔

لہذا اگر کسی نے ۸۰، میں ۲۰۰۰ روپے قرض لئے تھے، تو اب ۹۷، میں وہ ۱۰۰۰۰ روپے واپس کرے، بصورت دیگر حق دار پر ظلم ہوگا، اسی وجہ سے بعض معیشت دان کہتے ہیں کہ اس زمانے میں قرض دین کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا ضروری ہے، اور اس کے حساب سے قرض اور دیون کی ادائیگی کرنی چاہئے۔

کیا قرض اور اجرت کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے؟  
(Indexation System)

حکم شرعی کے اعتبار سے قرض دین کا اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے اور اجرت کو اس کے ساتھ مربوط کرنے کا حکم الگ الگ ہے، قرض یا دین کا اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، البتہ اجرت میں پیہ تفصیل ہے، دونوں مسئلوں کا خلاصہ ذیل میں مذکور ہے۔

## قرضوں کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا شرعاً کیسا ہے؟

اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ قرضوں پر مذکورہ بالا زیادتی کو جائز کہنا اور اس کو عین انصاف قرار دینا شرعی قواعد کے مطابق نہیں، اس لئے کہ شریعت اسلامیہ میں قرضوں کو اسی مقدار کی مثل ادا کرنا واجب ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، حتیٰ کہ جو لوگ قرضوں کی قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ تعلق کے جواز کے قائل ہیں، وہ بھی اس اصول کو مانتے ہیں، لہذا اب ”مثل“ کی تعیین کرنی ہے، کہ مثل سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ مثل کی دو قسمیں ہیں: ایک مثل معنوی اور ایک مثل صوری، تو قرضوں کی واپسی میں جس مثل کا اعتبار ہے، اس سے مراد مثل صوری ہے، یا مثل معنوی ہے، مثل معنوی سے یہاں مراد قیمت ہے، اور مثل صوری کا مطلب یہ ہے کہ جتنی چیز گنتی کے حساب سے یا وزن کے حساب یا کیل کے حساب سے قرض لی ہے، اسی مقدار میں واپس کرے، خواہ اس کی قیمت کچھ بھی ہو۔

قرآن و سنت اور لوگوں کے معاملات کے مشاہدے سے جو بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ”مثل“ سے یہاں مراد مثل صوری ہی ہے، یعنی کمیت میں برابری ضروری ہے نہ کہ قیمت اور مالیت میں، چند دلائل ذیل میں مذکور ہیں:-

۱- اگر ایک شخص دوسرے سے ایک کلو گندم بطور قرض لے، اور قرض لیتے وقت ایک گندم کی قیمت پانچ روپے تھی، اور جب وہ قرض دار قرضہ واپس کرنے لگا، تو اس وقت ایک کلو گندم کی قیمت دو روپے ہو گئی تھی، تو اب بھی وہ صرف ایک کلو گندم واپس کرے گا، زیادہ نہیں، باوجود یہ کہ ایک کلو گندم کی قیمت پانچ روپے سے کم ہو کر دو روپے رہ گئی، اور اس مسئلے میں فقہائے متقدمین و متاخرین کا اجماع ہے، فقہاء میں سے کوئی بھی اس مسئلے میں یہ نہیں کہتا کہ اس صورت میں جب کہ گندم کی مالیت کم ہو گئی ہے صرف ایک کلو گندم واپس کرنا قرض خواہ پر ظلم ہے، اس لئے گندم کی قیمت میں جتنی کمی واقع ہوئی ہے، اسی نسبت سے اضافہ کر کے قرض خواہ کو واپس کرے، یعنی ایک کلو گندم کی بجائے اب قرض دار ڈھائی کلو

گندم واپس کرے، اس لئے کہ ڈھائی کلو گندم کی مالیت اب وہی ہے، جو قرض لیتے وقت ایک کلو گندم کی تھی۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرض میں جس "مثلیت" اور برابری کا اعتبار ہے، وہ مقدار اور قیمت میں برابری ہے، قیمت اور مالیت میں برابری معتبر نہیں۔

۲۔ تمام فقہانے کرام کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ قرضوں کی واپس میں برابری کی

شرط صاف سود سے بچنے کے لئے ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطلوبہ برابری کو رباً النفس کی احادیث میں پوری تشریح کے ساتھ واضح فرما دیا ہے، چند احادیث مبارکہ بطور نمونہ درج نظر ہوں!

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ . قال کذا نرزق تمر الجمع عسی عهد رسول اللہ ﷺ . وهو الخلط من تمر فکنا نبیع صاعین بصاء . فبیع ذلک رسول اللہ ﷺ فقال لا صاعین تمرا بصاء . ولا صاعین حنطة بصاء ولا درهما بدرہمین۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارے پاس ہر قسم کی ملی جلی کھجوریں آیا کرتی تھیں، ہم (کھجیا کھجور کے) دو صاع (بڑھیا کھجور) کے ایک صاع کے بدلے میں بیچ دیتے تھے، جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے فرمایا کہ وہ صاع کھجور و ایک صاع کھجور کے بدلے میں مت بیچو، اور نہ دو صاع گندم ایک صاع گندم کے بدلے میں بیچو، اور ایک درہم دو درہم کے بدلے میں مت بیچو۔“<sup>(۱)</sup>

(۱) جامع الاصول، ابن الاثیر الجزری، الامام مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد، المتوفی ۶۰۶ھ، حنوان، مکتبۃ الحنوانی، طبع ۱۳۸۹ھ (۱۹۶۷ء)

اس حدیث مبارک سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت میں مثلیت اور برابری کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ قیمت میں برابری اور مثلیت کا اعتبار کیا، کیونکہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی کہ جو کھجور دو صاع کے بدلے میں بیچی جائے گی وہ اس کھجور کے مقابلے میں زیادہ قیمتی ہوگی، جو ایک صاع کے عوض بیچی جائے گی، لیکن اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہیں ہوئے، بلکہ مقدار اور ناپ میں مماثلت اور برابری کا حکم دیا، اور قیمت کا اعتبار نہیں کیا۔

عن ابی سعید و ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما : ان رسول اللہ ﷺ استعمل رجلا علی خیبر فجاء ہم بتمر جنیب، فقال : اکل تمر خیبر ہکذا؟ قال : انا لناخذ الصاع بالصاعین والصاعین بالثلاث، قال : لا تفعل، بع الجمع بالدرہم ثم ابتع بالدرہم جنیبا۔

”حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا، وہ عامل جب واپس آیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنیب (کھجور کی ایک عمدہ قسم) کھجور پیش کیس، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہم ایک صاع کو دو صاع کے بدلے میں اور دو صاع کو تین صاع کے بدلے میں تبدیل کر لیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ جمع کھجور کو پہلے ذرا ہم کے عوض فروخت کر دو، پھر ان ذرا ہم سے جنیب کھجور خرید لیا کرو۔“<sup>(۱)</sup>

یہ حدیث شریف اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اموال ربویہ میں جو مماثل اور

(۱) جامع الاصول (۵۵/۱)۔



برابری مطلوب ہے، وہ مقدار میں مماثل ہے، قیمت میں مماثل اور برابری مطلوب نہیں، اس لئے کہ جنیب کھجور جمع کھجور کے مقابلے میں بہت اتنی درجے کی قیمتی اور عمدہ کھجور تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک قسم کی دوسری قسم سے تبدیل کرنے کی صورت میں عمدہ اور حلیا ہونے کا بالکل اعتبار نہیں کیا، بلکہ وزن میں برابری کو ضروری قرار دیا۔

عن عبادة بن صامت رضي الله تعالى عنه قال رسول الله  
ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير  
بالشعير والتمر بالتمر والمذح بالمذح مثلاً بمثل سواء بسواء  
يبدأ بيد، فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا  
كان يبدأ بيد۔

”حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے میں چاندی کو چاندی کے بدلے میں گندم کو گندم کے بدلے میں، جو جو جو کے بدلے میں کھجور کو کھجور کے بدلے میں اور نمک کو نمک کے بدلے میں ہاتھ در ہاتھ پیو، ہاں اگر ان اشیاء کی بیع میں جنس مختلف ہو جائے، تو پھر جس طرح چاہو، پیو، ہتھ طیکہ ہاتھ در ہاتھ ہوں۔“<sup>(۱)</sup>

عن ابی ہریرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله  
ﷺ الذهب بالذهب وزناً بوزن مثلاً بمثل والفضة  
بالفضة وزناً بوزن مثلاً بمثل فمن زاد او استزاد فهو ربا۔  
”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی  
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے میں وزن کر کے پیو،

(۱) جامع الاصول (۱/۵۵۲)۔

اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں وزن کر کے بیچو، ان میں جو شخص زیادتی کرے، یا زیادتی طلب کرے، تو وہ زیادتی سو ہے۔“ (۱)

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ قال: الذهب بالذهب تبرها وعینها، والفضة بالفضة تبرها وعینها، والبر بالبر بمدین بمدین والشعیر بالشعیر بمدین بمدین والتمر بالتمر بمدین بمدین والملح بالملح بمدین بمدین فمن زاد او اسزاد فقد اربى۔

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے میں چاہے وہ سونے کا ٹکڑا ہو، یا ڈھلا ہوا سکھ ہو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں چاہے وہ چاندی کا ٹکڑا ہو، یا ڈھلا ہوا سکھ ہو، اور دو مدی گندم کو دو مدی گندم کے بدلے میں، اور دو مدی جو کو دو مدی جو کے بدلے میں، اور دو مدی کھجور کو دو مدی کھجور کے بدلے میں اور دو مدی نمک کو دو مدی نمک کے بدلے میں بیچو، اور جس شخص نے زیادتی کی یا زیادتی طلب کی، اس نے سو لیا۔“ (۲)

مندرجہ بالا ساری احادیث اس بات کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں کہ شریعت میں جو تماشل اور برابری مطلوب ہے، وہ مقدار میں برابری ہے، اموالِ ربویہ میں قیمت کے تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس سلسلے میں ایک حدیث اور ہے، جو خاص کر قرض ہی میں مثلیت اور برابری کو واضح کرتی ہے:-

(۱) جامع الاصول (۱/۵۵۳)۔

(۲) جامع الاصول۔

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: كنت ابيع الابل بالبقيع فابيع بالدنانير وَاخذ الدراهم، و ابيع بالدراهم وَاخذ الدنانير آخذ هذه من هذه، و اعطى هذه من هذه، فاتيت رسول الله ﷺ وهو في بيت حفصة، فقلت يا رسول الله اريدك اسئلك، انى ابيع الابل بالبقيع فابيع بالدنانير وَاخذ الدراهم و ابيع بالدراهم وَاخذ الدنانير، آخذ هذه من هذه و اعطى هذه من هذه، فقال رسول الله ﷺ: لا بأس ان تاخذها بسعر يومها ما لم تفترقا وبنكما شئى -

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میں مقام بقیع میں اونٹ بیچا کرتا تھا، تو کبھی دیناروں کے ذریعے بھاؤ کر کے اونٹ بیچتا، اور بجائے دینار کے مشتری سے دراہم لے لیتا، اور کبھی ذراہم کے ذریعے بھاؤ کرتا، اور بجائے ذراہم کے دینار وصول کرتا، یعنی دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار وصول کرتا، اور ادا کرتے وقت بھی ذراہم کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار ادا کرتا ہوں، ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے، میں نے کہا: میں مقام بقیع میں اونٹ بیچا کرتا تھا، تو کبھی دیناروں کے ذریعے بھاؤ کر کے اونٹ بیچتا، اور بجائے دینار کے مشتری سے ذراہم لے لیتا، اور کبھی ذراہم کے ذریعے بھاؤ کرتا، اور بجائے ذراہم کے دینار وصول کرتا، یعنی دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار وصول کرتا، اور ادا کرتے وقت بھی درہم کے

بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار ادا کرتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اسی روز کے بھاؤ کے برابر ہو، اور تم دونوں کے درمیان اس حالت میں جدائی نہ ہو، کہ تمہارے درمیان کوئی لین دین باقی ہو۔<sup>(۱)</sup>

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے اس چیز کو جائز قرار دیا کہ جب بیع دینار کے ذریعے ہو، تو ادائیگی کے روز دینار کی جو قیمت ہو، اس قیمت کے برابر درہم وصول کر لیں، جس روز ذمہ واجب ہوئے ہوں، اس روز کی قیمت کا اعتبار نہیں، مثلاً بیع میں ایک دینار طے ہوا، اور بیع کے روز ایک دینار کی قیمت دس درہم تھی، اور اس وقت مشتری نے ادا نہیں کی، کچھ روز بعد جب مشتری نے قیمت ادا کرنا چاہا تو اس وقت اس کے پاس درہم تو تھے مگر دینار نہیں تھے، اور اس روز ایک دینار کی قیمت گیارہ درہم ہو گئی، تو اب مشتری بائع کو گیارہ درہم ہی ادا کرے گا۔

قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات تمام فقہاء کے نزدیک مسلم ہے کہ قرض کی واپسی کے وقت مقدار میں یقینی مثلیت اور برابری شرط ہے، انکل اور اندازے سے واپس کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اگر ایک شخص نے ایک صاع گندم بطور قرض لئے اور یہ شرط ٹھہرائی کہ قرض دار مجھے بغیر ناپ کے صرف اندازے اور تخمین سے ایک صاع واپس کرے، تو قرض کا یہ معاملہ جائز نہیں، اس لئے کہ اموال ربوہ میں اندازے اور تخمین سے ایک صاع واپس کرنا جائز نہیں، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ کو حرام قرار دیا ہے، بیع مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے میں بیچا جائے اور اس کی حرمت کی وجہ یہی ہے کہ جو کھجور ٹوٹی ہوئی ہے، اس کی مقدار وزن کے ذریعے معلوم کی

(۱) سنن ابوداؤد کتاب البیوع۔

جاسکتی ہے، اور جو کچھ خورد رخت پر لگی ہوئی ہے اس کی مقدار معلوم کرنے کا طرہ یقہ اندازہ اور تخمین کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نفع کو علی الاطلاق حرام قرار دے دیا، حالانکہ بعض اوقات اندازہ بالکل صحیح یا صحیح کے قریب ہوتا ہے، لہذا اموال ربویہ میں سے بعض کو بعض سے تبادلہ کرنے کا صرف ایک ہی طرہ یقہ ہے، وہ یہ کہ دونوں میں تبادلہ عملی طور پر مقدار میں برابری کے ذریعے ہو، اندازہ اور تخمین کے ذریعے برابری کافی نہیں ہے۔

دوسری طرف اگر قرضوں کو قیمتوں کے اشاریے سے منسلک کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرض کی ادائیگی میں حقیقی مثلیت کا اعتبار نہیں کیا گیا، بلکہ ایک تخمینی مثلیت پر ادائیگی کی بنیاد رکھی گئی، اس لئے کہ قیمتوں کے اشاریے میں اشیاء کی قیمتوں میں کمی اور زیادتی کا جو تناسب نکالا جاتا ہے، وہ تقریبی اور تخمینی ہوتا ہے، جس کی بنیاد ایک ایسا نمونہ حسابی طرہ یقہ ہے جو اندازے اور اٹکل ہی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اس حسابی طرہ یقہ میں درج ذیل مقامات پر اٹکل اور اندازے سے کام لیا

جاتا ہے۔

### ۱- اشاریے میں درج شدہ اشیاء کی تعیین

یہ بات معلوم ہی ہے کہ ہر شخص کی اپنی خاص ضروریات ہوتی ہیں، اس لئے ایک شخص کی اشیاء کے ضرورت بھی دوسرے شخص سے مختلف ہوں گی، لہذا ایک شخص کی اشیاء کی نوکری دوسرے شخص کی نوکری سے مختلف ہوں گی، لیکن اشاریے میں درج شدہ نوکری صرف ایک ہے، جس میں اشیاء کو اس کے استعمال کرنے والوں کی کثرت کی بنیاد پر درج کیا جاتا ہے، اس لئے بعض اوقات اس میں ایسی اشیاء بھی درج ہوتی ہیں، جن کی بعض لوگوں کو پوری زندگی میں کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، اس لئے ان بعض کے اعتبار سے یہ اشاریہ درست نہیں ہو سکتا، لہذا معلوم ہوا کہ اشاریے میں بعض اشیاء کے اندازے اور تخمین سے درج کی جاتی ہیں۔

## ۲- اشیاء کے وزن (اہمیت) کی تعیین

دوسرے یہ کہ اشیاء کے وزن اور صارفین کے اعتبار سے اس کی اہمیت کے تعیین میں اندازے اور اٹکل سے کام لیا جاتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اشیاء کی اہمیت ایک اضافی چیز ہے، جو اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے، بعض اوقات ایک چیز ایک شخص کے نزدیک بہت اہمیت کی حامل ہے، اور وہی چیز دوسرے شخص کے لئے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی، اشاریہ اس مفروضے پر بنایا جاتا ہے کہ ہر چیز کی جو اہمیت ہم نے فرض کی ہے، وہ تمام صارفین کے اعتبار سے ہے، اور یہ درمیانی اوسط کی بنیاد پر فرض کی جاتی ہے، جو صرف اندازے اور تخمین ہی سے نکالی جاتی ہے۔

## ۳- اشیاء کی قیمت کا تعیین

تیسرے یہ کہ مختلف سالوں میں اشیاء کی قیمتوں کا تعیین بھی اندازے اور اٹکل سے کیا جاتا ہے، اس لئے کہ ظاہر ہے کہ ایک ہی چیز کی قیمت مختلف شہروں اور جگہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگی، اور اشاریے میں صرف ایک ہی جگہ کی قیمت کا اندراج ممکن ہے، اس لئے اگر ایک ملک کا اشاریہ بنانا ہو، تو صرف تمام جگہوں کی قیمتوں کا درمیانی اوسط نکال کر ہی بنایا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اوسط اندازے اور تخمین ہی کے ذریعے نکالا جاسکے گا۔

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہو گیا کہ اشاریہ اپنے تمام مراحل میں اندازے اور تخمین پر مبنی ہے، اور اگر کسی جگہ پر حساب بہت باریک بینی اور پوری احتیاط سے بھی کیا جائے، تو بھی اس کے نتیجے کو زیادہ سے زیادہ تقریبی تو کہہ سکتے ہیں، یقینی اور واقعی پھر بھی نہیں کہہ سکتے، جبکہ اوپر احادیث کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ قرضوں کی واپسی میں اٹکل اور اندازے کی شرط لگانا جائز نہیں، لہذا قرضوں کی ادائیگی کا قیمتوں کے اشاریے سے منسلک کر دینا کسی حال میں درست نہیں۔<sup>(۱)</sup>

(۱) فقہی مقالات، عثمانی (سٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مبین اسلامک پبلشرز کراچی ۱۹۹۴ء  
(۴۹/۱)۔





تفصیل اس کی یہ ہے کہ اجرتوں کو اشاریے کے ساتھ مربوط کرنے کی تین صورتیں ممکن ہیں:-

### پہلی صورت

پہلی صورت کہ اجرتیں اور تنخواہیں نوٹوں کے ذریعے طے ہو جائیں، کہ اتنی اجرت یا تنخواہ دی جائے گی، اور مالک اور مزدور کے درمیان یہ معاہدہ ہو جائے کہ یہ تنخواہ ہر سال قیمتوں کے اشاریے کے زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی، مثلاً حکومت ایک شخص کو تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملازم رکھے، اور یہ معاہدہ کرے کہ یہ تنخواہ ہر سال کے شروع میں قیمتوں کے اشاریے میں زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی، اس صورت میں اس ملازم کو ہر سال کے آخر تک ہر ماہ تین ہزار روپے ہی قبول کرنے پڑیں گے، اور درمیان سال میں قیمتوں کے اشاریے میں زیادتی کے تناسب کو نہیں دیکھا جائے گا، البتہ جب نیا سال شروع ہوگا، تو اس وقت اشاریے کو دیکھا جائے گا، کہ ایک سال کے اندر اس میں کس تناسب سے زیادتی ہوئی، مثلاً قیمتوں کے اشاریے میں ۵٪ کے تناسب سے زیادتی ہوئی تھی، تو اس ملازم کی تنخواہ میں بھی اسی تناسب سے زیادتی کرنی ہوگی، لہذا اب نئے سال سے اس کی تنخواہ تین ہزار ایک سو پچاس روپے ہو جائے گی۔

یہ طریقہ بہت سے ممالک مثلاً پاکستان وغیرہ میں رائج ہے، اور اس قسم کے ربط کی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں کا حاصل یہ ہے کہ دونوں فریق اجرتوں اور تنخواہوں میں ہر سال یا ہر چھ ماہ بعد ایک متعین شرح تناسب سے زیادتی پر متفق ہو گئے ہیں، اور یہ زیادتی کا تناسب اگرچہ عقد کے وقت تو فریقین کے علم میں نہیں تھا، مگر وہ پیمانہ معلوم ہے جس کی بنیاد پر تناسب کا تعین ہوگا، اس لئے زیادتی کی مقدار میں جو جہالت کا شبہ تھا، وہ مرتفع ہو گیا، یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر نئے سال کے شروع میں جس تناسب سے قیمتوں میں زیادتی ہوئی ہوگی، اسی تناسب سے اضافہ شدہ اجرت پر اس عقدِ اجارہ کی



تجدید کی جائے گی، اور اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔

## دوسری صورت

اجرتوں کے قیمتوں کے اشاریے سے رابطہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ اجرت کی تعمیر نوٹوں کی ایک معلوم مقدار پر ہو جائے، لیکن عقد میں شرط کر لیں کہ مالک کے ذمہ یہ مقدار معلوم واجب نہیں، بلکہ اس کے ذمہ وہ مقدار واجب ہوگی جو قیمتوں کے اشاریے کی روت مہینے کے آخر میں اس مقدار معلوم کے مساوی اور برابر ہوگی۔

مثلاً زید نے عمر و کو ایک ماہ کے لئے ملازم رکھا اور یہ طے پایا کہ زید عمر و کو مہینے کے آخر میں قیمتوں کے اشاریے کے لحاظ کرتے ہوئے اتنی رقم اجرت میں دے گا، جو موجودہ ایک ہزار روپے کے مساوی ہوگی، چنانچہ قیمتوں کے اشاریے میں ایک ماہ کے اندر دو فیصد کے تناسب سے قیمتیں بڑھ گئیں، تو اب زید مہینے کے آخر میں عمر و کو ایک ہزار بیس روپے ادا کرے گا، اس لئے کہ یہ ایک ہزار اور بیس روپے شروع مہینے کے ایک ہزار روپے کے مساوی ہیں۔

لیکن جب مہینے کے آخر میں یہ طے ہو گیا کہ تنخواہ ایک ہزار اور بیس روپے ہے، تو اب یہ تنخواہ ہمیشہ کے لئے ایک ہزار اور بیس روپے ہی رہے گی، زائد نہ ہوگی، لہذا اگر مالک مہینے کے آخر میں یہ تنخواہ ادا نہیں کرے گا حتیٰ کہ ایک مہینہ اور گزر گیا، یا ایک سال گزر گیا، اور اس نے تنخواہ ادا نہیں کی، تب بھی مالک کے ذمہ ایک ہزار اور بیس روپے واجب ہوں گے، قیمتوں کے اشاریے میں زیادتی سے اس میں زیادتی نہیں آئے گی، مثلاً اگر اس عرصے میں قیمتوں کے اشاریے میں دس فیصد کے تناسب سے اضافہ ہو چکا ہے، اس لئے اب مجھے ایک ہزار بیس روپے پر دس فیصد کے حساب سے اضافہ کر کے اجرت دی جائے، اس لئے عقد کے وقت ہی آپس کے اتفاق سے اجرت کے بارے میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ہزار کے مساوی ہوں گے، وہ دیئے جائیں گے، اور

صرف تعین کے لئے قیمتوں کے اشاریے کو مد نظر رکھا جائے گا، لیکن جب مہینے کے آخر میں قیمتوں کے اشاریے کی بنیاد پر ایک مرتبہ اجرت طے ہوگئی، تو اب قیمتوں کے اشاریے کا کام مکمل ہو چکا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی اور اب وہ معین اجرت مالک کے ذمہ قرض ہوگئی، جس میں آئندہ نہ تو زیادتی ہو سکتی ہے، اور نہ کمی واقع ہو سکتی ہے، قیمتوں کے اشاریے میں چاہے کتنے بھی تغیرات واقع ہو جائیں۔

جہاں تک اس صورت کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے، اس میں جسٹس مفتی محمد تقی صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ قیمتوں کا اشاریہ اور اس کے حساب کا طریقہ فریقین کو اچھی طرح معلوم ہو، تاکہ بعد میں لاعلمی کی بناء پر آپس میں جھگڑا نہ ہو جائے، اس لئے کہ یہاں دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ طے شدہ اجرت ایک ہزار روپے نہیں، بلکہ قیمتوں کے اشاریے کے اعتبار سے مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ایک ہزار روپے کے مساوی ہوں گے، وہ مالک پر دینے واجب ہوں گے، جس کو حساب کے ذریعے نکالنے کا طریقہ دونوں فریق کو معلوم بھی ہو، لہذا اجرت کی مقدار میں اتنی جہالت جھگڑا کا سبب نہیں بنے گی، اور شرعاً اتنی جہالت متحمل ہوتی ہے۔

### تیسری صورت

تیسری صورت کہ اجرت تو روپے کی معین مقدار کے ذریعے طے ہو جائے، اور فریقین کے درمیان یہ شرط ہو جائے کہ وہ اجرت مالک کے ذمہ واجب ہوگی، جو عقد اجارہ میں طے ہوئی ہے، لیکن جس دن یہ اجرت ادا کرے گا، اس دن قیمتوں کے اشاریے میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہوگا، اسی تناسب سے وہ اجرت میں بھی اضافہ کر کے ادا کرے گا۔

مثلاً ایک شخص نے کسی کو ایک ہزار روپے پر ملازم رکھا، اور دونوں کے درمیان یہ طے ہو گیا کہ اجرت ایک ہزار روپے ہے، لیکن مالک پر یہ ضروری نہیں ہوگا کہ جس دن وہ یہ اجرت ادا کرے گا، اس دن قیمتوں کے اشاریے میں جس تناسب سے اشیاء کی قیمتوں میں

اضافہ ہوا ہوگا، اسی تناسب سے وہ بھی ایک ہزار روپے میں اضافہ کر دے گا، لہذا مالک نے اسی اجرت مہینے کے آخری دن میں ادا کی اور اس روز قیمتوں کے اشاریے میں دو فیصد کے تناسب سے اضافہ ہو چکا تھا، تو اب مالک بھی دو فیصد کے تناسب سے اضافہ کر کے ایک ہزار اور بیس روپے ادا کرے گا، اور اگر مالک نے یہ اجرت ایک سال کے بعد ادا کی، اور اس وقت تک قیمتوں میں دس فیصد کے تناسب سے اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو چکا تھا، تو اب مالک بھی دس فیصد کے تناسب سے اضافہ کر کے گیارہ سو روپے ادا کرے گا۔

یہ صورت شرعاً جائز نہیں، کیونکہ ”قرضوں کے قیمتوں کے اشاریے کے ساتھ ربط“ کی طرح ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر گئی ہے۔

## تیسری اور دوسری صورت میں فرق

دوسری صورت میں اشاریے سے صرف متفقہ اجرت کی تعیین کا کام لیا جاتا ہے، اور اشاریے کی بنیاد پر جب ایک مرتبہ اجرت متعین ہوئی، تو اشاریے کا کام ختم ہو چکا، اب ہمیشہ کے لئے یہی متعین اجرت مالک کے ذمہ واجب رہے گی، اس پر زیادتی نہ ہوگی، چاہے مالک جب بھی ادا کرے۔

بخلاف تیسری صورت کے کہ اس صورت میں اجرت ایک ہزار روپے متعین تھی، جو ادا نہ کرنے کی بنا پر مالک کے ذمہ قرض (ذین) بن گئی تھی، اور پھر اس قرض کو اشاریے کے ساتھ ملا دیا گیا تھا، لہذا اس تیسری صورت کا بھی وہی حکم ہوگا، جو اس سلسلے میں قرضوں کا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## فلوس کی قیمت میں تبدیلی اور اقوال فقہاء

اس مسئلے پر مفصل کلام ”افراط زر اور تخریب زر“ کے عنوان کے تحت ہوا ہے، مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱) فقہی مقالات (۱/۷۳)، احکام الاوراق النقدية (ص ۲۷)، ہانڈی نوٹ اور زرعی کا حکم۔

## باب ہفتم

## زرا اعتباری یا زرا تجارت (Credit Money)

## اعتبار (Credit) کی حقیقت

”اعتبار“ انگریزی لفظ "Credit" کا ترجمہ ہے، عربی میں کریڈٹ کو "ائتمان"

کہتے ہیں، جس کے معنی اعتبار اور اعتماد کے ہیں۔

اصطلاحی تعریفات درج ذیل ہیں:-

برٹانیکا میں کریڈٹ کی تعریف یوں کی گئی ہے:-

Transaction between two parties in which one (the creditor or lender) supplies money , goods , services or securities in return for a promised future payment by the other (the debtor or borrower)(۱)

”کریڈٹ ایک ایسا معاملہ ہے، جس میں ایک پارٹی زر، سامان،

خدمات یا سیکورٹیز مہیا کرتی ہے، جبکہ دوسری طرف سے مستقبل میں

موجود اداائیگی ہوتی ہے۔“

مختصر الفاظ میں یہ تعریف کی گئی ہے:-

Present right to a future payment

آئندہ اداائیگی پر حالیہ حق کا نام کریڈٹ ہے۔ (۲)

کریڈٹ کی ایک اور تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:-

Britannica V:3,P: 722(۱)

Footnotes on Introduction to Economics principles P: 341(۲)

”يعرف الائتمان بأنه تنازل عن مال حاضر لقاء مال  
مستقبل واساسه الثقة“<sup>(۱)</sup>  
”کریڈٹ کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ آئندہ مال کے بدلے میں  
حالیہ مال سے دستبردار ہونا، اور اس کی بنیاد اعتماد ہے۔“  
موسوعة المصطلحات الاقتصادية میں کریڈٹ کی تعریف ان الفاظ میں کی  
گئی ہے:-

”منح حق استخدام او امتلاك السلع والخدمات دون دفع  
القيمة فوراً“<sup>(۲)</sup>

اس تعریف کا بھی حاصل وہی ہے، جو سابقہ تعریفات کا ہے۔

اردو کتابوں میں درج ذیل تعریف کی گئی ہے:-

”اعتبار سے مراد بھروسہ، یقین یا اعتماد ہے جو قرض اپنے کسی  
مقرض پر اسے قرضہ دیتے وقت یا ادھار مال دیتے وقت کرتا ہے،  
اور یہ سمجھتا ہے کہ مقرض اسے طے شدہ مدت کے بعد قرض کی رقم  
واپس کر دے گا، یا اس نے ادھار پر جو مال خریدا تھا، اس کی قیمت ادا  
کرے گا۔“<sup>(۳)</sup>

حاصل یہ کہ ”کریڈٹ“ اعتماد، یقین، اور اعتبار کو کہتے ہیں، اور اس میں اسی

اعتماد کی بنیاد پر ادھار معاملہ ہوتا ہے۔

(۱) القاموس الاقتصادي، النجفی (حسن النجفی) بغداد، مديرية مطبعة الادارة  
المحلية۔۔ ۱۹۰۹م (ص ۸۱)

(۲) موسوعة المصطلحات الاقتصادية والاحصائية، هيكل الدكتور عبدالعزيز فهمي  
هيكل، بيروت، دار النهضة العربية ۱۹۸۰م (ص ۸۲)

(۳) تعريف زرو بنكاري، شمس مبارك علي، ريسرچ۔۔ كالجراو تلو يونيورسٹی، ناروے، ربهہ پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ  
اول ۱۹۹۱، (ص ۲۲۱)۔

## زَرِ اِعتباری یا زَرِ تجارت کی حقیقت

زَرِ اِعتباری یا زَرِ تجارت کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

صكوك مكتوبة بشكل قانوني محدد تتضمن التزاما بدفع مبلغ من النقود في وقت معين او قابل للتعيين ويمكن نقل الحق الثابت بطريق التظهير والمناولة<sup>(۱)</sup>

لکھے ہوئے صکوک ہیں جو محدود ہوں، اور قانونی شکل میں ہوں، اور جن میں اس بات کی ضمانت ہو کہ ایک معین وقت میں زر کی کچھ مخصوص مقدار ان کی بنیاد پر دی جائے گی، اور جو حق واجب ہو اس کو دوسرے کی طرف تظہیر یا مناولہ کے طریقے سے منتقل کرنا ممکن ہو۔  
ڈاکٹر محمد زکی شافعی اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:-

ومن هنا يطلق عليها اصطلاح النقود الائتمانية لان الائتمان عبارة عن الوعد بدفع مبلغ من النقود ومن هنا ايضا ليست النقود الائتمانية سوى ديون تترتب لصالح حاملها في ذمة الدولة او البنوك وتعتمد فيما تتمتع به من قبول عام في المعاملات على عنصر الثقة<sup>(۲)</sup>

اسی وجہ سے ان پر زَرِ اِعتباری کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ "ائتمان" زر کی مخصوص مقدار کے دینے کے وعدے کو کہتے ہیں، اسی وجہ سے زَرِ اِعتباری دیون ہی ہیں جو حکومت یا بنکوں کے ذمہ حاملین کے لئے واجب ہوتے ہیں، اور اعتماد کی بنیاد پر معاملات

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجعید (ص ۲۲۱)

(۲) مقدمة في النقود والبنوك، شافعی (محمد زکی) بیروت، دار النهضة العربية طبع ہفتم

(ص ۴۳)-

میں عام طور پر قبول کئے جاتے ہیں۔

اردو میں زر اعتباری کی آسان الفاظ میں یہ تعریف کی گئی ہے:-  
قرض کی صورت میں لین دین کرنے یا ادھار پر مال کا لین دین  
کرنے کو اعتبار کہا جاتا ہے، اور اس مقصد کے لئے جو تحریری وعدہ  
بطور آلہ استعمال کیا جاتا ہے اسے اعتباری زر کا نام دیا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### زر اعتباری کی چاری خصوصیات

- ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ زر اعتباری میں چار خصوصیات پائی جاتی ہیں:-
- ۱- ان میں لین دین تنظیم (Endorsment) کے طریقے سے ہوتا ہے۔
  - ۲- ذین کا محل زر کی مخصوص مقدار ہے۔
  - ۳- معاملات میں زر کا وظیفہ ادا کرتا ہے۔
  - ۴- خاص شکل میں رکھے ہوئے دستاویزات ہیں (یعنی محدود اور قانونی شکل میں)۔

### زر اعتباری کی مشہور قسمیں

زر اعتباری کی مشہور قسمیں درج ذیل ہیں:-

- ۱- ہنڈی (Bill of Exchange)
- ۲- بانڈز (Bonds)
- ۳- چیک (Cheque)
- ۴- پرامیسری نوٹ (Promissory Note)
- ۵- ڈرافٹ (Draft)

بعض مصنفین نے کمی بیشی کے ساتھ زر اعتباری کی مذکورہ قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) تعارف زر و بنکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچر کالراؤ سلویو نیورٹی ماروے، رہبر پیشہ زکراپی طبع اول

اس عنوان کے تحت صرف زرِ اعتباری کی موٹی موٹی قسمیں بیان کرنی ہیں، ان اقسام کی مختلف اقسام اور احکام اور دیگر مختلف مالی دستاویزات کی تفصیل باب ہشتم میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

## نوٹ

یاد رکھنا چاہئے کہ بہت سارے مصنفین نے کرنسی نوٹ کو بھی زرِ اعتباری کی اقسام میں ذکر کیا ہے، لیکن کرنسی نوٹ کی حیثیت اور تفصیلات گزشتہ ابواب میں ذکر ہو چکی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرنسی نوٹ بحالاتِ موجودہ بذاتِ خود ”نمن“ ہے، لہذا قانونی اور شرعی لحاظ سے کرنسی نوٹ کی وہ حیثیت نہیں ہوگی جو دیگر آلات مثلاً چیک وغیرہ کی ہے۔

زرِ اعتباری کی اقسام سے متعلق بطور نمونہ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:-  
الجعید فرماتے ہیں:-

تستقسم الاوراق التجارية الى ثلاثة انواع:

اولا: الكمبيالة.....

ثانيا: السند.....

ثالثا: الشيك.....<sup>(۱)</sup>

زرِ تجاری کی تین قسمیں ہیں: ہنڈی، بانڈ، چیک۔

ڈاکٹر اے، این آگروال کہتے ہیں:-

We shall now discuss the chief forms of credit instruments :

Promissory notes Bank Notes and currency notes , Bill of exchange ...Cheque ..Bank Draft.

اب ہم زرِ اعتباری کی کچھ موٹی قسمیں بیان کرتے ہیں: پرومیسری

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجعید (ص ۲۲۱)



نوٹ، بینک نوٹ، کرنسی نوٹ، ہنڈی، چیک اور بینک ڈرافٹ۔<sup>(۱)</sup>  
حسن نجفی کہتے ہیں:-

وادوات الائتمان هي الاوراق التجارية الممثلة بالسفحة  
والسند الاذني والشيك وهي اوراق قابضة للتحويل  
وتستخدم في عمليات الائتمان لاجال قصيرة. اوراق

البنكوت، الاوراق المالية وهي الاسهم والسندات۔<sup>(۲)</sup>

انہوں نے شیئرز اور مختلف سٹیٹلیٹس کو بھی زر اعتباری میں شامل کیا ہے۔  
ابراہیم صالح عمر کہتے ہیں:-

فالنقود الورقية هي نقود ائتمانية لكونها ائتمانا يمنحة من  
يمك هذه النقود لجهة التي اصدرتها اي انها دين  
والتزام في ذمة المصرف المصدر لها۔<sup>(۳)</sup>

انہوں نے کرنسی نوٹوں کو بھی زر اعتباری میں شمار کیا ہے۔  
شیخ مبارک علی کہتے ہیں:-

آلات اعتباری مختلف اقسام کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے: چیک  
(Cheque) مباداتی بل یا مباداتی ہنڈی (Bill of Exchange)  
قرانامہ (Promissory Notes) مطالباتی بینک ڈرافٹ  
(Bank Draft)۔<sup>(۴)</sup>

(۱) Introduction to Economics principles P. 352

(۲) القاموس الاقتصادي، النجفی (حسن النجفی) بغداد، مديرية مصبعة الادارة  
المحيية۔۔ ۱۹۸۹م (ص ۸۸)

(۳) النقود الائتمانية، العمر (ابراهيم بن صالح العمر) بيروت، دار العاصمة ۱۹۸۷ھ

(۴) تعريف زرہ بناری، شیخ مبارک علی، ریاض، دار الفکر، ۱۹۹۱ء، ص ۲۶۳۔  
اول ۱۹۹۱ء، (ص ۲۶۳)۔

## زرِ اعتباری کا ارتقاء

اس میں شک نہیں کہ ہنڈی، چیک وغیرہ کا ارتقاء بینکنگ کے ارتقاء کے ساتھ ہی ہوا ہے، اور ہو رہا ہے، اس سلسلے میں کچھ مختصر جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:-

بعض ماہرین اقتصاد کا خیال ہے کہ ہنڈی بصورتِ موجودہ قرونِ وسطیٰ میں متعارف ہوئی ہے، ان میں بعض نے اس کی تحدید بھی کی ہے کہ ہنڈی اٹھارویں صدی عیسوی میں متعارف ہوئی ہے، اور اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ یہ عقدِ صرف کے لئے بطورِ آلہ استعمال ہوتی تھی، یعنی ایک ملک کے زر کے دوسرے ملک کے زر کے تبادلے میں ہنڈی کا طریقہ کار بطورِ آلہ استعمال ہوتا تھا۔

چیک اُنیسویں صدی کی نصف میں متعارف ہوا ہے، اور اس کے متعارف ہونے کا منشاء کمرشل بنکوں کا وجود میں آنا ہی ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ زرِ اعتباری کی جڑیں بہت پرانی ہیں، چنانچہ دیکھئے فقہائے کرام نے ”سفحہ“ (جس کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ ابواب میں ہو چکا ہے) اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اسی طرح ”حوالہ“ فقہ کی ہر کتاب میں مذکور ہے، اور اس کے بڑے تفصیلی احکام کتبِ فقہ میں مذکور ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپی تعامل کا اصل یہی چیزیں ہیں۔

چنانچہ بعض مستشرقین نے اس کی تصریح بھی کی ہے، جوزیف شاخت، ڈاکٹر ہوفلین، اور روبسون سے وضاحت کے ساتھ یہ بات منقول ہے۔

جوزیف کے کلام میں ہے کہ Chaque یہ فرانسیسی لفظ ہے جو ”حوالہ“ کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چیک ”صک“ کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔

روبسون کہتے ہیں کہ اہل عرب کو تجارت کے میدان میں فضیلت و سبقت حاصل ہے، اہل عرب نے تجارت کو دفتری شکل دی، کفالہ کی وضاحت کی، فقراء کے لئے بیت

المانا قائم کیا، ”سفحہ“ کو رواج دیا۔<sup>(۱)</sup>

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شروع زمانے میں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے میں ”صکوک“ موجود تھے، صحابہ کرام نے ان صکوک کے لین دین پر تئیر بھی فرمائی، کیونکہ یہ صکوک طعام کے ہوتے تھے، اور طعام کی بیع (خرید و فروخت) قبضے سے قبل ناجائز ہے۔

جاء فی الموطاء للإمام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ :-

وحدثنی عن مالک انه بلغه ان صکوکا خرجت للناس فی زمان مروان بن الحکم من طعام الجار، فتبايع الناس تلك الصکوک بینهم قبل ان یستوفوها فدخل زید بن ثابت ورجل من اصحاب النبی ﷺ علی مروان بن الحکم فقالا: اتحل الربایا مروان؟ فقال: اعوذ باللہ وماذک؟ فقال: هذه الصکوک تبايعها الناس ثم باعوها قبل ان یستوفوها فبعث مروان بن الحکم الحرس یتتبعونها ینزعونها من ایدی الناس ویردونها الی اهلها۔

یقول الشیخ الکاندھوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحتہ :-

صکوک جمع صک وهو الورقة المکتوبة بدين۔۔ والمراد ههنا الورقة التي یکتب فیها ولی الامر برزق من الطعام لمستحقیه بان لفلان کذا وکذا من الطعام وغیره۔<sup>(۲)</sup>

موطا امام مالک میں ہے: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجعید۔

(۲) اوجز المسائل، الکاندھوی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ہمتان، ادارہ تالیفات

اشرفیہ (۲۰۲۰ء)

”مروان بن الحکم کے زمانے میں لوگوں میں طعام کے صلکوک ظاہر ہوئے، تو لوگ ان کا معاملہ قبل القبض کرنے لگے، چنانچہ زید بن ثابتؓ اور ایک اور صحابی مروان بن حکم کے پاس تشریف لے آئے، اور کہا کہ آپ ربا کو جائز قرار دے رہے ہیں؟ مروان بن حکم نے کہا کہ اللہ کی پناہ، یہ کس طرح؟ انہوں نے کہا کہ یہ صلکوک ہیں، لوگ ان کی خرید و فروخت قبل القبض کر رہے ہیں، چنانچہ مروان بن حکم نے پہر داروں کو بھیجا کہ صلکوک ضبط کریں، اور اصل مالکوں کو واپس کریں۔

اس کے تحت حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:-

”صلکوک“ ”صک“ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ کاغذ (دستاویز) ہے، جس میں دین لکھا ہوا ہوتا تھا،..... اور یہاں اس سے مراد وہ دستاویز ہے، جس میں حاکم مستحق افراد کے لئے راشن وغیرہ لکھ کر دیتا تھا کہ فلاں کا اتنا حصہ ہے، اور فلاں کا اتنا حصہ۔“

اس روایت سے یہ بات بالکل واضح اور صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ زر اعتباری کا رواج بہت پرانا ہے، البتہ اس کی نئی اور ترقی یافتہ شکلیں بعد میں وجود میں آئیں۔

## زر اعتباری اور اس کے وظائف

زر اعتباری کے بہت سے معاشی اور اقتصادی فوائد ہیں، اور یہ کئی وظائف ادا کرتا ہے، ذیل میں ہم چند اہم وظائف کا ذکر کرتے ہیں:-

۱- نقل زر سے استغناء:- یعنی زر اعتباری کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس کی بدولت آدمی کو نقد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ بات معلوم ہے کہ باہمی معاملات کے لئے آدمی کو نقل رقم کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً کوئی چیز خریدنی ہو،

یا کسی کا قرضہ ادا کرنا ہو وغیرہ، تو اس کے لئے پیسہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا پڑتا ہے، زر اعتباری کی وجہ سے آدمی اس مشقت سے محفوظ رہتا ہے، جس کی وجہ سے چوری وغیرہ کا خوف بھی نہیں رہتا، چنانچہ مبادلاتی بل (Bill of Exchange) اسی مقصد کے لئے ایجاد ہوا ہے، اور یہی وظیفہ چیک بھی ادا کرتا ہے۔

۲- ادائیگی کا آلہ (Instrument of Payment):- زر اعتباری ادائیگی کا

آلہ ہے، اور اس کی وجہ سے ادائیگیوں میں بڑی سہولت ہو جاتی ہے، جس میں چیک سرفہرست ہے۔

۳- اعتماد کا آلہ ہے (Instrument of Credit):- زر اعتباری کو اعتباری

اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سے اعتماد اور اعتبار پیدا ہوتا ہے، چنانچہ اسی اعتماد کی بنیاد پر زر اعتباری کے ذریعے باہمی لین دین ہوتا ہے، اعتماد زر اعتباری کا اہم وظیفہ ہے۔

اب مبادلاتی بلوں اور چیکوں کے الگ الگ فوائد ملاحظہ ہوں:-

## چیکوں کے نظام کے فوائد

چیکوں کے ذریعے لین دین کا نظام بہت سے فوائد کا حامل ہے، مثلاً:-

۱- سہل اور کم خرچ:- چیک ادائیگی اور وصولی دونوں کا انتہائی سہل اور کم خرچ

ذریعہ ہوتا ہے، چھوٹی سے چھوٹی رقم سے لے کر بڑی سے بڑی رقم کی ادائیگی اور وصولی کا نڈ کے ایک حقیر پُزے کی بدولت بلا خوف و خطر اور کوئی وقت ضائع کئے بغیر عمل میں آ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں بڑے بڑے کاروباری اور صنعتی ادارے نقد رقموں کی بجائے چیکوں کے ذریعے لین دین کو زیادہ محفوظ، سہل اور باکفایت سمجھتے ہوئے انہیں ادائیگیوں اور وصولیوں کے ذریعے کے طور پر بے روک ٹوک قبول کرتے ہیں۔

۲- ادائیگیوں کا محفوظ ذریعہ:- چیک و ادائیگیوں کے لئے محفوظ ترین ذریعے

کے طور پر بھی بخوبی استعمال کیا جاتا ہے، کاروباری ادارے اور تاجر لوگ باہمی ادائیگیوں

کے لئے عموماً کر اس چیک جاری کرتے ہیں، ایسے چیک چونکہ جس شخص یا ادارے کے نام جاری کئے جائیں، وہ صرف ان کے کھاتوں میں جمع ہونے کے بعد ہی قابل وصول ہوتے ہیں، اس لئے ان کے چوری یا ضائع ہو جانے کے باوجود ان میں مندرجہ رقم کے ضائع ہونے خطرہ نہیں ہوتا، اس کے علاوہ ادائیگیوں کی رسید کا قانونی تقاضا بھی پورا کرتے ہیں۔

۳- با کفایت عمل پیرائی :- چیکوں کے استعمال سے نقد زر کا استعمال کم ہو جاتا

ہے، اس سے نقد زر کے لین دین کی بچت ہو جاتی ہے، بڑی بڑی ادائیگیوں اور وصولیوں کا تصفیہ کھاتوں میں اندراج سے ہو جاتا ہے، اور اس عمل میں نقد زر کے باہمی لین دین اس کے گننے، ادھر ادھر لے جانے اور پھر اس کی حفاظت کرنے جیسے اقدامات کی ضرورت نہیں پڑتی، اس طرح چیک ادائیگیوں اور وصولیوں کا انتہائی با کفایت عمل ثابت ہوتا ہے، جس کی بدولت کاروباری سرگرمیوں کو خوب پھلنے پھولنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہو جاتے ہیں۔

### مبادلاتی بلوں (Bill of Exchange) کے فوائد

مبادلاتی بل اعتبار کے کاروبار کے لین دین میں متعدد فوائد انجام دیتا ہے، مثلاً :-

۱- بطور وسیلہ مبادلہ :- یہ بل ملکی اور بین الاقوامی تجارت میں بطور وسیلہ مبادلہ

(Medium of Exchange) کے فوائد کا حامل ہوتا ہے، اور تجارتی لین دین میں ادائیگی

کے لئے موثر اور اہم ذریعہ ادائیگی تصور کیا جاتا ہے۔

۲- فریقین کے لئے فائدے کا باعث :- مبادلاتی بل کی صورت میں ایک

طرف ادھار پر مال فروخت کرنے والے فریق کو اپنی رقم کی عدم وصولی کا خطرہ کم سے کم رہ

جاتا ہے، تو دوسری طرف مال کے خریدار کو اس کی بدولت یہ سہولت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ

رقم ادا کئے بغیر مطلوبہ مال خرید سکتا ہے، اور بل کی ادائیگی اس کی مدت ختم ہونے پر کر سکتا

ہے، اس وقت تک اشیاء فروخت ہو چکی ہوتی ہیں، اس طرح مبادلاتی بل فروخت کار اور

خریدار کے درمیان ادھار کاروباری لین دین میں ایک اہم وسیلہ ادائیگی بن کر دونوں فریقین کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۳۔ ادائیگیوں کا محفوظ ذریعہ:۔ مبادلاتی بل ادائیگی کے ایک محفوظ ذریعے کے فرائض بھی بخوبی انجام دیتا ہے، کیونکہ عدم ادائیگی کی صورت میں بل کا حامل شخص مدلتی چارہ جوئی کے ذریعے باسانی بل کی رقم وصول کر سکتا ہے۔

۴۔ بل پر کٹوتی کا فائدہ:۔ مبادلاتی بل مدت پوری ہونے سے پہلے بھی کیش ہو سکتا ہے، جس کے سئے اسے بنک میں کٹوتی کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے، کٹوتی کی صورت میں بنک بل کی بقیہ مدت کا سود مقررہ شرح سے کٹ کر باقی نقد رقم ادا کر دیتا ہے۔

## زر اعتباری کے معتبر ہونے کی شرطیں

اہل قانون کے نزدیک ”زر اعتباری“ کے معتبر ہونے کی کچھ شرطیں ہیں، جن کے بغیر زر اعتباری نہیں، اور قانون اس کے ساتھ زر سامانہ نہیں کیا جاتا، ذیل میں ہم ان شرطوں کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:۔

۱۔ باہمی رضامندی:۔ اس شرط کا پایا جانا مرتب (Drawer) اور مرتب الیہ (Drawee) دونوں میں ضروری ہے، مرتب کی طرف سے اس پر دستخط، اور مرتب الیہ کا اس کو وصول کرنا ہی ان دونوں کی رضامندی اور خوشی کی علامت ہے۔

۲۔ سبب:۔ یعنی جس کی وجہ سے یہ دستاویز یا کاغذ تیار کیا جاتا ہے۔ جس کو ”باعث“ اور ”داعی“ بھی کہتے ہیں۔ لہذا سبب سے مراد باعث تحریر ہے۔

۳۔ محل:۔ جس کی بدولت زر اعتباری زر ہو، اور وہ نقد ہی ہے، یعنی زر اعتباری کا محل ”نقد“ ہے، چنانچہ سامان وغیرہ پر مشتمل کاغذ زر اعتباری نہیں ہو سکتا۔

۴۔ اہلیت:۔ اہلیت کا پایا جانا ایک ایسی شرط ہے جس کا پایا جانا ہر چیز کے لئے ضروری ہے، اہلیت کے بغیر کوئی چیز قانوناً و شرعاً معتبر نہیں، بعض اہل قانون نے اہلیت کے

لئے عمر کی قید بھی لگائی ہے، یعنی اکیس سال، اکیس سال سے کم عمر والا شخص ذر اعتباری کے ساتھ لین دین نہیں کر سکتا الا یہ کہ محکمے کی طرف سے اس کو اس کی اجازت حاصل ہو۔ جیسا کہ ستر بن ثواب الجعید اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں:-

واهل القانون يحدون سنا معينة للاهلية وهي احدى وعشرين سنة-

اہل قانون اہلیت کے لئے عمر کی حد بندی کرتے ہیں، اور وہ اکیس سال ہے۔<sup>(۱)</sup>

۵- مرتب (Drawer) کے دستخط:- ذر اعتباری پر مرتب کے دستخط ضروری ہیں۔

۶- مرتب الیہ (Drawee):- وہ شخص جس کے نام حکم نامہ لکھا جاتا ہے، اس کا نام دستاویز پر لکھنا ضروری ہے۔

۷- وصول کنندہ (Payee):- حکم نامہ پر وصول کنندہ کا نام کا ہونا بھی ضروری ہے۔

۸- جاری کرنے کی تاریخ اور جگہ کا نام لکھنا ضروری ہے۔

۹- ادائیگی کی تاریخ اور جگہ کا نام لکھنا بھی ضروری ہے۔

۱۰- رقم کا اندراج اور مقدار کی تعیین بھی ضروری ہے۔

۱۱- ”مالیت وصول شدہ“ یا ”برائے مالیت وصول شدہ“ کے الفاظ کا اندراج بھی

ضروری ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عام طور پر مبادلاتی بل (ہنڈی) اور چیک کے تین فریق

ہوتے ہیں:-

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية الجعید (ستر بن ثواب) السعودية، الطائف، مكتبة

الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص ۲۴۹)۔



الف:- مرتب (Drawer)

ب:- مرتب الیہ (Drawee)

ج:- وصول کنندہ (Payee)

اور بانڈز کے عام طور پر دو فریق ہوتے ہیں: مرتب اور مرتب الیہ۔

اسی وجہ سے مبادلاتی بل (بنڈی) اور چیک کو عربی میں "ثلاثیة الاطراف"

اور بانڈز کو "ذو طرفین" کہا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## زر اعتباری میں لین دین کے طریقے

زر اعتباری میں لین دین کا اہم طریقہ "تظہیر" (Endorsement) ہے، تظہیر سے مراد قلم منتقلی آلات اعتبار یعنی چیکوں، وعدے ناموں اور مبادلاتی بلوں وغیرہ کی رقم کی وصولی کے لئے کسی دوسرے شخص کو اختیار دینا ہے، آلات اعتبار خصوصاً وعدے ناموں اور مبادلاتی بلوں کی ادائیگی کے لئے مدت دی ہوئی ہوتی ہے جو ملکی آلات اعتبار میں کم سے کم ایک ماہ اور زیادہ سے زیادہ تین ماہ اور غیر ملکی بلوں کی صورت میں چھ ماہ تک ہوتی ہے، اس مدت کے دوران آلات اعتبار ایک دوسرے اور دوسرے سے تیسرے شخص کو منتقل ہوتے رہتے ہیں، تاہم اس کے لئے تحریری تظہیر ضروری ہوتی ہے، اور یہ اسی صورت میں درست قرار دی جاسکتی ہے جبکہ متعلقہ شخص اس کا مجاز ہو، اور اس میں وہ ساری شرائط پائی جاتی ہوں، جن کا تذکرہ مذکورہ نریشہ صفحات میں آچکا ہے۔

## تظہیر (Endorsement) کے قانونی تقاضے

تظہیر کو قانونی طور پر مندرجہ ذیل تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے:-

۱- تظہیر کو مبادلاتی بل پر درج کیا جانا چاہئے، اور اس مقصد کے لئے سپر وکرنے

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية الجعید (ستر بن ثواب) السعودیة، الطائف، مکتبۃ

الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص ۲۵۰)۔

والے کے دستخط بھی کافی سمجھے جاتے ہیں۔

۲- تظہیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ بل کو مکمل طور پر سپرد کئے جانے کے لئے ہونی چاہئے، یعنی بل کو جزوی طور پر کسی کے سپرد نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی ایک بل کو ایک ہی وقت میں مختلف اشخاص کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔

۳- اگر بل کی ادائیگی دو یا دو سے زیادہ افراد کے حکم سے مشروط ہو، تو ایسی صورت میں فرد افراد ان تمام مجاز کی طرف سے ادا کی جانی چاہئے۔

۴- جب بل حسب حکم ادا کیا جانے والا ہو، اور اس میں سپرد کنندہ کا نام غلطی سے لکھا گیا ہو، تو ایسے شخص کو بل کسی دوسرے شخص کو سپرد کرتے وقت وہی نام لکھنا چاہئے جو بل پر لکھا گیا ہو، تاہم اگر وہ چاہے تو سپردگی (تظہیر) کے ساتھ اپنا صحیح نام لکھ دے، وہ بل میں لکھے گئے نام کی تصدیق بھی کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔

۵- اگر بل کئی بار تظہیر کے ذریعے منتقل کیا جاتا رہا ہو، تو اس صورت میں سپردگی کی اہمیت اور اصلیت اس کی ترتیب کے ذریعے ظاہر کی جاتی ہے، مثلاً ایک بل یکم جنوری کو انور کے نام سپرد کیا گیا، اور وہی بل تیس جنوری کو اکبر کے نام اور اکبر نے وہی بل تیس جنوری کو حامد کے نام کر دیا، تو ایسی صورت میں انور، اکبر اور حامد کا حق بل پر اسی ترتیب سے قائم کیا جائے گا۔

## تظہیر (Endorsement) کی اقسام

تظہیر کو مندرجہ ذیل سات اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:-

۱- تظہیر محض (Blank Endorsement):- محض تظہیر بل کی پشت پر مجاز سپرد کار کے محض دستخطوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس قسم کی تظہیر اگر کسی بل کے یا بند (Payee) یا سپرد کنندہ (Endorsee) کی طرف سے کی گئی ہو، تو پھر وہ بل ایک عام حامل بل کی طرح قابل ادا ہوگا یعنی اسے جو شخص بھی پیش کرے گا، وہ اسے ادا کر دیا جائے گا۔

۲۔ خصوصی تظہیر (Special Endorsement): - خصوصی تظہیر یا سپردگی وہ ہے جو اس شخص کے نام مخصوص کر دے جسے یا جس کے حکم سے بل قابل ادا ہو، اس قسم کی تظہیر میں سپردکار بل کی پشت پر اپنے دستخطوں کے ساتھ اس شخص کا نام بھی درج کر دیتا ہے، جسے یا جس کے حکم سے وہ بل قابل ادا ہوتا ہے۔

۳۔ مشروط تظہیر (Conditional Endorsement): - مشروط تظہیر کی صورت میں بل کی ادائیگی کو کسی شرط کے پورا ہونے سے مشروط کر دیا جاتا ہے، مثلاً اکرم کو اس بل کی رقم بل آف لینڈنگ (Bill of Landing) کی حوائگی پر ادا کر دی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اکرم مذکورہ بل آف لینڈنگ کی حوائگی کے بعد ہی بل کی رقم وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

۴۔ جزوی تظہیر (Partial Endorsement): - جزوی تظہیر کی صورت میں بل کی کل رقم کا کچھ حصہ کسی اور شخص کو ادا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے مثلاً ایک ہزار روپے کے اس بل میں سے سات سو روپے اکرم کو ادا کر دیئے جائیں، جزوی تظہیر کی صورت میں اکرم اس بل میں سات سو روپے کی رقم وصول کرنے کا مجاز تو بن جاتا ہے، مگر بل اس کے نام منتقل نہیں ہو سکتا ہے۔

۵۔ پابند تظہیر (Restrictive Endorsement): - پابند تظہیر کی صورت میں بل کی ادائیگی کسی خاص شخص کے لئے مخصوص کر دی جاتی ہے مثلاً اس بل کی رقم صرف اکرم کو ادا کر دی جائے، یا اس بل کی رقم صرف اس کھاتہ نمبر میں جمع کی جائے وغیرہ۔

۶۔ منفی تظہیر (Negative Endorsement): - جب سپردکار اپنے دستخطوں کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کر دے "بلا رجوع یا عدم ادائیگی کی ذمہ داری میری نہیں ہوگی" (Sans Recourse or Without Recourse to Me) تو اس حوائگی کے تحت منتقل کرنے والے پر زیادہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور اگر وہ بلا اخراجات (Sans Frains) یا (No Charges) کے الفاظ لکھ دے، تو اس سے وہ دیگر قسم کے اخراجات کی

ذمہ داری سے مستثنیٰ ہو جائے گا۔

۷۔ مجاز تظہیر (Facultative Endorsement): - مجاز سپردگی وہ ہے جس میں سپردکار اپنے کچھ یا سارے حقوق سے دستبردار ہو جائے، مثلاً کسی شخص کے نام ایک بل کی عدم ادائیگی کے نوٹس کو واپس لے لینا مجاز سپردگی ہوگی۔



## باب ہشتم

## مالیاتی دستاویزات

چونکہ مالیاتی دستاویزات کے شرعی حکم بیان کرنے میں ”بیع الدین“ اور ”حوالہ“ کی بحث بکثرت آئے گی، اور مالی دستاویزات میں سے اکثر کا شرعی حکم اسی بحث پر موقوف ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مالی دستاویزات پر گفتگو کرنے سے پہلے ”بیع الدین“ اور ”حوالہ“ سے بحث کی جائے، اس کی مختلف صورتیں بیان کی جائیں، اور ہر صورت کا شرعی حکم بیان کیا جائے۔

آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) میں ”بیع الدین“ کا لین دین ہمیشہ تھوڑے لگا ہے، اور بہت سارے مالی دستاویزات میں اس کا رواج ہونے لگا ہے، کبھی قیمت اسمیہ (Face Value) سے کم پر مالی دستاویز بیچا جاتا ہے، اور کبھی قیمت اسمیہ سے زیادہ پر۔

”بیع الدین“ ترکیب اضافی ہے، جو دو اجزا پر مشتمل ہے، یعنی بیع اور دین، بیع کے معنی فروخت (Sale) کرنے کے ہیں، اور دین کے معنی ادھار (Debt) کے ہیں، تو اس مرکب کے معنی ہونے ادھار فروخت کرنا۔

بیع الدین کی بہت ساری صورتیں ہیں، جو تین قسم میں منحصر کی گئی ہیں:-

۱- بیع الدین بالدین

۲- بیع الدین ممن علیہ الدین

۳- بیع الدین من غیر من علیہ الدین

## ۱- بیع الدین بالدین

اس کو "بیع الکالی بالکالی" بھی کہتے ہیں، "کالی" بھی ادھار کو کہتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں کہ معاملہ خود مدیون کے ساتھ ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معاملہ کسی تیسرے شخص کے ساتھ ہو۔ مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں نے تم سے ایک ٹن گندم دو ہزار روپے میں خریدی، لیکن میں گندم پر اور تم دو ہزار روپے پر ایک ماہ بعد قبضہ کریں گے، اس مثال میں دو ہزار روپے زید کے ذمہ دین ہے، اور ایک ٹن گندم عمرو کے ذمہ دین ہے، یہ بیع الدین بالدین ہے، اس لئے کہ دونوں طرف معاملہ ادھار پر ہوا۔

یا مثلاً زید نے بیع سلم کے طریقے سے ایک ٹن گندم بیچی، لیکن جب وقت مقررہ آ گیا، تو وہ ایک ٹن گندم دینے سے عاجز رہا، تو اس نے خریدنے والے سے کہا کہ میرے ذمہ جو تمہارا ایک ٹن گندم ہے، وہ مجھے تین ہزار روپے میں بیچو، لیکن میں تین ہزار روپے ایک ماہ بعد ادا کروں گا، یہ بیع الدین بالدین ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

یہ قسم جمہور علمائے کرام کے نزدیک ناجائز ہے، اور اس میں ان کی دلیل مشہور حدیث ہے جو درج ذیل ہے:-

ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الكالى  
بالكالى-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار بمقابلہ ادھار فروخت کرنے  
سے منع فرمایا ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) هذا الحديث مروى عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما فيما اخرجہ الحاكم فى المستدرک ۶۵۰۲ رقم الحديث: ۲۳۳۲ طبع بیروت ۱۴۱۱ھ والدارقطنى فى سننه ۱۰۳ رقم الحديث: ۲۶۹ من كتاب البيوع، والبيهقى فى سننه الكبرى ۲۶۰:۵ باب ما جاء فى النهى عن بيع الدين بالدین، وعبدالرزاق فى مصنفه ۹۰:۸ رقم الحديث: ۱۴۳۳ وغیره۔

اس حدیث شریف پر بعض علماء نے کچھ کلام کیا ہے، لیکن اصول حدیث کے پیش نظر یہ حدیث قابل استدلال ہے، اور امت نے اس حدیث کو قبول کیا ہے، اور علماء نے اس حدیث سے اس باب میں استدلال کیا ہے، اس کو "تلقى بالقبول" کہتے ہیں، اس سے حدیث کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے، چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

وكذا ما اعتضد بتلقى العلماء له بالقبول قال بعضهم  
يحكم للحدیث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول وإن لم  
يكن له اسناد صحيح، قال ابن عبد البر في الاستذكار لما  
حكى عن الترمذی ان البخاری صحح حدیث البحر هو  
الظهور مائة، واهل الحدیث لا يصحون مثل اسناده،  
لكن الحدیث عندی صحیح لأن العلماء تلقوه بالقبول  
وقال فی التمهید روى عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ  
وسلم: الدینار أربعة وعشرون قیراطًا، قال: وفي قول  
جماعة العلماء وإجماع الناس علی معناه غنی عن الاسناد  
فیہ۔<sup>(۱)</sup>

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے اس کلام کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف ہو، لیکن اس کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اس حدیث کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ بہر حال جمہور فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "بیع الکالی بالکالی" ناجائز ہے، بلکہ بعض علماء کرام نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

## ۲- بیع الدین ممن علیہ الدین

یعنی جس پر دین ہو، اسی کو دین بیچا جائے، مثلاً زید کے ذمہ عمر و کا دین ہے، تو زید مدیون ہے اور عمر و دائن ہے، تو زید عمر و سے کہتا ہے کہ تمہارا جو رقم میرے ذمہ ہے، اس

(۱) تدریب الراوی لسیوطی ص ۲۵، طبع المدینة المنورة۔

کے بدلے میں مجھ سے یہ کپڑا خریدو، یا عمرو کہے کہ جو قرضہ میرا تمہارے ذمہ ہے، اس کو میں تمہیں اس کپڑے کے بدلے میں بیچ دیتا ہوں، یہ صورت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

ويجوز بيعه (يعنى الدين) ممن عليه لأن المانع هو العجز  
عن التسليم ولا حاجة إلى التسليم هنا ونظيره: بيع  
المغصوب انه يصح من الغاصب ولا يصح من غيره إذا  
كان الغاصب منكراً ولا بينة للمالك۔

جس پر دین ہے، اس پر دین فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ مانع عجز عن  
التسليم ہے، اور یہاں تسلیم کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔<sup>(۱)</sup>

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جتنی شرطیں عام بیع کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے،  
وہ تمام شرطوں کا متحقق ہونا یہاں بھی ضروری ہے، مثلاً عام بیع میں یہ شرط ہے کہ بیع بائع کے  
قبضے میں ہو، یہ شرط بیع الدین کی مذکورہ صورت میں ہونا بھی ضروری ہے، اور اسی وجہ سے  
مسلم فیہ (بیع) کو مسلم الیہ کو قبضے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، جیسا کہ علامہ کاسانی نے  
اس کی تصریح فرمائی ہے:-

ولا يجوز بيع المسلم فيه لأن المسلم فيه مبيع ولا يجوز  
المبيع قبل القبض۔

مسلم فیہ کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ مسلم فیہ بیع ہے، اور بیع کو قبضے  
سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔<sup>(۲)</sup>

اسی طرح اگر دین اور اس کا عوض دونوں ربوی ہوں، تو اس کے جواز کے لئے

(۱) بدائع الصنائع (۵/۱۲۸)۔

(۲) ایضاً۔



ربوہیات کی شے انکو پوری کرنا ضروری ہے، اسی وجہ سے اکثر فقہاء کے حرام سے منع فرمایا ہے کہ دین مؤجل و مجل کیا جائے بشرطیکہ بعض دین کو معاف کیا جائے، فقہ اضع و تعجب کا مسئلہ کہتے ہیں، اور انگریزی میں اس کو "Rebat" کہتے ہیں، جس پر عام کے حرام سے متعلقہ مقام پر مفصل بحث کی ہے۔

اسی طرح اگر مدیون نے اپنا دین دائن سے دین کی مقدار سے زائد نہیں مؤجل پر خریدا، تو یہ بھی عین ربا ہے، اور یہ التقضی اور تریبی کے اندر داخل ہے، جس کی حرمت قرآن و سنت میں موجود ہے، مثلاً:-

زید کے عمرو کے ذمہ ایک ہزار روپے دین واجب الادا ہے، اب عمرو زید سے یہ ایک ہزار روپے ڈیڑھ ہزار روپے میں ایک ماہ کی تاخیر پر خرید رہا ہے، تو اس کا ربا دونوں بالکل ظاہر ہے۔

### ۳- بیع الدین من غیر من علیہ الدین

یہ بیع الدین کی تیسری صورت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دائن اپنا دین کسی تیسرے شخص (Third Person) کو فروخت کرتا ہے، اس کے حکم میں اختلاف ہے۔  
 حضرات حنفیہ اور حنبلیہ کا موقف یہ ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

لا ینبغی لرجل اذا کان له دین ان یبیعہ حتی یتوفیہ

لأنہ غور فلا یدری ایخروج ام لا یخروج۔

جب تک وہی شخص اپنا دین وصول نہ کرے، اس کے لئے اس کو

فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں غم رہے، پتہ پتہ نہیں کہ وہ

دین وصول ہو یا نہ ہو۔<sup>(۱)</sup>

(۱) الموسطال امام ثالث رحمہ اللہ، باب الرجل یكون له العصاب او الدین علی الرجل فی بیعہ (ص ۳۵۶)۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ولا ینعقد بیع الدین من غیر من علیہ الدین لأن الدین  
إما ان ینعقد بیع الدین من غیر من علیہ الدین لأن الدین  
یکون عبارة عن مال حکمی فی الذمہ وإما ان  
یکون عبارة عن فعل تملیک المال وتسليمه وکل ذلك  
غیر مقدور التسليم فی حق البائع ولو شرط التسليم علی  
المدیون لا یصح ایضاً لأنه شرط التسليم علی غیر البائع  
فیكون شرطاً فاسداً فیفسد البیع۔

غیر مدیون کے ساتھ بیع الدین کا عقد منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ یا تو دین  
مال حکمی فی الذمہ سے عبارت ہے، اور یا تملیک المال کے فعل سے  
عبارت ہے، اور دونوں صورتیں بائع کے حق میں غیر مقدور التسليم  
ہیں، اور اگر مدیون پر تسلیم کو شرط قرار دیا جائے، تو یہ بھی درست  
نہیں، کیونکہ یہ شرط غیر بائع کی طرف متوجہ ہے، تو یہ شرط فاسد ہوگی،  
جس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup>

قاضی ابویعلیٰ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

واختلف فی بیع الدین ممن هو علیہ فنقل ابو طالب المنع  
ونقل منه جواز ذلك ولا تختلف الروایة انه لا یجوز بیعه  
من غیر من هو فی ذمہ الخ۔

دین کو فروخت کرنا ممن علیہ الدین میں اختلاف ہے، چنانچہ  
ابو طالب نے منع نقل فرمایا ہے، لیکن جواز بھی منقول ہے، اور دین  
کو ممن لیس علیہ الدین کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف  
روایت نہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) بدائع الصنائع (۵: ۱۴۸)۔

(۲) کتاب الروایتین والوجهین لأبی یعلیٰ (۱: ۳۵۷)۔

علامہ مرداوی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

لا يجوز بيع الدين المستقر لغير من هو في ذمته وهو

الصحيح من المذهب وعليه الأصحاب الخ-

دین کو فروخت کرنا ممن لیس علیہ الدین کو جائز نہیں، یہی صحیح مذہب ہے، اور اسی کو اصحاب نے اختیار کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### اہم نوٹ

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بیع الدین ممن لیس علیہ الدین بیع کے طریقے سے ممنوع ہے، اگر یہ حوالے کے طریقے سے ہو، تو سب کے نزدیک جائز ہے، بیع اور حوالہ میں یہ فرق ہے کہ حوالہ میں اگر محال علیہ منفس ہو جائے، یا انکار کرے، اور گواہ موجود نہ ہوں، تو اس صورت میں محال (اصل دائن) اپنا دین وصول کرنے کے لئے میٹیل (اصل مدیون) کی طرف رجوع کر سکتا ہے، لیکن بیع کی صورت حال یہ ہے کہ جب مدیون اپنا دین فروخت کرے، تو گویا کہ دین خریدنے والا تمام حقوق میں مدیون کا قائم مقام بن جاتا ہے، لہذا جب مدیون منفس ہو جائے یا دین کا انکار کرے، تو اس کے لئے جائز نہیں کہ دین فروخت کرنے والے کی طرف رجوع کرے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بیع کی صورت میں غرر ہے، اور حوالہ کی صورت میں غرر نہیں ہے، اس لئے کہ دائن میٹیل کی طرف رجوع کر سکتا ہے، کما صرّاً۔

بہر حال حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع الدین ممن لیس علیہ الدین ناجائز ہے، جہاں تک مالکی اور شافعی مذہب کا تعلق ہے تو وہ درج ذیل ہے:-

### مذہب مالکی

ان کے نزدیک بھی اصل یہی ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے، لیکن چند شرائط کے

(۱) الانصاف للمرداوی (۱/۲۵۱)، وراجعہ ایضاً الفروع لابن مفلح (۱/۱۵۲)۔

ساتھ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

- ۱- مدیون حاضر ہو۔
  - ۲- مدیون دین کا اقرار کرتا ہو۔
  - ۳- دین اس قبیل سے ہو کہ اس کی بیع قبل القبض جائز ہو، لہذا دین اگر طعام کی شکل میں ہو، تو اس کی بیع جائز نہیں، کیونکہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔
  - ۴- دین کا تبادلہ غیر جنس کے ساتھ ہو۔
  - ۵- یہ معاملہ سونے و چاندی کا نہ ہو۔
  - ۶- مدیون اور دین خریدنے والے کے درمیان عداوت نہ ہو۔
- اس سلسلے میں علامہ زرقانی مالکی کی عبارت ملاحظہ ہو:-

ومنع بیع الدین علی الغائب ولو قربت غیبته او ثبت  
ببینة وعلم ملاءہ بخلاف الحوالة علیہ فإنها جائزة .....  
ومنع بیع دین علی حاضر ولو ببینة إلا ان یقرّ والدین  
مما یبایء قبل قبضه وبیع غیر جنسه ولس ذہبا بفضة ولا  
عکسه ولس بین مشتریہ ومن علیہ عداوة ولا قصد  
اعناتہ فلا بد من ہذہ الخمسة شروط لجواز بیعہ زیادة  
علی قوله یقرّ۔<sup>(۱)</sup>

اس عبارت کا حاصل وہی شرائط ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

## مذہب شافعی

ان کے ہاں اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

اعلم ان الاستبدال بیع لمن علیہ دین، فاما بیعہ لغيره  
کمن له علی انسان مائة فاشتری من آخر عبدا بتلك

(۱) شرح الزرقانی علی مختصر خلیل (۴: ۸۳)۔

المائة فلا يصح على الاظهر لعدم القدرة على التسليم  
وعلى الثاني يصح بشرط ان يقبض مشتري الدين ممن  
عليه وان يقبض باذن الدين العوض في المجلس فان تفرقا  
قبل قبض احدهما بطل العقد، قلت الاظهر الصحة<sup>(۱)</sup>  
وفي شرح المنهذب فاما بيعة لغيره كمن له على رجل مائة  
فاشتري من آخر عبداً بتمك المائة ففي صحته قولان  
مشهوران اصحهما لا يصح لعدم القدرة على التسليم  
والثاني يصح بشرط ان يقبض مشتري الدين ممن هو  
عليه وان يقبض باذن الدين العوض في المجلس فان تفرقا  
قبل قبض احدهما بطل العقد<sup>(۲)</sup>

ان نصوص کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بیع الدین من غیر المدیون شافعیہ کے ہاں جائز  
نہیں، البتہ اگر مشتری مجلس عقد میں دین پر قبضہ کرے، لیکن خارج ہے کہ اس شرط کی وجہ سے  
دین دین ہی نہیں رہا، تو حاصل یہی رہا کہ بیع الدین ممن لیس علیہ ان کے ہاں جائز نہیں۔  
اسی وجہ سے علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج الطالبین میں عدم جواز کا قول ہی کر لیا  
ہے، چنانچہ فرمایا:-

وبيع الدين لغير من عليه باطل في الاظهر بان اشترى  
عبد زيد بمائة له على عمرو<sup>(۳)</sup>

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر شافعیہ محتاج بیع الدین ممن لیس علیہ  
ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۱) روضة الصالحين لنووي ۳۰۲، ۳۰۳۔

(۲) المجموع شرح المنهذب ۳۰۰، ۲۹۱۔

(۳) منہاج النہوی مع معنی المحتاج ۲۱، ۲۰۔

## خلاصہ

خلاصہ بحث یہ کہ بیع الدین کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت جمہور علماء کے نزدیک ناجائز ہے، دوسری صورت جائز ہے، اور تیسری صورت حنفیہ، حنابلہ اور اکثر شافعیہ کے نزدیک ناجائز ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک چند شرائط کے ساتھ یہ صورت جائز ہے، لیکن ان تمام شرائط کو پورا کرنا آسان کام نہیں، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ ان کے مذہب کا حاصل بھی عدم جواز ہی نکلتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## حوالہ

دوسری بحث جس کا تذکرہ مالیاتی دستاویزات میں بکثرت ہوتا ہے، وہ حوالہ کی بحث ہے، لہذا حوالہ کی تعریف و حقیقت، چند مخصوص اصطلاحات، حوالہ کی شرائط اور احکام کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

## حوالہ کی تعریف

حوالہ لغت میں ”نقل“ کو کہتے ہیں، یعنی منتقل ہونا یا منتقل کرنا، اور اصطلاح شرع میں اس کی تعریف درج ذیل ہے:-

نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ۔

دین محیل کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل ہو جائے۔<sup>(۲)</sup>

یعنی دین (Debt) محیل کے ذمہ واجب ہوتا ہے، لیکن حوالہ کے بعد اس کے

(۱) من اراد ان یضالع هذا البحث الانیق بالإستیعاب فله ان یراجع کتاب ”بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة“ المجلد الثانی، للشیخ المفتری محمد تقی العثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراتشی، طبع ربیع الاول ۱۴۲۶ من الهجرة النبویة عی صاحبها الصلاة والسلام۔

(۲) الدر المختار، کتاب الحوالة، اور ہندیہ کے الفاظ یہ ہیں: نقل الدین من ذمۃ الی ذمۃ هو الصحیح کذا فی النہر السانق (۹۵۳)۔

ذمہ سے محتال عیہ کے ذمہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور کفیل کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہے، اور یہی فرق ہے حوالہ اور کفالہ میں کہ حوالہ میں "انتقال" پایا جاتا ہے، اور کفالہ میں "ضم" پایا جاتا ہے، یعنی کفالہ میں اصل مدیون کے ساتھ کفیل کا ذمہ بھی مشغول ہو جاتا ہے، اور اصل مدیون بری عن المدین نہیں ہوتا۔

### اصطلاحات

کفیل :- اصل مدیون (Debter) کو کہتے ہیں۔

محتال محال محال لہ محال لہ :- اصل دائن (Creditor) کو کہتے ہیں۔

محتال عیہ محال عیہ :- تیسرے شخص (Third Person) کو کہتے ہیں، یعنی

جو شخص کو دائن اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔

محال بہ :- دین (Debt) کو کہتے ہیں۔

توقی :- نکت میں بڑا کمال کو کہتے ہیں، اور شریعت میں اس کی دو

صورتیں ہیں :-

۱- محال عیہ حوالہ کا اختیار نہ رکھے، اور قسم بھی کھائے کہ میں نے حوالہ قبول نہیں کیا

ہے، اور محتال کے پاس شرعی حوالہ نہیں ہے۔

۲- محال عیہ مفلس ہونے کی حالت میں مر جائے۔

ان دونوں صورتوں میں اگر دائن اصل مدیون سے اپنے دین کا مطالبہ نہ کرے، تو

اس کا مال بڑا یعنی ضائع ہو جائے گا، اس کو توقی کہتے ہیں۔

### رکن حوالہ

حوالہ کا رکن صرف ایجاب و قبول ہے، یعنی میں نے طرف سے ایجاب کیا، اور

محال عیہ اور میں دونوں کی طرف سے قبول ہو، جیسا کہ عہدہ سہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

امارکن الحوالۃ فهو الإيجاب والقبول، الإيجاب من

المحيل والقبول من المحال عليه والمحال جميعا الخ۔<sup>(۱)</sup>

## شرائطِ حوالہ

حوالہ میں اطرافِ ثلاثہ یعنی محیل، محال لہ، اور محال تینوں کا عاقل ہونا، بالغ ہونا، اور تینوں کی رضا مندی کا پایا جانا ضروری ہے، لہذا اطرافِ ثلاثہ میں سے کسی بھی طرف کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ نیز محال بہ کا ذین ہونا بھی ضروری ہے، لہذا اعیان کا حوالہ درست نہیں۔ نیز ذین وغیرہ کا معلوم ہونا ضروری ہے، لہذا حوالہ بالجمہول جائز نہیں۔ چنانچہ معایر شرعیہ میں لکھا ہے:-

يشترط ان يكون كد من الدين المحال به والدين  
المحال عليه معلوماً صحيحاً قابلاً للنقل۔<sup>(۲)</sup>

## اقسامِ حوالہ

حوالہ کی درج ذیل چار قسمیں ہیں:-

۱۔ حوالہ مقیدہ، ۲۔ حوالہ مطلقہ، ۳۔ حوالہ حالہ، ۴۔ حوالہ مؤجلہ۔

حوالہ مقیدہ:- اس میں محیل کا محال علیہ کے ذمہ کوئی ذین یا عین واجب ہوتا ہے۔ اور حوالہ میں یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ محال علیہ اسی میں سے محیل کا ذین ادا کرے گا، اس صورت میں محال علیہ کو ذین کی ادائیگی کی صورت میں محیل کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔

حوالہ مطلقہ:- اس میں محیل کا محال علیہ کے ذمہ کوئی ذین یا عین واجب الادا نہیں ہوتا، بلکہ مذکورہ بالا شرائط کے مطابق محال علیہ اپنے مال میں سے محیل کی طرف سے ذین ادا کر دیتا ہے، اور پھر محیل کی طرف رجوع کر لیتا ہے کہ میری رقم دے دو۔

(۱) بدائع الصنائع لنکاسانی کتاب الحوالة (۱۵۶)۔

(۲) المعاییر الشرعیة (ص ۱۰۱)۔



حوالہ حالہ :- یہ وہ حوالہ ہے کہ جس میں دین محتال علیہ کے ذمہ فی الحال وادب ہو، خواہ پہلے سے اس طرح ہو، یا پہلے سے مؤجل ہو، لیکن حوالہ میں اجل کو ساقط کر دیا گیا ہو۔

حوالہ مؤجلہ :- یہ وہ حوالہ ہے کہ جس میں دین محتال علیہ کے ذمہ مؤجل ہے، یعنی اس وقت ہے، خواہ پہلے سے اس طرح ہو، یا پہلے سے مؤجل ہو، لیکن حوالہ میں اجل کو قید لگائی گئی ہو۔

### احکام حوالہ

- ۱- حوالہ میں ٹھیک اپنے دین سے بری ہو جاتا ہے۔
- ۲- اس میں مجال و محال علیہ سے دین کے مطالبے کی ولایت حاصل ہو جاتی ہے۔
- ۳- اگر مجال میں علیہ کا تعاقب شروع کرے، تو محال علیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ٹھیک کا تعاقب کرے۔

### مجال علیہ حوالہ سے کس طرح خارج ہوگا؟ اس کی صورتیں

- ۱- حوالہ فسخ ہو جائے۔
- ۲- توفی کی صورت میں، جس کی تفصیل اصطلاحات کے ذیل میں مذکور ہے۔
- ۳- مجال علیہ دین واداکرے۔
- ۴- مجال دین مجال علیہ و ہبہ کرے۔
- ۵- مجال دین مجال علیہ و صدقہ کرے۔
- ۶- مجال مرجعے، اور مجال علیہ اس کا وارث ہو۔<sup>(۱)</sup>

(۱) المعییر الشرعیۃ، ص ۱۰۰۔

(۲) کن ذلت ماخوذ من بدائع الصنائع للعلامة النجاشی کتاب العوالت، کذا فی الکتب العامة للفقہ۔

## چیک (Bank Cheque)

بیج الدین اور حوالہ کی بحث کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے مالیاتی دستاویزات کا مختصر جائزہ لے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر مرحلے پر اپنی مدد شامل حال رکھے۔

## چیک کی تعریف

چیک ایک قسم کا تحریری اور دستخط شدہ حکم نامہ ہوتا ہے جس میں بینک کا کوئی کھاتہ دار سے اس کے کھاتہ سے ایک مخصوص رقم کسی دوسرے شخص کو ادا یا منتقل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

ڈاکٹر محمد عثمان شبیر "چیک" کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

الشيك مأخوذ من الصك وهو وثيقة بمال أو نحوه والشيك محرر يتضمن أمراً مكتوباً يطلب به الساحب من المسحوب عليه (المصرف) ان يدفع بمجرد الإطلاع عليه مبلغاً معيناً من النقود لشخص معين أو لإذنه أو لحامله۔

چیک صک سے لیا گیا ہے، صک مال وغیرہ کے وثیقے کو کہتے ہیں، اور چیک ایک مکتوب ہے جس میں ایسا حکم لکھا ہوا ہوتا ہے جس سے لکھنے والا بینک سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس پر مطلع ہونے کے بعد ایک خاص مقدار رقم کی کسی خاص شخص یا اس کے اذن سے یا حامل (Bearer) کو ادا کرے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) تعارف زر و بنکاری (ص: ۲۲۳)۔

(۲) المعاملات المالية العصرية في الفقه الإسلامي (شبیر) محمد عثمان شبیر، اردن، دار النفائس، طبع ثالث ۱۴۱۹ھ۔

۱۰۰۰ جمعید کے یوں تعریف کی ہے:-

هو امر مكتوب وفقاً لوضاء حددها العرف يظب به  
الامر (الساحب) من المسحوب عليه ويكون بنكاً غالباً ان  
يدفع بمقتضاه وبمجرد الإصلاء مبلغاً معيناً لذن شخص  
معين او لحامد۔<sup>(۱)</sup>

اس تعریف کا عمل بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

آکر وہاں کے یوں چیک کی تعریف کی ہے:-

A cheque is an instrument containing an unconditional order, signed by the depositor, directing his banker to pay on demand a definite sum of money to himself or to the person named therein or the bearer of the cheque.

چیک ایک ایسا آلہ ہے جو نویہ مشروط حکم پر مشتمل ہو، اور اس پر ڈپازٹر کے دستخط ہوں، جس میں وہ اپنے نمبر کو ہدایت دیتا ہے کہ مخاطب پر ایک خاص رقم اس کو دیا جس کا اس میں نام ہو، یا حامل ہو اور آکرے۔<sup>(۲)</sup>

## چیک کے اطراف

کئی بھی چیک کے عمود تین فریق ہوتے ہیں:-

الف:- مرتب صاحب (Drawer)

ب:- مرتب الیہ مسحوب علیہ (Drawee) جو عموماً بینک ہی ہوتا ہے۔

ج:- وصول کنندہ مستفید (Payee)۔

الف سے مراد وہ شخص ہے جو چیک جاری کرتا ہے اور اس پر دستخط کرتا ہے۔

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية، الجعید (ستر بن ثواب) السعودیة، الطائف،

مکتبۃ الصدیق، طبع اول ۱۹۶۳ء، ص ۲۶۰۔

(۲) Introduction to Economic Principles, Dr. A. N. Agrawal, ۲۰

”ب“ سے مراد وہ فریق ہے جس کو چیک پیش کیا جاتا ہے، جو عموماً بنک ہی ہوتا ہے، اور ”ج“ سے مراد وہ شخص ہے جس کو چیک میں درج شدہ رقم مل جائے۔

چیک اور مبادلاتی بل (Bill of Exchange) میں چند نمایاں فروق

۱- مبادلاتی بل کسی بھی شخص کے نام جاری کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک صرف متعلقہ بنک کے نام ہی جاری کیا جاسکتا ہے۔

۲- مبادلاتی بل جس کے نام جاری کیا جائے، اس کی طرف سے اس کی قبولیت ضروری ہے، جبکہ چیک میں بنک کی طرف سے قبولیت ضروری نہیں۔

۳- مبادلاتی بل کی ادائیگی مطالبے یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی اس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق مطالبے پر ہوتی ہے۔

۴- مبادلاتی بل کو اس نہیں کیا جاسکتا، جبکہ چیک کو اس کیا جاسکتا ہے۔

۵- مبادلاتی بل میں ڈسکاؤنٹ ہو سکتا ہے، جبکہ چیک میں کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں کیا جاسکتا۔

۶- مبادلاتی بل میں درج رقم قسطوں میں ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ چیک میں درج شدہ رقم کو قسطوں میں ادا نہیں کیا جاسکتا، وغیرہ۔

## چیک کی چند مشہور اقسام

بنک چیک کی بہت ساری قسمیں ہیں، یہاں چند مشہور اقسام کو ذکر کیا جاتا ہے:-

۱- حامل چیک (Bearer Cheque):- یہ چیک کی ایک عام اور سادہ

ترین قسم ہے، اس قسم کا چیک بنک میں جو شخص بھی پیش کرتا ہے، بنک اس کی بلا حیل و حجت

ادائیگی کرتا ہے، اس قسم کے چیک کی ادائیگی کا بنک ہرگز ذمہ دار نہیں ہوتا، کیونکہ اس پر اس

قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ اس امر کی لازمی تصدیق کرے کہ اس کے کھاتہ

دار نے وہ چیک جس شخص کے نام جاری کیا ہے، آیا اسے کیش کرانے والا واقعی وہی شخص

ہے یا کوئی دوسرا، جو شخص بھی اسے پیش کرے بنک اسے اوائلی کرتا ہے، بشرطیکہ چیک کے نام واری مندرجات میں کوئی غلطی نہ ہو۔

۲- ہدایتی چیک (Order Cheque):- یہ وہ چیک ہوتا ہے جو جس شخص

کے نام جاری کیا گیا ہو، بنک اس شخص کے نام کی نہ واری تصدیق اور تسلی کے بعد ہی اس کی اوائلی کرتا ہے، نام کی تصدیق کرانا اس شخص کی ذمہ داری ہوتا ہے جس کے نام پر وہ چیک جاری کیا گیا ہو، تصدیق کے بعد یہ ذمہ داری بنک کی بن جاتی ہے کہ جس کے نام چیک جاری کیا گیا ہے یہ چیک مجاز شخص کے علاوہ کوئی دوسرا شخص کیش نہیں کر سکتا۔

۳- خط کشیدہ چیک (Cross Cheque):- یہ محفوظ ترین چیک ہوتا ہے،

یونکہ وہ جس شخص یا ادارے کے نام جاری کیا گیا ہو، وہی اسے کیش کرانے کا مجاز ہوتا ہے، اس میں جعل سازی کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں، نیز یہ چیک اکاؤنٹ میں جمع کیا جاتا ہے، براہ راست کیش نہیں ہوتا، اور اس کی چوری وغیرہ کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔

۴- پس تاریخی چیک (Post Dated Cheque):- یہ وہ چیک ہوتا

ہے جو آئندہ کی کسی تاریخ کے لئے جاری کیا گیا ہو، مثلاً آج تمہیں ستمبر ۲۰۰۶ء کا ایک تاجر کسی اوائلی کے سلسلے میں کسی دوسرے تاجر کو پندرہ دسمبر ۲۰۰۶ء کی تاریخ کا چیک دیتا ہے، اس چیک کا مقصد تاخیر سے اوائلی کرنا ہوتا ہے تاکہ اوائلی کرانے والے کو اس دوران اپنے کھاتے میں منطوبہ رقم جمع کرانے کی سہولت حاصل ہو جائے، اور چیک وصول کرنے والے کو یہ تسلی رہے کہ اسے وہی گنی تاریخ پر وصولی ہو جائے گی، ایسا چیک مقررہ تاریخ سے قبل کیش نہیں کیا جاسکتا۔

**چیک ڈسٹرو (Dishonour) کرنے کی وجوہات**

بنک درج ذیل قسمیں وجوہات کی بنا پر چیک ڈسٹرو کر سکتا ہے:-

۱- دستخطوں میں فرق ہو۔

- ۲- مقررہ تاریخ سے پہلے پیش کیا جائے۔
- ۳- مقررہ تاریخ کے بعد پیش کیا جائے۔
- ۴- اکاؤنٹ میں مطلوبہ رقم ناکافی ہو۔
- ۵- اکاؤنٹ ہولڈر کا انتقال ہو جائے۔
- ۶- بینک دیوالیہ ہو جائے۔
- ۷- عدالت اس سے متعلق حکم جاری کرے۔
- ۸- چیک میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو۔
- ۹- مقدار رقم میں فرق ہو۔
- ۱۰- دستخطوں میں دھوکے سے کام لیا گیا ہو۔

## چیک کی شرعی تکلیف

چیک کی شرعی تکلیف میں مختلف اقسام اور مختلف حالات کی وجہ سے علماء کے مختلف اقوال سامنے آتے ہیں، کہ چیک حوالہ ہے یا وکالہ ہے، یا کیا ہے، ہم یہاں صرف اس کے ضروری خلاصے کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

سید محمد باقر الصدر نے چیک کی شرعی تکلیف کے بارے میں جو بحث کی ہے، اس کا حاصل درج ذیل ہے:-

چیک میں چیک لکھنے والا عام طور پر مدیون (Debtor) ہوتا ہے، اور مستفید (Beneficiary) دائن (Creditor) ہوتا ہے، لہذا مدیون بنک کے لئے چیک لکھتا ہے، اور اس کو دائن کو دیتا ہے، تاکہ اس کا قرضہ چک جائے، پھر کبھی مدیون کا بنک میں بیلنس ہوتا ہے، اور کبھی نہیں ہوتا، بلکہ اوور ڈرافٹ کا معاملہ ہوتا ہے لہذا ان دونوں حالتوں کا حکم لکھا جاتا ہے:-

پہلی حالت :- اگر چیک لےنے والا خود اپنے اکاؤنٹ سے رقم نکلاتا ہے، تو یہ محض اپنا قرض وصول کرنا ہے، جسے "استیفاء دین" کہتے ہیں، لہذا اس صورت میں اگر مخرر چیک مستفید کا مدیون ہو، اور وہ چیک لے کر مستفید کو دے، تو یہ حوالہ ہے، اور یہ دائن کا حوالہ ہے، بہت بدمدیون، یہ شرعاً درست ہے، اور اس سے مدیون کا ذمہ فارغ سمجھا جائے گا۔

دوسری حالت :- کہ مخرر کا بینک میں کوئی بیننس نہ ہو، اور یہ "سحب علی الممشوف" (Overdraft) ہو، اور مخرر مستفید کا مدیون ہو، دائن یعنی مستفید یہ چیک بینک کو پیش کرتا ہے تاکہ وہ اپنی قیمت وصول کرے، تو یہ صورت بھی حوالہ کی ہے، لیکن اس میں ممتثال علیہ تمیل کا مدیون نہیں ہے، اسی وجہ سے فقہاء کی اصطلاح کے مطابق اس کو "حوالہ علی البری" کہتے ہیں، اور یہ بھی جائز ہے، بینک اگر چیک قبول کرے، تو گویا کہ اس نے حوالہ کو قبول کر لیا، تو اس کا ذمہ مجال کے لئے مشغول ہو جائے گا اس رقم کے ساتھ جو مجال کا محمول کے ذمہ واجب ہے، اور محمول بینک کا مدیون ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

اس کا حاصل یہ ہوا کہ :-

- ۱- اگر مخرر کا بینک میں بیننس ہے، اور وہ خود اپنے لئے بینک سے چیک کے ذریعے پیسے نکلاتا ہے، تو یہ محض استیفاء دین ہے۔
- ۲- اور اگر مخرر کا بینک میں بیننس موجود ہے، اور مخرر کسی اور کو چیک دیتا ہے، اور وہ مخرر کا دائن ہے، تو یہ دائن کا حوالہ ہے مدیون کے مقابلے میں۔

(۱) البنت الاربوی فی الاسلام، الصدر، السيد محمد باقر الصدر، بیروت لبنان، دار التعارف لمصنوعات، طبع ششم، ۱۹۸۰ء۔

۳- اور اگر محرر کا بینک میں بیلنس نہیں، اور محرر اپنے لئے بینک سے رقم نکلاتا ہے تو یہ قرض کا معاملہ ہے کہ بینک مقرض ہے، اور محرر مستقرض ہے۔

۴- اور محرر کا بینک میں بیلنس نہیں، اور محرر کسی اور کو چیک لکھ کر دیتا ہے، اور وہ محرر کا دائن ہے، تو یہ بھی حوالہ ہے، جس کی تفصیل دوسری حالت میں گزر گئی۔

اور "Shari'a Standards" میں چیک کی شرعی تکلیف کے بارے میں جو خلاصہ لکھا گیا ہے، وہ اسی کے الفاظ میں ذیل میں ملاحظہ ہو:-

An issuance a cheque against a current account is a form of hawala if the beneficiary is a creditor of the issuer or the account holder for the amount of the cheque. in which case the issuer, the bank and the beneficiary are the transferor, the payer and the transferee respectively.

If the beneficiary is not a creditor to the issuer of the cheque, then this is not a hawala transaction because there can be no hawala transaction without an existing debt. In the absence of a debt, the transaction becomes an agency contract for recovery of the amount of the debt on behalf of the transferor, which is lawful in Sharia.

If the beneficiary of the amount of a cheque is a creditor to the issuer, then issuing a cheque against the account of the issuer without a balance is unrestricted transfer of debt if the bank accepts the overdraft. If the bank rejects the overdraft, then this is not considered a transfer of debt, in which case the potential beneficiary may have recourse to the issuer.

The holder of a traveler's cheque, the value of which has been paid by him to the issuing institution, is a creditor to such an institution. If the holder of the traveler's cheque endorses the cheque in favour of his creditor, it becomes a transfer of debt in favour of a third party against the issuing institution that is a debtor to the holder



of the traveler's cheque. This is a restricted transfer of debt and the amount of the debt is the value of the cheque for which the institution received payment.<sup>(1)</sup>

اس کا حاصل یہ ہے کہ:-

- ۱- کرنٹ اکاؤنٹ کے لئے چیک کو جاری کرنا حوالہ ہے، جبکہ مستفید محرر کا دائن ہو، تو محرر محیل ہے، بنک محال علیہ ہے، اور مستفید محال ہے۔
  - ۲- اور جب محرر مستفید کا مدیون نہ ہو، تو یہ حوالہ نہیں، کیونکہ حوالہ بغیر دین کے نہیں ہوتا، بلکہ یہ وکالہ بالقبض ہے، جو شرعاً جائز ہے۔
  - ۳- جب محرر مستفید کا مدیون ہو، اور محرر کا بنک میں بیننس نہ ہو، تو یہ حوالہ مطلقہ ہے جب بنک اس کو قبول کرے، اور اگر بنک اس کو قبول نہ کرے، تو یہ حوالہ نہیں، اور حامل کو محرر کی طرف رجوع درست ہے۔
  - ۴- سفری چیک کا حامل جو اس کی قیمت ادارے کو ادا کرتا ہے، حامل اس ادارے کا دائن سمجھا جائے گا، اور اگر حامل اس کو اپنے دائن کے حق میں انڈورس کرے، تو یہ حوالہ بن جائے گا، اور یہ حوالہ مقیدہ ہے، حوالہ مطاقہ اور حوالہ مقیدہ کی تفصیل پہلے نذر چکی ہے۔
- مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تاملہ فتح الملہم میں چیک اور اس کے احکام کے بارے میں فرماتے ہیں:-

فألصحية ان الشيك المصرفي سند يدل على ان الذی  
 وقع عليه قد وُكِّل حامده لقبض دینہ من البنك ومقاصة  
 دینہ منه فليس ذلك من الاثمان في شيء، فلا يعتبر القبض  
 عليه قبضاً على مبلغه حتى ينقده البنك ولا يتأدى بأداءه  
 الزكوة حتى ينقده الفقير ولا يجوز اشتراء الذهب

(1) Shar'a Standards 1423 AH, 2002 Accounting and Auditing  
 Organization for Islamic Financial Institutions

والفضة به لفقدان التقابض في المجلس ويجوز لموقعه ان يعزل حامله عن الوكالة قبل ان يبلغ به الى البنك۔  
صحیح یہ ہے کہ بینک چیک ایک سند ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اس پر دستخط کئے ہیں، وہ حامل کو وکیل بناتا ہے تاکہ وہ اس کا دین وہاں سے وصول کرے، اور پھر مقاصد ہو جائے، لہذا چیک ٹمن نہیں، اس لئے چیک پر قبضہ اس کے اندر درج شدہ رقم پر قبضہ تصور نہیں ہوگا جب تک اس کو کیش نہ کرایا جائے، جب تک فقیر اس کو کیش نہ کرائے، اس وقت تک اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، نیز چیک سے سونا چاندی کی خریداری بھی جائز نہیں، کیونکہ مجلس کے اندر تقابض نہیں پایا جاتا، اور اس کے دستخط کنندہ کے لئے جائز ہے کہ اس کے حامل کو وکالت سے معزول کرے، جب تک وہ اس کو لے کر بینک نہ پہنچ جائے۔<sup>(۱)</sup>

کتاب البنك اللار بوی اور شرعیہ اسٹینڈرڈز کی مذکورہ عبارات کی روشنی میں بندے کا خیال یہ ہے کہ بعض صورتوں میں چیک کا معاملہ ضرور حوالہ کے زمرے میں آجاتا ہے، اس لئے علی الاطلاق چیک میں حوالہ کی نفی بظاہر درست نہیں، اور اس کو ہر حال میں محض رسید قرار دینا اور اس معاملے کو وکالت قرار دینا محل نظر ہے، نیز خط کشیدہ حکم بظاہر اس وقت ہے جبکہ سونے یا چاندی پر بھی مجلس عقد میں قبضہ نہ ہو، ورنہ اگر سونے یا چاندی پر مجلس عقد میں قبضہ پایا جائے، تو میرے خیال میں یہ معاملہ درست ہونا چاہئے، کیونکہ چیک میں درج شدہ رقم کوئی کرنسی ہوگی، اور کرنسی کے ساتھ سونے چاندی کا ادھار معاملہ درست ہے، کیونکہ یہ بیع صرف میں داخل نہیں۔

(۱) تکملة فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشی، مکتبۃ دارالعلوم کراتشی، (۵۱۵/۱)۔

## ہنڈ کی (Bill of Exchange)

## "Bill of Exchange" کی حقیقت اور تعریف

اس کی حقیقت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اپنی مشہور اردو تصنیف "اسلام اور

جدید معیشت و تجارت" میں اس طرح بیان فرماتے ہیں :-

بل آف ایکسچینج ایک خاص قسم کی دستاویز ہے، جب کوئی تاجر اپنا مال فروخت کرتا ہے، تو خریدار کے نام بل بناتا ہے، بعض اوقات اس بل کی ادائیگی کسی آئندہ تاریخ میں واجب ہوتی ہے، اس بل کو دستاویزی شکل دینے کے لئے مدیون اس کو منظور کر کے اس پر دستخط کر دیتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں تاریخ کو اس بل کی ادائیگی واجب ہے، اس کو عربی میں "کمبیالہ" اردو میں "ہنڈی" اور انگریزی میں "Bill of Exchange" کہتے ہیں، اور اس کو "مبادلاتی بل" بھی کہتے ہیں، اس دستاویز میں ادائیگی کی جو تاریخ لکھی ہوئی ہوتی ہے، اس تاریخ کے آجانے کو عربی میں "نضج الکمبیالہ" اور انگریزی میں "Maturity" کہتے ہیں، اس تاریخ ادائیگی کو "Maturity Date" کہتے ہیں۔ ہنڈی میں لکھا ہوا دین تو مدیون سے تاریخ ادائیگی آنے پر ہی لیا جاسکتا ہے، مگر دائن کو فوری طور پر رقم کی ضرورت ہوتی ہے، تو کسی تیسرے شخص کو وہ بل دے کر لکھی ہوئی رقم لے لیتا ہے، اور بل کی پشت پر دستخط کر کے اس کے حقوق اس تیسرے شخص کی طرف منتقل کر دیتا ہے، تیسرے شخص اس پر لکھی ہوئی رقم میں کٹوتی بھی کر دیتا ہے، مثلاً ہنڈی پر ایک ہزار روپے لکھے ہوئے ہیں تو وہ نو سو پچاس روپے دیتا ہے، اس عمل کو عربی میں "خصم

الکمیالہ" اور انگریزی میں "Discounting of the Bill of Exchange" اور اردو میں "بٹہ لگانا" کہتے ہیں۔ اور ہنڈی کی پشت پر جو دستخط کئے جاتے ہیں اس کو عربی میں "تظہیر" اور انگریزی میں "Endorsement" کہتے ہیں، اور اردو میں "عبارت ظہری لکھنا" کہتے ہیں۔ ہنڈی پر بٹہ لگانے کی شرح "Maturity" کو مد نظر رکھ کر طے ہوتی ہے، تاریخ ادا یگی جتنی قریب ہوتی جائے، بٹہ لگانے کی شرح کم ہوتی جاتی ہے۔ بینک بھی عموماً ہنڈی کی ڈسکاؤنٹنگ کرتے ہیں، اور یہ بھی بینکوں کے قصیر المیعاد قرضوں میں داخل ہے، اس لئے کہ بل کی ادا یگی "Maturity" عموماً تین ماہ میں ہوتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

اسی کو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور عربی تصنیف "بحوث" میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے:-

النوع الثانی من الأوراق المالية التي تتداول في السوق اليوم تسمى کمیالہ وهي عبارة عن الوثيقة التي يكتبها المشتري للبائع في بيع موجدل ويعترف فيها بانه وجب في ذمته ثمن المبيع، وانه يلتزم بأداء في تاريخ آجل، وان البائع حامل کمیالہ ربما يريد استعجال الحصول على مبلغها فلا ينتظر إلى تاريخ نضج کمیالہ بل يبيعها إلى طرف ثالث بأقل من قيمتها الإسمية ويسمى حسم کمیالہ او خصم کمیالہ "Discounting" والعادة في

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، عثمانی (محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید ۱۴۲۳ھ (ص: ۱۲۲)۔

سوق الأوراق ان مقدار هذا الحسم نسبة مبلغ الكمبيالة  
تحدد على اساس مدة نضجها فكلما كانت مدة نضجها  
اكثر كانت نسبة الحسم اكثر وكلما كانت المدة اقل  
كانت نسبة الحسم اقل۔<sup>(۱)</sup>

اس کا حاصل بھی وہی ہے جو اردو متن میں بیان ہوا۔  
ڈاکٹر عبدالعزیز فہمی ہیکل نے اس کی تعریف یوں کی ہے:-

هي نوع من السندات الاذنية التي تستخدم في التجارة  
الخارجية في الدول الغربية يعتهد بموجبها الساحب  
(The Drawer) وبدون شروط ان يدفع للمسحوب  
لصالحه (The Drawee) مبلغاً من المال في تاريخ معين۔  
یہ ان دستاویزات میں سے ہے جو بیرونی تجارت میں مغربی ممالک  
میں استعمال ہوتا ہے، اس کی بموجب لکھنے والا ذمہ دار لیٹا ہے بغیر  
کسی شرط کے کہ وہ مستفید کو کسی خاص تاریخ میں مال کی ایک مقدار  
دے گا۔<sup>(۲)</sup>

آگروہ وال نے اس کی یوں تعریف کی ہے:-

A bill of exchange is an order from a creditor to  
the debtor to pay a certain sum of money to  
himself or to the bearer.

بل آف ایکسچینج ڈائن کی طرف سے دیون کے لئے ایک حکم نامہ ہے

(۱) بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثمانی، محمد تقی العثمانی، کراتشی، مکتبہ  
دارالعلوم کراتشی، طبع جدید ۱۴۲۶ھ (۲۰۰۴)۔

(۲) موسوعة المصطلحات الإقتصادية الإحصائية، ہیکل (الدكتور عبدالعزیز فہمی  
ہیکل، بیروت، دار النهضة العربية (ص ۵)۔

کہ مدیون دائن کو یا حامل کو خاص مقدار پیسوں کی ادا کرے۔<sup>(۱)</sup>  
بل آف ایکسچینج ایکٹ مجریہ ۱۸۸۲ء میں اس کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی  
گئی ہے:-

An unconditional order in writing, addressed by one person to another signed by the person giving it, requiring the person to whom it is addressed to pay on demand or at a fixed or determinable future time a sum certain in money or to the order of a specified person, or to bearer.

مبادلاتی بل ایک غیر مشروط تحریری حکم نامہ ہے جو حکم دینے والے شخص یا فریق کے دستخطوں سے کسی دوسرے شخص یا فریق کے نام جاری کیا جاتا ہے، جس میں ایک مخصوص رقم اس میں مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی دوسرے شخص یا حامل بل کو اس کے مطالبے پر یا آئندہ کی کسی مقررہ تاریخ کو یا کسی قابل تعین تاریخ کو ادا کرنے کے لئے کہا گیا ہوتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

### ہنڈی کی شرائط

ہنڈی یا مبادلاتی بل میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:-

- ۱- یہ ایک حکم نامے کی صورت میں ہونا چاہئے، درخواست یا گزارش وغیرہ کی صورت میں نہیں ہونا چاہئے۔
- ۲- یہ حکم نامہ غیر مشروط ہونا چاہئے، یعنی اس میں درج رقم کی ادائیگی کو کسی شرط کے پورا ہونے سے مشروط نہیں ہونا چاہئے۔
- ۳- یہ حکم نامہ تحریری شکل میں ہونا ضروری ہے۔

(۱) Intrudaction to Economic Principles. Dr. A.N. Agarwal

(۲) بحوالہ تعارف زر و بنگاری، شیخ مبارک علی (ص: ۲۳۴)۔

۴۔ یہ حکم نامہ ایک شخص یا فریق کی طرف سے کسی دوسرے شخص یا فریق کے نام ہونا چاہئے، اگر بل مرتب کرنے والا اور جس کے نام مرتب کیا گیا ہو، دونوں ایک ہی شخص ہوں، تو اس کا شمار مستند بل میں نہیں ہوگا۔

۵۔ بل مرتب کرنے والے پر اس کے دستخط ہونے چاہئیں، اگر اس شخص کا تعلق کسی کمپنی سے ہو، تو وہ لازماً بااختیار شخص ہونا چاہئے۔

۶۔ بل میں لکھی ہوئی مخصوص رقم کی ادائیگی اس کے مطالبے پر یا آئندہ کی کسی مقررہ تاریخ کو یا مستقبل کی کسی قابل تعیین تاریخ کو ہونی چاہئے۔

۷۔ بل میں قابل ادائیگی مخصوص رقم کا اندراج ہونا چاہئے، اگر قابل ادائیگی مخصوص رقم کا اندراج نہیں ہوگا، تو اس بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

۸۔ بل کی رقم بل میں مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی دوسرے مخصوص شخص کو یا

حاصل کو ادا ہونی چاہئے۔<sup>(۱)</sup>

## بل آف آپریشن کی چند مشہور قسمیں

اس بل کو اس کی نوعیت کے اعتبار سے ان تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-

۱۔ بلحاظ مقام      ۲۔ بلحاظ مقاصد      ۳۔ بلحاظ ادائیگی قیمت

### بلحاظ مقام

بلحاظ مقام بل کی دو قسمیں ہیں:-

ملکی بل (Inland Bill):- یہ وہ بل ہے جسے اندرون ملک ہی تجارتی لین دین میں استعمال کیا جاسکتا ہے، دوسرے لفظوں میں بل کے فریقین کا تعلق ایک ہی ملک سے ہوتا ہے، اور اس بل کے عوض رقم کا لین دین بھی اندرون ملک ہی ہوگا۔

غیر ملکی بل (Foreign Bill):- یہ وہ بل ہوتا ہے جس کے فریقین میں ملکی

(۱) تعارف زر و بنگاری، شیخ مبارک علی۔

تاجر کے علاوہ غیر ملکی تاجر بھی شامل ہو، مثلاً اگر پاکستان کے کسی تاجر نے سنگاپور کے کسی تاجر کے نام کوئی بل بنایا ہے، اور اس نے اس کی ادائیگی تحریری طور پر قبول کر لی ہے، تو یہ بل غیر ملکی بل کہلائے گا، کیونکہ اس بل کی ادائیگی سنگاپور میں ہوگی۔

### بلحاظ مقاصد

اس لحاظ سے بھی بل کی دو قسمیں ہیں :-

**تجارتی بل (Commercial Bill) :-** وہ بل جو تجارتی لین دین کے تصفیے کے لئے بنایا جائے، اسے تجارتی بل کہتے ہیں، کاروباری دنیا میں اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ کسی شے کا خریدار اس کی رقم فروخت کنندہ کو نقد ادا کرنے کے بجائے اس سے مستقبل میں ادائیگی کے لئے بل بنوا لیتا ہے، اور اس پر اس امر کی اپنی قبولیت ثبت کر دیتا ہے کہ وہ بل میں درج رقم اس کی ہدایت کے مطابق دی گئی مقررہ تاریخ کو ادا کرے گا۔

**اعانتی بل (Accommodation Bill) :-** یہ بل تجارتی ادھار کے لین دین کے تصفیے کے لئے نہیں، بلکہ کسی کی مالی اعانت کے لئے بنائے جاتے ہیں، ایسے بلوں کا مقصد کسی شخص کو بل کی کٹوتی کا موقع فراہم کر کے کچھ عرصے کے لئے اس کی مالی اعانت کرنا ہوتا ہے۔

### بلحاظ ادائیگی وقت

اس لحاظ سے بھی بل کی دو قسمیں ہیں :-

**عند الطلب (On Demand Bill) :-** وہ بل جو پیش کرنے یا دکھانے پر قابل ادائیگی ہو، اسے عند الطلب بل کا نام دیا جاتا ہے۔

**مدتی بل (Time Bill) :-** یہ وہ بل ہوتا ہے جو مستقبل میں کسی مخصوص تاریخ یا کسی معینہ مدت کے بعد قابل ادائیگی ہو، یہ مدت یا تو بل کی اجرائی تاریخ سے شروع ہوتی ہے، یا پھر قبولیت کی تاریخ سے۔



## بل کی تیاری کا طریقہ کار

بل کی تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے:-

- ۱- ریونیوٹلٹ چپکانا:- بل کو قانونی آلہ مبادلہ کی حیثیت دینے کے لئے مرتب یا جاری کنندہ کو اس کے عوض ایک مخصوص رقم کا سرکاری ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے، جسے بل کے اوپر ایک کونے پر ٹلٹ کی شکل میں چپکانا پڑتا ہے۔
- ۲- رقم کا اندراج:- بل میں مندرجہ قابل ادا رقم کو ہندسوں اور الفاظ دونوں میں صاف اور واضح طور پر لکھا جاتا ہے۔
- ۳- تاریخ کا اندراج:- بل جس تاریخ کو مرتب یا تیار کیا جائے، وہ واضح اور صاف طور پر تحریر کی جانی چاہئے، تاریخ عام طور پر بل کے اوپر ٹلٹ کے مخالف کونے پر درج کی جاتی ہے۔
- ۴- وصول کنندہ کا نام:- بل جس شخص یا فریق کو ادا کیا جانا مقصود ہو، اس میں اس کا نام بھی اس کے متن میں صاف اور واضح طور پر تحریر کیا جانا چاہئے۔
- ۵- مالیت وصول شدہ:- بل ہمیشہ ایک مخصوص قدر یا مالیت کے لئے لکھا جاتا ہے، لہذا بل میں یہ الفاظ ”مالیت وصول شدہ ہے“ یا برائے مالیت وصول شدہ (For Value Received) ضرور تحریر کئے جانے چاہئیں۔
- ۶- مرتب کے دستخط مثبت ہوں:- بل میں اس کے مرتب کے دستخط مثبت ہونا بھی لازمی ہے، دستخط کے بغیر بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔
- ۷- مرتب الیہ کا نام اور پتہ:- بل کے آخر میں اس کے مرتب الیہ کا نام اور پتہ نچلے سرے پر دستخط کی مخالف سمت میں درج کیا جانا ضروری ہے۔
- ۸- بل کی قبولیت:- صرف بل کی تیاری کے بعد اس میں مندرجہ رقم کسی شخص پر واجب الاداء نہیں ہو جاتی، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ مرتب الیہ یا اس کی

طرف سے کوئی مجاز شخص اپنی تحریری قبولیت کا اندراج بل پر کر دے، اس کے بغیر بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔

### بل کی کٹوتی (Discounting of Bill of Exchange)

تجارتی دنیا میں ادھار لین دین میں سہولت کے پیش نظر مدتی بل عموماً زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں، مدتی بل کی ادائیگی کے لئے مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر ہوتی ہے، چنانچہ اگر حامل کو بل میں لکھی ہوئی رقم کی مقررہ مدت سے ضرورت پڑ جائے، تو اسے کٹوتی کے لئے کسی بنک میں پیش کرتا ہے، آج کے ترقی یافتہ دور کے تقریباً تمام تجارتی بنک اس قسم کے بلوں پر کٹوتی کی سہولت مہیا کر کے کاروباری لوگوں کو مالیات فراہم کرنے کے کاروبار میں سرگرم عمل ہیں، دراصل بنک ایسے بل کو خریدتے ہیں، اور اس کے عوض بل میں درج شدہ رقم سے کچھ کم رقم ادا کرتے ہیں، کٹوتی کا تعین بنک کی مروجہ شرح سود کے مطابق کیا جاتا ہے، اس قسم کی کٹوتی کو بنک کی طرف سے حامل بل کے لئے ایک قسم کا قلیل مدتی قرضہ بھی کہا جاسکتا ہے جس پر بنک کٹوتی کی صورت میں پیشگی سود کی وصولی کر لیتا ہے۔

### ہنڈی (Bill of Exchange) کی شرعی تکلیف

اگر مرتب (ساحب) مستفید کا مدیون ہو، تو اس صورت میں ہنڈی از قبیل حوالہ ہے، مرتب محیل ہوگا، مرتب الیہ محال علیہ ہوگا، اور مستفید محال ہوگا، اور اگر مرتب مستفید کا مدیون نہ ہو، تو اس صورت میں ہنڈی از قبیل حوالہ نہیں ہوگا، بلکہ یہ وکالہ ہوگا۔ پھر جاننا چاہئے کہ اگر مرتب اور مرتب الیہ میں مدیونیت کا علاقہ نہ ہو، تو یہ حوالہ مطلقہ ہے۔

فی المعاییر الشرعیة: تعتبر الكمبیالة من قبیل الحوالة  
إذا كان الشخص المستفید الذی سحبت لأمره دائناً  
للساحب، ویكون الساحب هو المحیل الذی یصدر أمراً

لمسحوب عليه بدفع مبلغ معين من النقود في تاريخ معين للمستفيد المحدد۔

اما الجهة الملتزمة بدفع المبلغ المعين (المسحوب عليه) فهي المحال عليه، والمستفيد حامل الكمبيالة هو المحال، فإن لم يكن المستفيد دائناً للساحب كان إصدار الكمبيالة توكيداً من الساحب للشخص في قبض واستيفاء مبلغ الكمبيالة۔

تعتبر الكمبيالة في حال عدم وجود مديونية بين الساحب والمسحوب عليه من قبيل الحوالة المطلقة۔<sup>(۱)</sup>  
اس عبارت کا حاصل وہی ہے، جو ہم نے اوپر بیان کیا۔

وفي تكملة فتح المنهم فاما البون والكمبيالة والوثائق الأخرى التي يكتب عليها مبلغ الدين منذ يوم إجراءها، فإن التعامل بها حوالة صحيحة بلا ريب لأن الذي أصدرها قد كتب عليها إنى مدين لكل من يحملها بهذا المبلغ المعلوم فكلما سلمها حاملها إلى رجل آخر، فقد أحال دينه عليه، وقد وجد رضا المحيل والمحتال صريحاً ورضاً المحتال عليه معني لأن المحتال عليه هو الذي أجرى هذه الأوراق أول مرة وقد رضى بأداء مبلغها إلى كل من يحملها فرضاه عام لكل من يحملها وأما تلفظ الإيجاب والقبول فلا يشترط في الحوالة بل تنعقد الحوالة بالتعاطي كما ينعقد البيع۔

(۱) المعايير الشرعية، هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية ۱۴۲۵ھ۔

بانڈ، ہنڈیاں اور دیگر مالی دستاویزات جن پر خاص مقدار لکھی ہوئی ہوتی ہے، جاری کرنے کے دن سے، ان کے ساتھ تعامل بلاشبہ حوالہ صحیح ہے، کیونکہ جس نے اس کو جاری کیا ہے، اس نے اس پر لکھا ہے کہ میں ہر اس شخص کا مدیون ہوں جس کے پاس یہ بل موجود ہو، پس جب وہ یہ بل کسی اور آدمی کو دیتا ہے تو وہ حوالہ کر رہا ہے، اس میں محیل اور محتمل کی رضامندی صراحتاً پائی جاتی ہے، اور محتمل علیہ کی رضامندی معنی پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ جاری کرتے وقت اس بات پر راضی ہے کہ وہ اس میں لکھی ہوئی رقم ہر اس شخص کو ادا کرے گا، جس کے پاس یہ بل موجود ہو، جہاں تک ایجاب و قبول کے تلفظ کا تعلق ہے تو وہ حوالہ میں شرط نہیں، (یعنی تلفظ شرط نہیں ہے) بلکہ یہ تعاطی سے بھی منعقد ہوتا ہے، جیسا کہ بیع تعاطی سے منعقد ہو جاتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

### کٹوتی (Discounting) کا حکم

جمہور علمائے معاصرین نے کہا ہے کہ یہ ”بیع الدین من غیر من علیہ باقل منہ“ جو ناجائز ہے، بیع الدین کی پوری تفصیل شروع میں ذکر ہو چکی ہے۔ فقہائے کرام نے ایک پیپر کا ذکر کیا ہے، جو ہنڈی کے مشابہ ہے، اور اس کو ”جاکیہ“ کا نام دیا ہے، یہ اس دستاویز کو کہتے ہیں جس کو بیت المال یا متولی وقف کسی ایسے شخص کے لئے جاری کرتا ہے، جس کا بیت المال یا وقف میں مالی حق موجود ہو، اور اس کو پیسوں کی فی الحال ضرورت ہے، تو وہ کسی آدمی سے کہتا ہے کہ جاکیہ میں جو رقم لکھی ہوئی ہے، اس سے کم مجھے دو، تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ بیع الدین میں داخل ہے، علامہ ہسکلفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح ذکر کیا ہے:-

(۱) تکملة فتح الملہم شرح الصحیح لمسلم، العثمانی (محمد تقی العثمانی) کراتشی،

مکتبہ دارالعلوم کراتشی (۱/۵۱۵)۔

وافقی المصنف (ای صاحب تنویر الأبصار) ببطلان بیع  
الجامکیة لمافی الاشباه بیع الدین إنما يجوز من  
المدیون۔

وقال ابن عابدین تحتہ عبارة المصنف فی فتاواه: سئل  
عن بیع الجامکیة وهو أن یکون لرجل جامکیة فی بیت  
المال ویحتاج إلی دراهم معجدة قبل أن تخرج الجامکیة،  
فیقول له رجل: بعنی جامکیتک التي قدرها کذا بكذا  
انقص من حقه فی الجامکیة، فیقول: بعثک۔ فهل البیع  
المذکور صحیح أم لا؟ لکونه بیع الدین بنقد، اجاب: إذا  
باء الدین من غیر من هو علیه کما ذکر لا یصح۔ قال  
مولانا فی فوائده: وبيع الدین لا يجوز ولو باعه المدیون  
أو وهب۔<sup>(۱)</sup>

اور حنا بد کی کتابوں میں یہ عبارت ہے:-

ولا یصح بیع العطاء قبل قبضه لأن العطاء مغیب فیکون  
من بیع الغرر وهو أن العطاء قسطه فی الدیوان، ولا یصح  
بیع رقعة به ای بالعطاء لأن المقصود بیع العطاء لاھی۔  
عطا کو قبض کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ عطا حاضر  
نہیں، لہذا اس میں غرر ہے کیونکہ عطا کی قسط دیوان میں ہے، اور اس  
کی دستاویز بیچنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہاں مقصود عطا ہی کو فروخت  
کرنا ہے، نہ کہ دستاویز۔<sup>(۲)</sup>

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، مطلب فی بیع الجامکیة۔

(۲) کشف القناع للبهوتی (۱۵۶۳)۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حنفیہ اور حنابلہ کی اصل کے مطابق بیع الدین من غیر من علیہ الدین مطلقاً ناجائز ہے، لہذا اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنڈی ڈسکاؤنٹ کے بغیر فروخت کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ بیع الدین من غیر من علیہ الدین ہے، جو علی الاطلاق ناجائز ہے۔

البتہ مالکیہ کی اصل کے مطابق ہنڈی کاٹمن یا تو نقد میں سے نہ ہو، یا پھر ٹمن اس کی قیمت کے برابر ہو، اور شوائع کا مذہب بھی اس طرح معلوم ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کٹوتی تو بہر حال کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ اس سلسلے میں مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کی قرارداد کے الفاظ درج ذیل ہیں:-

إن حسم الأوراق التجارية غیر جائز شرعاً لأنه یول إلى ربا  
النسیئة المحرم۔

مالیاتی دستاویزات کی کٹوتی بہر حال ناجائز ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ ربا النسیئہ کی شکل میں نکلتا ہے، جو حرام ہے۔<sup>(۱)</sup>

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مذکورہ موقف سے متفق نہیں، وہ اس معاملے کو بیع الدین قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کو حوالہ قرار دے رہے ہیں، چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:-

ڈسکاؤنٹنگ کی فقہی حیثیت یہ ہے کہ دائن جس کے ہاتھ میں بل ہے، وہ دین کا بٹہ لگانے والے (Discounter) کی طرف حوالہ کر دیتا ہے۔ اور یہ حوالہ بانقص من الدین ہے جو ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ ربا الفضل ہے۔ ڈسکاؤنٹنگ کے اس معاملے کو بیع الدین نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ بیع اور حوالہ میں یہ فرق ہوتا ہے کہ بیع کے بعد دائن بری الذمہ ہو جاتا ہے، اور دین کے تمام حقوق اس شخص کی

(۱) مجلة مجمع الفقہ الإسلامی، العدد السابع ۲/۲۱۷، قرار رقم ۲/۶۶/۷ فقرہ ۳، بحوالہ "بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة" المجلد الثانی۔

طرف راجع ہو جاتے ہیں جس سے دین خریدنا ہوتا ہے۔ اور حوالہ میں ٹیکل ہی دائن رہتا ہے، وہ برقی الذمہ نہیں ہوتا، اگر محتال و دین نہ تے تو وہ ٹیکل کی طرف رجوع کا حق دار ہوتا ہے، اور آج کل ڈسکاؤنٹنگ میں صورت حال یہی ہوتی ہے کہ اگر بڑے لگانے والے (Discounter) کو بل وصول نہ ہو تو وہ اصل دائن سے رجوع کرتا ہے، لہذا یہ "بیع الدین من غیر من عنہ الدین" نہیں، بلکہ "حوالۃ الدین بانقص من الدین" ہے۔<sup>(۱)</sup>

اسی کو حضرت مفتی صاحب اپنی عربی تصنیف میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

والذی یظهر لی ان حسم الكمبیالة لیس بیعاً فی الحقیقة وإنما هو اقراض وحوالة، فالذی یحسم الكمبیالة یقرض الی حامنها مبلغاً ثم یحیی الحامل المقترض ایاه علی مصدر الكمبیالة والدلیل علی ذلك ان فی قوانین معظم البلاد لا یتحمم الحاسم خطر عدم التسدید بل یحق له ان یرجع علی حامد الكمبیالة إذا لم یقع التسدید من مصدر الكمبیالة وهذا شان الحوالة علی مذهب الحنفیة۔<sup>(۲)</sup>

Bill of Exchange کی کٹوتی کا شرعی متبادل (Alternative)

اس کی جگہ جگہ صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تاجر اس بل کو فروخت کرنے کی بجائے بینک کو اپنا قرض وصول کرنے کا وہیل بنائے، اور

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص: ۱۵۰۔

(۲) بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشی، مکتبہ دارالعلوم کراتشی، طبع جدید ۱۴۲۶ھ۔

اس کے لئے وکالہ فیس مقرر کر دے، پھر اس بنک سے بل پر درج شدہ رقم کے برابر قرض لے لے، بنک تاجر کے وکیل کی حیثیت سے قرضہ وصول کرنے کے بعد تاجر کو دیئے ہوئے قرض کے بدلے میں اپنا قرض وصول کرے۔

مثلاً: زید کے پاس ایک بل ہے جس پر ایک لاکھ روپے کا مبلغ درج ہے، تو زید بنک کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس رقم کو بل کے جاری کرنے والے سے ایک ہزار روپے کے عوض وصول کرے، پھر بنک زید کو عقد مستقل کے ساتھ ننانوے ہزار روپے قرض دیتا ہے، پھر جب بنک ایک لاکھ روپے اصل آدمی سے وصول کر لے گا، تو مقاصد واقع ہو جائے گا، تو بنک اس میں سے ننانوے ہزار روپے اپنے قرض کے طور پر رکھ لے، اور ایک ہزار روپے وکالہ فیس کے طور کے رکھ لے۔

لیکن یہ معاملہ درست ہونے کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:-

الاول: ان یکون کل واحد من العقدين منفصلاً عن الآخر فلا تشترط الوكالة في القرض والقرض في الوكالة۔  
الثانی: ان لا تكون اجرة الوكالة مرتبطة بمدة نضج الكمبيالة بحيث تكون الاجرة زائدة ان كانت المدة طويلة وتكون اقل ان كانت قصيرة۔

الثالث: ان لا يزداد في اجرة الوكالة بسبب القرض الذي اقرضه البنك فانه يكون حينئذ قرصاً جراً منفعه۔

۱- قرض اور وکالہ کے دونوں عقد بالکل ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں،

وکالہ عقد قرض کے لئے شرط نہ ہو، اور عقد قرض وکالہ کے لئے شرط نہ ہو۔

۲- وکالہ فیس (Maturity) کی مدت کے ساتھ مربوط نہ ہو کہ اگر مدت لمبی ہو، تو

اجرت زیادہ ہو، اور اگر مدت کم ہو، تو اجرت بھی کم ہو۔

۳- قرض کی وجہ سے وکالہ فیس میں اضافہ نہ ہو، ورنہ یہ "کل قرض جراً



منفعة" میں داخل ہو جائے گا، جو ناجائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

لیکن اس تجویز میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ عموماً وکالت کی اجرت کو بل کی رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کیا جائے گا، بل کی رقم زیادہ ہو، تو اجرت بھی زیادہ ہوگی، اور رقم کم ہو، تو اجرت بھی کم ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ اجرت کو مدت کے ساتھ بھی مربوط کیا جائے گا، بل کی پختگی زیادہ مدت کے بعد ہونی ہو، تو اجرت زیادہ ہوگی، اور پختگی کم مدت میں ہونی ہو، تو اجرت کم ہوگی۔ اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اجرت کو رقم کی تعداد اور مدت پختگی کے ساتھ مربوط کرنا درست ہے یا نہیں؟

اجرت کو رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذلالی (سمرقہ) کی اجرت کو مالیت کے ساتھ وابستہ کرنے میں اختلاف ہے، لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے جواز کو ترجیح دی ہے۔ یعنی دلال نے زیادہ مالیت کی چیز نیچی ہے تو زیادہ اجرت لینا، اور کم مالیت کی چیز میں دلال بنا ہے، تو کم اجرت لینا جائز ہے۔ اس کی جو وجہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جو یہاں مالیت کم یا زیادہ ہونے کی صورت میں دلال کی محنت اور عمل برابر ہے، مگر اجرت مقرر کرتے ہوئے صرف عمل اور محنت کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اجرت مقرر ہونے میں عمل کی قدر اور نوعیت کا بھی دخل ہوتا ہے، کم مالیت کی چیز کی دلالی کی قدر کم ہے، اور زیادہ

(۱) بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشی، مکبتہ۔

دارالعلوم کراتشی، طبع جدید ۱۴۲۶ھ۔

مالیت کی چیز کی قدر زیادہ ہے، لہذا اس کی بنا پر اجرت میں بھی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے وکالت کی اجرت کو مقدار رقم کے ساتھ وابستہ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر اجرت کو مدت اور زمانے کے ساتھ مربوط کرنے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہ عینہ والی شکل ہے کہ بلا سود قرض لے کر قرض کی مدت کے حساب سے وکالت کی اجرت وصول کر لی گئی یعنی جو سود قرض پر نہیں لیا جاسکا، وہ وکالت کی اجرت بڑھا کر وصول کر لیا گیا<sup>(۱)</sup>۔ حاصل یہ کہ وکالتہ فیس کو مذکورہ معاملے میں :-

- ۱- بل کی رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کرنے کی گنجائش ہے۔
- ۲- لیکن بل کی پختگی کی مدت کے ساتھ مربوط کرنا جائز نہیں۔

## مالیاتی دستاویزات کی نظہیر (Endorsement) کی فقہی تکلیف

نظہیر کی دو قسمیں ہیں :-

نظہیر تملیکی، اور نظہیر توکیلی۔

پہلی قسم میں مظہر (Endorser) دستاویز کی قیمت کو مظہر الیہ (Beneficiary)

کو منتقل کرتا ہے، اب اگر مظہر مظہر الیہ کا مدیون ہو، تو یہ حوالہ ہے، اور اگر ایسا نہ ہو، تو یہ توکیلی بالقبض ہے۔

دوسری قسم میں کلائنٹ نظہیر کے ذریعے ادارے سے دستاویز کی قیمت وصول

کرنا چاہتا ہے، یہ حوالہ نہیں، بلکہ یہ وکالتہ ہے، جو جائز ہے، خواہ اجرت کے ساتھ ہو، یا بدون اجرت ہو۔

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۱۵۱۔

## بنکی تحویلات (Remittances / Transfer of Money) کی شرعی تکلیف

اگر کلائنٹ / بنک / ادارہ سے کہے کہ میرے کرنٹ اکاؤنٹ سے اسی کرنسی میں فلاں شخص کو رقم بھیج دے، تو یہ حوالہ ہے، اور اس پر ادارہ جو اجرت لیتا ہے، وہ جائز ہے، کیونکہ یہ پہنچانے کی اجرت ہے۔ البقیہ تفصیلات اس مسئلے کی گزشتہ ابواب میں ذکر ہو چکی ہیں<sup>(۱)</sup>۔

### پرومیسری نوٹ / اقرار نامہ (Promissory Note)

An unconditional promise in writing made by one person to another signed by the maker engaging to pay on demand or at a fixed or determinable future time, a sum certain in money to or to the order of a specified person, or to bearer.

اقرار نامہ ایک شخص کا اپنے دستخط کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے نام ایک غیر مشروط تحریری وعدہ ہوتا ہے، جس میں اقرار نامہ تیار کرنے والا یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس میں تحریر کردہ رقم کو جب وہ طلب کی جائے یا مستقبل کی کسی مقررہ قابل تعیین مدت پر اسے یا اس کے حکم کے مطابق کسی دوسرے شخص کو یا اس کے اقرار نامے کے حامل یا قابض شخص کو ادا کرے گا۔<sup>(۲)</sup>

ایک اقرار نامے کی لازمی شرائط یہ ہوتی ہیں:-

۱- غیر مشروط۔

۲- تحریری۔

۳- ایک خاص رقم کی ادائیگی۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المعايير الشرعية بالعربية، و Sharia Standards۔

(۲) تعارف زرو بنکاری ص: ۲۵۸۔

۴- ادائیگی کسی مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی اور شخص کو یا اس کے حامل یا

قابل کو۔

۵- ادائیگی مطالبے پر، یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر۔

۶- وعدہ کرنے والے کے دستخط۔

Promissory Note: a financial instrument containing an unconditional undertaking signed by the maker to pay on demand, or at a fixed or determinable time in future, a certain sum of money to the holder or to the bearer of the instrument, or to the order of a designated party.<sup>(1)</sup>

اس تعریف کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

## حکم شرعی

اس نوٹ پر قبضہ اس میں درج رقم پر قبضہ نہیں لہذا اس کے ساتھ ان معاملات میں تعامل درست نہیں، جن میں قبضہ شرط ہے، مثلاً بیع صرف میں، یا بیع سلم، یعنی صرف میں اس کو بدل صرف اور سلم میں اس کو اس المال بنانا جائز نہیں۔

اسی طرح اس کو فیس ویلیو سے زیادہ پر فروخت کرنا بھی جائز نہیں، وغیرہ۔<sup>(۲)</sup>

بل آف ایکسچینج، چیک اور پرامیسری نوٹ کے آپس میں ایک

دوسرے کے ساتھ کچھ اہم فرق

چیک اور بل (Bill of Exchange) میں فرق

۱- مبادلاتی بل کسی بھی شخص کے نام جاری کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک صرف

(1) Glossary; Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المعاییر الشرعیة۔

متعلقہ بینک کے نام ہی جاری کیا جاسکتا ہے۔

۲- مبادلاتی بل جس کے نام جاری کیا جائے، اس کی طرف سے اس کی قبولیت ضروری ہے، جبکہ چیک میں بینک کی طرف سے قبولیت ضروری نہیں۔

۳- مبادلاتی بل کی ادائیگی مطالبے یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی اس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق مطالبے پر ہوتی ہے۔

۴- مبادلاتی بل کو اس نہیں کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک کو اس کیا جاسکتا ہے۔

۵- مبادلاتی بل میں ڈسکاؤنٹ ہو سکتا ہے، جبکہ چیک میں کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں

کیا جاسکتا۔

۶- مبادلاتی بل میں درج رقم قسطوں میں ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ چیک میں

درج شدہ رقم کو قسطوں میں ادا نہیں کیا جاسکتا، وغیرہ۔

## بل اور پرامیسری نوٹ میں فرق

۱- بل جب قبول کر لیا جاتا ہے، تو اس کے مرتب الیہ کی ذمہ داری ثانوی نوعیت

کی رہ جاتی ہے، جبکہ پرامیسری نوٹ تیار کرنے والا اول مقروض ہوتا ہے، اور وہی اس کو قبول کرنے والے سے خط و کتابت کرتا ہے۔

۲- بل کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کا ایک غیر مشروط حکم نامہ ہے، جبکہ نوٹ کسی

مخصوص رقم کی ادائیگی کا ایک غیر مشروط وعدہ ہے۔

۳- بل کے لئے قبولیت درکار ہوتی ہے، جبکہ نوٹ کے لئے قبولیت درکار نہیں

ہوتی، کیونکہ اقرار نامہ رقم ادا کرنے والا خط لکھ کر دیتا ہے۔

۴- غیر ملکی بل کے دو تین سیٹس میں بھی تیار ہوتا ہے، جبکہ اقرار نامہ کسی سیٹ کی

صورت میں تیار نہیں ہوتا۔

۵- بل کو تیار کرنے والوں کی ذمہ داری مشترک ہوتی ہے، جبکہ اقرار نامہ تیار

کرنے والے مشترکہ طور پر یہ اقرار نامے کے الفاظ کے مطابق مشترکہ یا انفرادی طور پر رقم کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

۶۔ بل کا وسیع پیمانے پر عام لین دین ہوتا ہے، جبکہ اقرار نامے کا محدود طور پر لین دین ہوتا ہے۔

۷۔ بل غیر ملکی بھی ہو سکتا ہے، جبکہ اقرار نامہ صرف ملکی ہی ہو سکتا ہے۔

### پرائمیسری نوٹ اور چیک میں فرق

۱۔ پرائمیسری نوٹ کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کے لئے غیر مشروط وعدہ ہوتا ہے، جبکہ چیک بنک کے نام حکم نامہ ہوتا ہے۔

۲۔ نوٹ کے صرف دو فریق ہوتے ہیں، اقرار کرنے والا، اور رقم پانے والا، جبکہ چیک میں تین فریق بھی ہو سکتے ہیں۔

۳۔ نوٹ میں ادائیگی کے لئے کوئی خاص مدت مقرر ہوتی ہے، جبکہ چیک ہمیشہ عند الطلب واجب الاداء ہوتا ہے۔

۴۔ نوٹ کا استعمال محدود ہے، جبکہ چیک کا استعمال غیر محدود ہے۔

۵۔ نوٹ کی ادائیگی اسے بنانے والے شخص کو ہی کرنا ہوتی ہے، تاہم اسے بنانے والے اگر مشترکہ کاروبار سے وابستہ ہیں، تو ادائیگی ان کی مشترکہ ذمہ داری ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی صرف متعلقہ مخصوص بنک اور اس کی مخصوص شاخ سے ہی ہو سکتی ہے۔

### کریڈٹ کارڈ (Credit Card)

آج کل تین قسم کے کارڈ رائج ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:-

۱۔ کریڈٹ کارڈ

۲۔ ڈیبٹ کارڈ

۳۔ چارج کارڈ

## ۱ کریڈٹ کارڈ (Credit Card)

اس کارڈ کے حامل کا ادارے میں کوئی اکاؤنٹ نہیں ہوتا، بلکہ وہ معاہدہ ہی ادھار پر سودے کا کرتا ہے، اس معاہدے میں اگرچہ ادارہ ایک متعین مدت فراہم کرتا ہے کہ جس میں اگر حامل کارڈ ادائیگی کر دے، تو اس کو سود ادا نہیں کرنا پڑتا، لیکن اصلاً معاہدہ سود کی بنیاد ہی پر ہوتا ہے، اور اس کی ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس میں تجدید مدت (Rescheduling) کی سہولت بھی موجود ہوتی ہے، جس سے ادائیگی کی مدت بڑھ جاتی ہے، البتہ اس کے ساتھ ساتھ شرح سود میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اور بعض صورتوں میں اضافی رقم لی جاتی ہے۔

## ۲ ڈیبٹ کارڈ (Debit Card)

اس کارڈ کے حامل کا پہلے سے ادارے میں اکاؤنٹ موجود ہوتا ہے، جس ادارے کا اس نے کارڈ حاصل کیا ہے، حامل کارڈ یعنی کارڈ ہولڈر اس کارڈ کو جب بھی استعمال کرتا ہے، ادارہ اس کے اکاؤنٹ میں موجود رقم سے اس کی ادائیگی کر دیتا ہے، اس میں کارڈ ہولڈر کو ادھار کی سہولت حاصل نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ صرف اس وقت تک کارڈ کو استعمال کر سکتا ہے، جب تک اس کے اکاؤنٹ میں رقم موجود رہتی ہے۔ ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔

## ۳ چارج کارڈ (Charge Card)

اس کارڈ کے حامل کا پہلے سے ادارے میں اکاؤنٹ نہیں ہوتا ہے، بلکہ ادارہ کارڈ ہولڈر کو ادھار کی سہولت فراہم کرتا ہے، کارڈ ہولڈر کو ایک متعین ایام کی ادھار کی سہولت میسر ہوتی ہے، جس میں اس کو ادارے کو ادائیگی کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر اس مدت میں ادائیگی ہو جائے، تو سود نہیں لگتا، البتہ اگر حامل کارڈ نے وقت پر ادائیگی نہ کی، تو پھر اس کو سود کے ساتھ ادائیگی کرنا پڑتی ہے۔

ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔

## شرعی احکام

### ڈیبٹ کارڈ کا شرعی حکم

اس کارڈ کو استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہے، اور اس کے ذریعے خرید و فروخت کرنا درست ہے، کیونکہ اس میں نہ قرض کی صورت ہے، نہ سود کی، البتہ کارڈ ہولڈر کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

### چارج کارڈ کا شرعی حکم

اس کارڈ کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ استعمال کرنا جائز ہے:-

۱- حامل کارڈ اس بات کا پورا انتظام کرے کہ وہ معین مدت سے پہلے پہلے ادائیگی کر دے اور کسی بھی وقت سود عائد ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

۲- حامل کارڈ کی یہ ذمہ داری ہو کہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

۳- اگر ضرورت ڈیبٹ کارڈ سے پوری ہو رہی ہو، تو بہتر ہے کہ اس کارڈ کو استعمال نہ کرے۔

### کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم

اس کارڈ کا استعمال جائز نہیں، الا یہ کہ ڈیبٹ کارڈ یا چارج کارڈ الگ سے مہیا نہ ہو، اور اس کو ڈیبٹ کارڈ یا چارج کارڈ کی طرح مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

ان تمام کارڈز کو کریڈٹ کارڈ کہا جاتا ہے، لیکن اصلاً کریڈٹ کارڈ وہی ہے جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی، اور اس کا استعمال اصلاً جائز نہیں، البتہ کریڈٹ کارڈ کا اطلاق مذکورہ بالا دو قسموں پر کیا جائے، تو ان کا استعمال جائز ہے۔



## الے ٹی ایم کارڈ (Automated Transfer Machine (ATM

یہ رقم نکالنے کا کارڈ ہوتا ہے، اور آج کل بہت عام ہو چکا ہے، اس کے ذریعے  
بنک سے رقم نکالی جاتی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

اس کارڈ کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کارڈ کو استعمال کرنے پر اگر متعین رقم مشین کے  
استعمال کی اجرت کے طور پر ادارہ وصول کرے، جو مقدار رقم سے قطع نظر ہو، تو یہ جائز ہے،  
لیکن اگر ادارہ رقم کو بنیاد بنا کر اس پر کچھ وصول کرے، تو یہ جائز نہیں بلکہ سود ہوگا، البتہ  
ادارہ کارڈ جاری کرنے کی فیس وصول کر سکتا ہے۔

فی المعاییر الشرعیة: بطاقة الحسم الفوری (Debit

Card) تصدر هذه البطاقة من المؤسسة لمن له رصيد في

حسابه، تخول هذه البطاقة لحاملها السحب او تسديد

اثمان السلع والخدمات بقدر رصيده المتاح، ويتم الحسم

منه فوراً، ولا تخوله الحصول على ائتمان، لا يتحمل

العميل رسوماً مقابل استخدامه هذه البطاقة غالباً إلا في

حال سحب العميل نقداً او شراء عملة اخرى عن طريق

مؤسسة اخرى غير المؤسسة المصدرة للبطاقة، تصدر هذه

البطاقة برسم او بدونہ، تتقاضى بعض المؤسسات من

قابل البطاقة نسبة من اثمان المشتريات او الخدمات۔

بطاقة الائتمان والحسم الآجل (Charge Card)۔ هذه

البطاقة اداة ائتمان في حدود سقف معين لفترة محددة

وهي اداة وفاء ايضاً، تستعمل هذه البطاقة في تسديد

اثمان السلع والخدمات وفي الحصول على النقد، لا يتيح

نظام هذه البطاقة تسهيلات ائتمانية متجددة لحاملها حيث يتعين عليه المبادرة بسداد ثمن مشترياته خلال الفترة المحددة عند تسلمه الكشوف المرسله إليه من المؤسسة، إذا تأخر حامل البطاقة في تسديد ما عليه بعد الفترة المسموح بها يترتب عليه فوائد ربوية اما المؤسسات فلا تترتب فوائد ربوية، لا تتقاضى المؤسسة المصدرة للبطاقة اية نسبة من حامل البطاقة على المشتريات والخدمات ولكنها تحصل على نسبة معينة (عمولة) من قابل البطاقة على مبيعاته أو خدماته التي تمت بالبطاقة۔ تلتزم المؤسسة في حدود سقف الائتمان (وبالزيادة الموافق عليها) للجهة القابلة للبطاقة بسداد اثمان السلع والخدمات وهذا الإلتزام بتسديد اثمان المبيعات والخدمات شخصي ومباشر بعيداً عن علاقة الجهة القابلة للبطاقة بحامل البطاقة، للمؤسسة المصدرة للبطاقة حق شخصي ومباشر قبل حامل البطاقة في استرداد ما دفعته عنه وحقها في ذلك حق مجرد ومستقل عن العلاقة الناشئة بين حامل البطاقة والجهة القابلة لها بموجب العقد المبرم بينهما۔

بطاقة الائتمان المتجدد (Credit Card): هذه البطاقة اداة ائتمان في حدود سقف متجدد على فترات يحددها مصدر البطاقة وهي اداة وفاء أيضاً، يستطيع حاملها تسديد ائتمان السلع والخدمات والسحب نقداً في حدود

سقف الائتمان الممنوح، في حالة الشراء للسلع أو الحصول على الخدمات يمنح حاملها فترة سماح يسدد خلالها المستحق عليه بدون فوائد، كما تسمح له تأجيل السداد خلال فترة محددة مع ترتب فوائد عليه، أما في حالة السحب النقدي فلا يمنح حاملها فترة سماح، ينطبق على هذه البطاقة ما جاء في البند ۲/۲ هـ و، ز۔

الحكم الشرعي لأنواع البطاقات: بطاقة الحسم الفوري: يجوز للمؤسسات إصدار بطاقة الحسم الفوري ما دام حاملها يسحب من رصيده ولا يترتب على التعامل بها فائدة ربوية۔ بطاقة الائتمان والحسم الآجل: يجوز إصدارها بالشروط الآتية:

الـ يشترط على حامل البطاقة فوائد ربوية في حال تأخره عن سداد المبالغ المستحقة عليه۔

في حالة الزام المؤسسة حامل البطاقة بإيداع مبلغ نقدي ضماناً لا يمكن لحامل البطاقة التصرف فيه يجب النص على أنها تستثمره لصالحه على وجه المضاربة مع اقتسام الربح بينه وبين المؤسسة بحسب النسبة المحددة۔

ان لا يشترط المؤسسة على حامل البطاقة عدم التعامل بها فيما حرمته الشريعة وانه يحق للمؤسسة سحب البطاقة في تلك الحالة۔

بطاقة الائتمان المتجدد: لا يجوز للمؤسسات إصدار بطاقات الائتمان ذات الدين المتجدد الذي يسدده

حامل البطاقة على اقساط آجلة بفوائد ربوية۔<sup>(۱)</sup>

## بنک ڈرافٹ (Bank Draft)

A bill of exchange payable on demand, usually drawn by one bank on another or by one branch on another, a popular means of transfer of funds.

یہ ایک بل ہے جو طلب کرنے پر واجب الاداء ہوتا ہے، جو بالعموم ایک بینک سے دوسرے بینک کو یا ایک شاخ سے دوسری شاخ کو واجب الاداء ہوتی ہے، یہ رقم منتقل کرنے کا ایک مقبول عام طریقہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

آگروال بینک ڈرافٹ کی یوں تعریف کر رہے ہیں:-

A bank draft is a cheque drawn by one bank upon another bank or its own branch situated at a different place, requiring it to pay a certain sum of money to a specified person or to his order to the bearer. A bank draft may be inland or foreign. Usually persons who have to make payment to distant creditors go to their bank to obtain a bank draft. They have to deposit with the bankers the amount to be remitted a small commissions. Draft is then issued which is sent to the creditor concerned who gets it encashed.

اس تعریف کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا، البتہ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ بینک ڈرافٹ اندرون ملک بھی ہو سکتا ہے، اور بیرون ملک بھی ہو سکتا ہے، اور

(۱) المعايير الشرعية، هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية ۱۴۲۴ھ  
مذکورہ تفصیل انگریزی میں جاننا ہے، تو اس کے لئے Sharia Standards کا مطالعہ فرمائیں، جو  
بہت مفید ہے۔

(۲) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers.

اس پر کمیشن بھی وصول کیا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## پے آرڈر (Pay Order)

It is a cheque like instruments issued by bank on the request of its customers or in payment of its own expenses or dues, drawn on itself, to pay a specified sum of money to the order of specified person. Payment orders are usually issued by the banks on receipt of full amounts involved, which means that it would not be returned unpaid due to lack of funds, it is also called Bankers Cheques or Cashiers Cheques.

یہ چیک کی طرح آلہ ہے جو بینک سے اس کے گاہکوں کی درخواست پر یا اس کے اپنے اخراجات یا بقایا جات کے لئے خود اس پر جاری کئے جائیں، تاکہ ایک معینہ رقم مذکورہ شخص کو ادا کی جائے، ادائیگی کے احکامات عام طور پر بینکوں کی جانب سے پوری متعلقہ رقم وصول ہو جانے کے بعد ہی جاری کئے جاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فنڈ کی کمی کے عذر پر بغیر ادا کئے واپس نہ کر دیئے جائیں، انہیں بینکاروں کے چیک یا کیسٹرز چیک بھی کہا جاتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

بنک ڈرافٹ اور پے آرڈر میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی خاص پیچیدگی نہیں، البتہ

بنک ان دونوں پر حق الخدمت وصول کرتا ہے، جو شرعاً جائز ہے۔

## بائڈ (Bond)

Bond is an interest bearing government or corporate security, obligating the bond issuer under an agreement called bond indenture to pay

(۱) Introduction to Economic Principles, Dr. A.N. Agarwal - p.352

(۲) Glossary, Banking and finance, English-English Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

the bond holder a principal amount on the date of maturity and periodic payment of interest over the life of the bond, bonds are long term debt instrument and are a preferred mode of raising long term funds without selling shares, bond enables the bond issuer to convert non liquid or less liquid assets into marketable instruments, the market value, or the price of the bond in the market differs from the face value or par value of the bond at the maturity by a discount factor based primarily on the current interest rate and the bond rating generally, if interest rate rises bond price fall and vice versa.

بانڈ، یہ حکومت یا کسی مشترکہ کمپنی کا ایک سودی تمسک ہے، جو بانڈ کے اجراء کرنے والے کو اس معاہدے کے تحت، جسے بانڈ کا اقرار نامہ کہا جاتا ہے، پابند کرتا ہے کہ وہ حامل بانڈ پختگی کی تاریخ پر اس کی اصل رقم واپس کرے، اور بانڈ کی زندگی تک عرصہ دار سود کی ادائیگی کرے۔ بانڈ قرض حاصل کرنے کا طویل مدتی آلہ ہے، اور حصص کو فروخت کئے بغیر طویل مدتی فنڈ حاصل کرنے کا ایک ترجیحی طریقہ ہے، یہ غیر سیال یا کم سیال اثاثوں کو قابل فروخت آلات میں تبدیل کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے، بازار کی مالیت یا بازار میں قیمت میچورٹی کے لحاظ سے اس کی فیس ویلیو سے مختلف ہوتی ہے، اس کی وجہ سے وہ عنصر ہے جو خاص طور پر سود کی موجودہ شرح اور بانڈ کی درجہ بندی پر مبنی ہوتا ہے، عام طور پر اگر سود بڑھ جائے، تو بانڈ کی قیمتیں گرنے لگتی ہیں، یا دوسری صورت اس کے برعکس ہوتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

(1) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بانڈ کی تعریف اور حقیقت یوں بیان فرماتے ہیں:-

السند (Bond) فی الإصطلاح المعاصر وثيقة يصدرها المديون لمقرضه إقراراً منه بأنه استقرض من حاملها مبلغاً معلوماً يتلزم بأداءه في وقت معلوم وإن هذه السندات تصدرها عادة لعرضها على الجمهور ليحصلوا عليها بأداء المبلغ المكتوب على وجهها حتى يصيروا مقرضين ذلك المبلغ لمصدر السند وإن هذه السندات ربما تصدرها الشركات المساهمة التجارية أو الصناعية حينما تحتاج إلى اقتراض مبالغ كبيرة من المال لإنجاز مشاريعها ولا تجد أفراداً أو مؤسسات تقرضها الأموال بالحجم المطلوب، فتعرض هذه السندات على الجمهور وربما تصدر هذه السندات من قبل الحكومات التي تريد أن تمويل عجز ميزانيتها فتقترض من الجمهور وإن هذه السندات سواء أصدرتها الشركات أو أصدرتها الحكومة إنما تلتزم بأداء فوائد ربوية إلى من يحملها فالسند الذي قيمته الإسمية مائة روبية مثلاً تستحق أن يدفع لحاملها مائة وخمس عشرة بعد سنة، ويحق له أن يبيع هذا السند في السوق وإنها تباع وتشتري بثمن يتراضى عليه الفريقان فمن حصل على هذا السند بمائة فإنه يبيعه إلى آخر بمائة وخمسة ويشتريه ذلك الآخر بهذا الثمن لأنه يرجو أن يحصل على مائة وخمس عشرة روبية في نهاية المدّة۔

وهناك سندات أُخرى تصدر من قبل الحكومة وتعرض عادة على البنوك والمؤسسات المالية الأخرى، وتسمى سندات الخزينة ومقصود هذه السندات نفس المقصد الذي من أجله تصدر السندات الحكومية الأخرى، غير أن هذه السندات تعرض على البنوك لتشتريها على أساس المزايدة، فالسند الذي قيمته ألف روبية مثلاً يتضمن التزام الحكومة بأداء ألف روبية إلى حامله عند حلول أجله فتجری في شراء المزايدة فيما بين البنوك وتأتي العروض من قبلها إلى البنك المركزي فتباع هذه السندات إلى من عرضه أكثر، ومعنى بيع هذه السندات أن مشتريها اقترض مبلغ الثمن إلى الحكومة واستحق من خلال هذا الإقراض أن يحصل على قيمة السند الإسمية عند حلول الأجل-<sup>(۱)</sup>

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:-

۱- بانڈ آج کل کی اصطلاح میں اس سند کو کہتے ہیں، جس کو مقرض جاری کرتا ہے اس اعتراض میں کہ اس نے اس کے حامل سے متعین رقم بطور قرض لی ہے۔

۲- یہ بانڈز عام طور پر عوام پر پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ عوام ان کو خریدیں اس قیمت پر جو ان پر لکھی ہوئی ہے، تو گویا کہ انہوں نے یہ قیمت جاری کنندہ کو قرض کے طور پر دی۔

۳- یہ بانڈز بسا اوقات کمپنیوں کی طرف سے جاری ہوتے ہیں، جن کو بڑی

(۱) بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثمانی، (محمد تقی العثمانی) کراتشی، مکتبہ دارالعلوم کراتشی، طبع جدید ۱۴۲۶ھ۔



رقومیں ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ بعض اوقات حکومت بھی ان بانڈز کو اپنے بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کے لئے جاری کرتی ہیں۔

۵۔ بانڈز خواہ پیشی جاری کرے یا حکومت جاری کرے، ان پر حاکمین کو سود دینا

جاتا ہے۔

۶۔ بانڈز قابل تبادلہ آئے ہیں، مارکیٹ میں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے ہی

بیشی کے ساتھ۔

۷۔ حکومت ایک خاص قسم کے بانڈز بھی جاری کرتی ہے، جن کو سندھات اخزیئہ

(Treasury Bills) کہتے ہیں، یہ بانڈز بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں پر پیش کئے جاتے

ہیں، ان کا مقصد بھی وہی ہوتا ہے جو ان بانڈز کا ہوتا ہے، اب یہ بینکوں پر پیش کئے جاتے

ہیں، اور پھر بینک آپس میں ان کا لین دین کرتے ہیں۔

## کمپنیوں کے بانڈز

بانڈ کی تعریف اور حقیقت میں یہ بات بھی مذکور ہوئی ہے کہ بانڈز کو بعض اوقات

کمپنیاں جاری کرتی ہیں، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمپنیوں کے پاس سیال اثاثہ کم ہوتا ہے،

تو ان کو منسوریوں کو پاپے تکمیل تک پہنچانے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور ویسے وہی

ان وقتوں پر رقم دیتا نہیں، تو وہ یہ بانڈز جاری کر کے ان کے ذریعے عوام سے قرض وصول

کرتی ہیں۔

کمپنیاں جو بانڈز جاری کرتی ہیں، ان کی بہت ساری قسمیں ہیں، یہاں تفصیلاً

کی نجائش نہیں۔ تفصیلاً کے لئے درج ذیل کتابیں ملاحظہ ہوں :-

المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي : د. احمد عثمان شوبير

احكام الاسواق المالية: الدكتور عبد كى باروان

كلویر کی : اسٹیٹ بینک آف پاکستان

## قابل تحویل بانڈز (Bonds Convertible into Shares)

بانڈز کی دو قسمیں ہیں :-

- ۱ غیر قابل تحویل بانڈز (Non.Convertible into Shares) اور
- ۲ قابل تحویل بانڈز۔

اصل یہ ہے کہ بانڈز قابل تحویل نہ ہوں، لیکن بعض اوقات بانڈز قابل تحویل بھی ہوتے ہیں، جن کے بارے میں باقاعدہ جاری کرنے کے عقد میں تصریح کی جاتی ہے کہ ان کے حامل کو یہ حق حاصل ہے کہ اتنی مدت کے اندر اندر وہ ان بانڈز کو عام حصص یا حصص ممتاز میں تبدیل کرے، اسی طرح یہ بانڈز دوسری مالی دستاویزات میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ قابل تحویل بانڈز کے بارے میں گلوبل سٹیٹ بینک آف پاکستان میں بہت اچھی بحث ہے، جو درج ذیل ہے :-

A bond that can be converted into a common stock at a conversion ratio specified at the time of bond issue, it has all the factors of a regular bond, namely the par value, the coupon rate, maturity period the interest payment period, but additionally, the bond issuer pays dividend and offers the option to the investor to convert the bond into a number of common stocks as per conversion ratio of the conversion price of the stock, as a result the market price of the bond is affected both by the interest rate movements as well stock market movements, the cost of conversion option is usually gauged by the premium paid for the bond in the secondary market trading, convertible bonds proved a potential gain to the investor if the bond price goes up, while at the same time offer an attractive bond yield, specially for corporate bond whose price is likely to materially increase over the maturity period, the market value of the option attached to

convertible bond is zero or insignificant at the time bond starts selling initially in the secondary market, but the value of the option increases as the bond price climbs up, it is also possible that bond price may fall instead of rising with disastrous consequences for the option holder, therefore convertible bond can also be risky in addition to being potentially rewarding

یہ وہ بانڈز ہیں جنہیں عام محسوس میں تبدیل کیا جاسکے، اور تبدیل کے اس تناسب سے جس کی صورت بانڈ کے اجراء کے وقت کی گئی ہو، اس میں وہ تمام فیچر زہوتے ہیں، جو کسی باضابطہ بانڈز میں ملتے ہیں، جیسے مساوی مالیت، کوپن شرح، مچھری، مرنہ دار اور سودی ادائیگی، لیکن اس کے علاوہ بانڈ کا جاری کنندہ نفع ادا کرتا ہے، اور یہ کاررو اختیار دیتا ہے کہ وہ بانڈ کو عام محسوس کی ایک تعداد میں تبدیل کرنے کا تناسب سے یا تبدیل کی قیمت پر بدلا سکتے ہیں، اس وجہ سے قابل تحویل بانڈ کی بازاری قیمت شرح سود کے علاوہ اسٹاک مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ سے بھی متاثر ہوتی ہے، تبدیل کے اس اختیار کی لاگت کا اندازہ اس پریمیم سے کیا جاسکتا ہے جو کہ بانڈ کی ثانوی بازاری میں اجرت پر دینا پڑے، قابل تحویل اس کے سرمایہ کاروں ایک احتمالی نفع پہنچتے ہیں، اگر اس کے اسٹاک مارکیٹ کی قیمت بانڈ کی مچھری میں اضافہ ہوا، اور ساتھ ہی ساتھ ایک پرکشش بانڈ کا نفع بھی، خاص طور پر ان کارپوریشنوں کے ضمن میں جن کے اسٹاک مارکیٹ کی قیمت میں خاطر خواہ اضافے کا امکان ہو، ان قابل تحویل بانڈ سے منسلک اس آپشن کی بازاری قیمت یا تو صفر ہوتی ہے، یا برائے نام، اس کی ثانوی بازاری میں تجارت شروع ہوتے وقت آپشن کی مالیت

میں اس کی اسٹاک مارکیٹ کی قیمت بڑھنے پر اضافہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اسٹاک مارکیٹ کی قیمت کے بجائے اضافے کے کمی ہو، جس کے بانڈ کی مالیت پر تباہ کن اثرات بھی ہو سکتے ہیں، اس لئے قابل تحویل بانڈ احتمالی طور پر پر خطر بھی ہو سکتا ہے، یا نفع بخش بھی ہو سکتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## سرکاری بانڈز

بانڈ کی تعریف اور حقیقت میں یہ بات ابھی مذکور ہوئی ہے کہ بانڈز کو بعض اوقات حکومت جاری کرتی ہے، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکومت کے پاس سیال اثاثہ کم ہوتا ہے، تو اس کو بجٹ کے خسارے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور ویسے کوئی ان کو قرض یا رقم دیتا نہیں، تو وہ یہ بانڈز جاری کر کے ان کے ذریعے عوام سے قرض وصول کرتی ہے۔

سرکاری بانڈز بھی تقریباً کمپنیوں یا سادہ بانڈز کی طرح ہوتے ہیں، اور ان کے وہی فیچر ہوتے ہیں، جو عام بانڈز کے ہوتے ہیں، البتہ یہ کہ سرکاری بانڈز دوسرے بانڈز کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں، اور ان میں رسک نسبتاً کم ہوتا ہے۔

## سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں

سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں درج ذیل ہیں:-

۱- سندات الخزینہ (Treasury Bills)

۲- شہادات الخزانہ (Treasury Certificates)

۳- سندات البلدیہ (Municipal Bonds)

(1) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruq Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

## بانڈز کا حکم شرعی

بانڈز کی اور بھی بہت ساری قسمیں ہیں، جن سے یہاں بحث کرنا مقصود نہیں،  
 مزید صفحات میں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، تفصیل کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ  
 فرمائیں، تاہم بانڈ خواہ کسی بھی قسم کا ہو، یہ سودی ہوتا ہے، اور اس کا لینا قیمت اسمیہ کے علاوہ  
 کسی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے، نیز اس پر انعام کے نام سے جو اضافی رقم ملتی ہے، وہ بھی  
 سود ہے، اور ناجائز ہے، جسے حاصل کرنا جائز نہیں۔ یہی جمہور علماء کے امت کا موقف ہے،  
 اور یہی درست موقف ہے، مجمع الفقہ الاسلامی جدید کی قرارداد اور دیگر بعض عبارات ذیل میں  
 مدلل ہے :-

## مجمع الفقہ الاسلامی جدة فی قرارواو

ان مجلس مجمع الفقہ الاسلامی المنعقد فی دورۃ موتمر  
 السادس بجدة فی المملكة العربیة السعودیة من - ۱ الی  
 ۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ الموافق ۱۶-۲۰ آذار (مارس)  
 ۱۹۹۰م۔

بعد اطلاعہ علی الابحاث والتوصیات والنتائج المقدمة  
 فی ندوة الأسواق المالیه المنعقدة فی الرباط ۲۰-۲۲  
 ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ، ۲۰-۲۲-۱۰-۱۹۹۰م بالتعاون بین  
 هذا المجمع والمعهد الاسلامی لبحوث والتدریب بالبنک  
 الإسلامی للتنمیة وبإستضافة وزارة الاوقاف والشؤون  
 الإسلامیة بالمملكة العربیة۔

وبعد الاطلاع علی ان السند شهادة یتتزم المصدر  
 بموجبها ان یدفع لحاملها القيمة الاسمیة عند الاستحقاق

مع دفع فائدة متفق عليها منسوبة إلى القيمة الإسمية للسند  
أو ترتيب نفع مشروط سواء كان جوائز توزع بالقرعة أم  
مبلغاً مقطوعاً أم خصماً قرراً:-

۱- ان السندات التي تمثل التزاما بدفع مبلغها مع فائدة  
منسوبة إليه أو نفع مشروط محرمة شرعاً من حيث  
الإصدار والشراء والتداول لأنها قروض ربوية سواء كانت  
الجهة المصدرة لها خاصة أو عامة ترتبط بالدولة ولا اثر  
تسميتها شهادات أو صكوكا استثمارية أو ادخارية أو تسمية  
الفائدة الربوية الملتزم بها ربحاً أو ربحاً أو عمولة أو  
عائداً-

۲- كما تحرم ايضاً السندات ذات الجوائز باعتبارها  
قروضاً اشترط فيها نفع أو زيادة بالنسبة لمجموع  
المقرضين أو لبعضهم لا على التعيين فضلاً عن شبهة  
القمار-

مجمع الفقه الإسلامي جدة (اسلامک فکرا کیڈمک جده) کی اس قرارداد کا  
حاصل یہ ہے کہ بانڈز خواہ کسی بھی قسم کے ہوں، وہ چونکہ سودی قرضوں کی نمائندگی کرتے  
ہیں، اس لئے ان کے ساتھ لیمن دین کرنا، یا ان پر انعام حاصل کرنا بالکل حرام ہے، نیز ان  
میں بعض صورتوں میں شبہ قمار بھی ہے۔<sup>(۱)</sup>

ذهب غالبية العلماء المعاصرين إلى عدم جواز تعامل  
بالسندات وشهادات الإستثمار دون تفریق بین أنواعها

(۱) مجلة مجمع الفقه الإسلامي الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني ص: ۱۷۵

قرارد رقم ۲۲۲/۱۱-۲

ومن هؤلاء الشيخ الشتوت، والدكتور عبدالعزيز الخياط  
والدكتور عبي السالوس والدكتور صالح المرزوقی  
والدكتور يوسف القرضاوی، لأن السند قرض عسی  
الشركة والمؤسسة التي أصدرته لأجل فائدة مشروطة  
وثبتة فهو من ربنا النسینة الذی نزل بحرمته القرآن  
الکریم الخ۔

آٹھ ماہ کے معاصرین کا موقف یہ ہے کہ بانڈز اور سٹیٹلیٹ کے  
ساتھ لین دین ناجائز ہے، خواہ کسی بھی قسم کے ہوں، ان میں سے سٹیٹ  
سٹیٹوت، ڈاکٹر یوسف موٹی، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ڈاکٹر  
مہدی مزین الخياط، ڈاکٹر علی السالوس، ڈاکٹر صالح المرزوقی بھی ہیں،  
کیونکہ بانڈ کمپنی یا ادارے کے ذمہ قرض ہے جس نے اس کو جاری کیا  
ہے، اور اس پر مشروط نفع ملتا ہے، لہذا یہ ربا انسیہ میں سے ہے،  
جس وقت آن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

ان هذه السندات کنها ربویة من اصحابها حیث ان المقرض  
یستزم فیها باءاء مبالغ القرض و زیادة فلا یخفی حرمة  
تداولها لأنها تؤدی الی تعامل ربوی حرام الخ۔  
یہ سارے بانڈز اسلئے سودی ہیں، کیونکہ ان میں مقررہ یہ التزامات  
ہے کہ وہ بانڈ کی رقم اور پتہ اضافہ دے گا، اور اس لین دین کا حرام  
ہونا ثابت ہے، کیونکہ یہ ربوی معاملہ ہے۔

۱۔ المعاملات المالية المعاصرة فی الفقه الإسلامی، شبیر، محمد عثمانی شبیر، اردن،  
دار النفیس، ص ۲۰۵۔

۲۔ بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، العثماني محمد تقی العثماني، کراتشی، مکتبہ  
دار العیوم کراتشی، ص ۲۲۶۔

## سریٹیلیٹس

ان سندات القروض صكوك تمثل قروضا تحصل عليها الشركة من عامة الناس على أساس الفائدة الربوية المحددة وتكون هذه الصكوك في التعامل المعاصر قابلة للتداول وغير قابلة للتجزئة۔

وإنما تضطر الشركات في بعض الأحيان إلى إصدار هذه السندات لأنها قد تحتاج في أثناء مزوالة أعمالها إلى مبالغ أكثر مما حصلت عليه عن طريق إصدار الأسهم لتزيد من قدراتها على إنجاز مشاريعها والتوسع فيها أو لتواجه أزمة مالية طرات عليها ولا ترغب الشركة في عرض اكتتاب بالأسهم الجديدة على الجمهور لنلا تتضائل انصبه الشركاء فتضطر إلى أن تقترض هذه المبالغ ممن يمكن الاقتراض منه۔

وفي جانب آخر تكون عند الناس مبالغ افروزوها من حاجاتهم اليومية ورصدها لحاجاتهم المتوقعة في المستقبل وان هذه المبالغ في بيوت أصحابها أو في حسابهم الجاري في البنوك فلا يمكن ان تستغل هذه المبالغ لصالح الوطني الابان تدفع المنتجين أو التجار قرضاً فيستعملونها في أعمالهم الإنتاجية أو التجارية فجاءت فكرة إصدار سندات ..... الخ۔

قرضوں کے سریٹیلیٹس ایسے سلوک ہیں، جو قرضوں کی نمائندگی کرتے ہیں، جن کو کمپنیاں عام لوگوں سے ایک متعین سودی فائدے



کی بنیاد پر حاصل کرتی ہے، یہ سمجھنا آج کے لین دین میں قابل  
تداول ہیں، یعنی قابل خرید و فروخت ہیں، اور قابل تجزی نہیں ہیں۔  
بعض اوقات کمپنیاں مجبور ہو جاتی ہیں کہ یہ سمجھنا جاری کریں،  
یونکہ اپنے منسحبوں کی تکمیل کی انجا مودی کے سلسلے میں ان کو فنڈ کی  
خدمت ہوتی ہے، جس سے جو فنڈ حاصل ہوتا ہے، وہ نا کافی ہوتا  
ہے، یا بعض اوقات مالی بحران سے یہ کمپنیاں دوچار ہو جاتی ہیں، اور  
یہ نہیں چاہتیں کہ مزید جس کی پیش کش کریں، کیونکہ اس سے شیئر  
ہولڈرز کے جس مہر ہو جائے گا، تو وہ یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں۔

دوسری طرف اکثر لوگوں کے پاس بچتیں ہوتی ہیں، یہ بچتیں یا ان کے  
گھر میں رکھی ہوئی ہوتی ہیں، یا پھر کرنٹ اکاؤنٹ میں ہوتی  
ہیں، لہذا ان سے ان کو بچتیں نہیں ملتا، البتہ نفع کی صورت یہ ہے کہ  
وہ یہ بچتیں تاجروں کو یا صنعت کاروں کو دے دیں، اس طریقے سے  
ان کو بھی نفع حاصل ہو جائے گا، اور تاجروں اور صنعت کاروں کو بھی  
فائدہ ہوگا، یہی ہے ان کے بینکنگ کے تصور اور بنیاد۔

اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ بینکنگ بھی بانڈز کی طرح سودی صورت میں، اور  
ان کے ذریعے عام لوگوں سے سودی فائدہ وصول کیا جاتا ہے، جس میں کمپنیوں کا بھی فائدہ  
ہے کہ ان کو ان کے ذریعے سودی فائدہ حاصل جاتا ہے، اور لوگوں کا بھی فائدہ ہے کہ ان کو اپنی  
بچتوں پر بچتیں مل جاتی ہیں۔

اسی کے مابین مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ان سمجھنے کے عمل اور ان کے شرعی  
مقابلے کے بارے میں فرماتے ہیں:-

ولكن هذا الطريق مبني على اساس القرض الربوي  
الذي لا تبينه الشريعة الإسلامية في حال من الأحوال

ومن هنا أراد بعض المسلمين في البلاد الإسلامية أن  
يأتوا بديل لهذه السندات في شكل سندات المقارضة  
(مضاربة) الخ۔

لیکن یہ طریقہ اس سودی قرض پر مبنی ہے، جس کو شریعت جائز قرار  
نہیں دیتی کسی بھی حال میں، اس لئے بعض مسلمانوں نے بعض بلاد  
اسلامیہ میں ان صلوک کے شرعی متبادل کے طور پر ”سندات  
المقارضة“ یعنی مضاربہ سرفیلیٹس نکالے۔<sup>(۱)</sup>

چنانچہ بانڈز اور سرفیلیٹس کا شرعی متبادل یہی صلوک مشارکہ اور صلوک مضاربہ  
ہیں، یعنی مشارکہ سرفیلیٹس اور مضاربہ سرفیلیٹس، جو ان سرفیلیٹس کو خریدے گا، گویا کہ وہ  
حکومت یا کمپنی کے ساتھ شریک ہوگا، یا زب المال ہوگا، یعنی یہاں مشارکہ اور مضاربہ کے  
احکام جاری ہوں گے، اور نفع شرعی اصولوں کے مطابق تقسیم ہوگا۔

ان صلوک پر مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی الدورة الرابعة، العدد الرابع، الجزء الثالث  
میں یہ حاصل بحث کی گئی ہے، اور متعدد متبحر علمائے کرام نے اس موضوع پر اپنے اپنے  
مقالے پیش کئے ہیں، نیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور عربی تصنیف  
”بحوث“ میں بھی اس پر بقدر ضرورت گفتگو فرمائی ہے، جس کا حوالہ اس باب میں جگہ جگہ  
حاشیہ میں دیا گیا ہے۔

## گورنمنٹ سیکوریٹی سرفیلیٹس

ان کو سرکاری تمسکات بھی کہتے ہیں، ان سرکاری تمسکات کے بارے میں مفتی  
محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

سرکاری تمسکات ان دستاویزات کو کہتے ہیں، جو حکومت وقتاً فوقتاً

(۱) مجلة مجمع الفقہ الإسلامی، الدورة الرابعة، العدد الرابع، الجزء الثالث، مقالة الشيخ  
المفتی محمد عثمانی ص: ۱۸۵۳۔

عوام سے قرض لینے کے لئے جاری کرتی ہے، جب حکومت کے ذرائع آمدنی (ٹیکس وغیرہ) بجٹ کے لئے ناکافی ہوں، تو حکومت یہ مالیاتی دستاویز عوام سے قرض لینے کے لئے جاری کرتی ہے، مثلاً:

۱- انعامی بانڈ:- جس میں ہر بانڈ پر توقع نہیں ملتا، تمام بانڈز سے حاصل ہونے والی رقم پر معمولی طور پر نفع ہوتا ہے، جو قرضہ اندازی سے تقسیم ہوتا ہے۔

۲- ڈیفنس سیونک سرٹیفکیٹس

۳- ٹیکس واپزک سرٹیفکیٹس

۴- فارن ایکچیج بیئر سرٹیفکیٹس :- پہلے عوام کو اپنے پاس فارن ایکچیج (بیرونی کرنسی) رکھنے کی اجازت نہیں تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کسی کو فارن ایکچیج کی ضرورت پیش آتی تو اس میں بہت سی قانونی مشکلات ہوتی تھیں، اس صورت حال کا ایک نقصان یہ تھا کہ لوگ غیر قانونی ذرائع سے فارن ایکچیج حاصل کرتے اور اپنے پاس رکھتے، دوسرا نقصان یہ تھا کہ لوگ باہر سے فارن ایکچیج مثلاً ڈالر لاتے تو حکومت کو نہیں دیتے تھے، جبکہ حکومت کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا اس وقت قانونی شکل دے کر لوگوں سے فارن ایکچیج بطور قرض لینے کے لئے جو دستاویز حکومت نے جاری کی، اس کو فارن ایکچیج بیئر سرٹیفکیٹس (F.E.B.C) کہتے ہیں، اس کی شکل یہ ہے کہ حکومت ڈالر اس وقت کی قیمت کی مطابق پاکستانی روپے کا سرٹیفکیٹس جاری کر دیتی ہے، مثلاً اس ڈالر کی قیمت ۵۰ روپے ہے اور باہر سے آنے والا سو ڈالر کے برابر، تو حکومت اس سے سو ڈالر کے برابر دو سو روپے سو پانچ سو پاکستانی روپے کا سرٹیفکیٹ جاری کرے

گی، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ حکومت حامل سرٹیفکیٹ کے لئے پاکستانی ڈھائی ہزار روپے کی مقرروض ہے۔

ایف ای بی سی پر سالانہ ۱۲ فیصد اضافہ ملتا ہے، اور اس کو حامل جب چاہے یہ سرٹیفکیٹ پیش کر کے دوبارہ ڈالر لے سکتا ہے، اور حامل اس سرٹیفکیٹ کو بیچ بھی سکتا ہے۔

یہ تمام سرکاری تمسکات ہیں، ان میں اصل معاملہ تو حکومت اور قرض دہندہ کے درمیان ہوتا ہے، لیکن عوام کی سہولت کے لئے ان کے بیچنے کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے، فنانشل مارکیٹ میں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے، حامل دستاویز جب اس کی بیع کرے گا، تو اب دائن نہیں رہے گا، اس کا معاملہ حکومت سے ختم ہو جائے گا اور اب خریدار دائن ہوگا، اور حکومت کا معاملہ خریدار سے وابستہ ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

موسوعہ میں ہے:-

فی المعنی العام ہی مستندات تثبت ملكية معينة او حقا فی دخل معين تودع لدى بنك كضمانة للحصول علی قرض اوراق مالية تعطى حاملها الحق فی دخل معين ویجرى فیها التعامل فی سوق الأوراق المالية (البورصة) وفي السوق الثانوية واهم صفة لهذه الأوراق هی انما قابلة للتبادل التجاری وهی اما سندات ذات فوائد ثابتة او السهم ممتازة تتضمن الأوراق المالية التي تصدرها الحكومة المركزية والحكومات المحلية الأوراق التي

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۷۷۔

يكون عاندها متغيرا مثل الأسهم العادية.<sup>(۱)</sup>  
 Government Securities, which are usually bonds that pay a fixed amount of interest each year gave unlike most commercial securities a guaranteed safety factor concerning their ultimate repayment. These securities are traded in the Market, and their prices fluctuate in value, depending on trends and condition of the economy.<sup>(2)</sup>

## شیرز سرٹیفکیٹ

الصك الذي يعطى للمساهم اثباتاً لحقه۔  
 وہ رسید جو شیر ہولڈر کو دی جاتی ہے، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے  
 کہ کمپنی میں اس کا حق اور حصہ ہے۔

الصك والوثيقة المثبتة الذي يعطى للمساهم اثباتاً لحقه  
 لأن السهم يعطى للمساهم حقوقاً تجاه الشركة كما يترتب  
 عليه التزامات نحوها۔

وہ رسید ہوتی ہے جو شیر ہولڈر کا حق ثابت کرتی ہے، کیونکہ شیر  
 ہولڈر کمپنی میں بہت سے حقوق اور بہت سے واجبات دیتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

السهم هو الصك الذي تصدره الشركة ويمثل حق  
 المساهم فيها ويتمتع حامده بالحق في الحصول على عائد  
 سنوي نتيجة استثمار رأس ماله۔<sup>(۴)</sup>

موسوعة المصطلحات الاقتصادية الإحصائية، هيكل، الدكتور عبد العزيز الفهمي  
 هيكل، بيروت، دار النهضة العربية، ص ۶۸۔

(2) The New Encyclopaedia Britannica, v. 10, p. 595.

(3) المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي، (شبير) محمد عثمان شبير، الأردن،  
 دار النفائس، ص ۶۹۔

(4) مجلة مجمع الفقه الإسلامي، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني، ص ۱۵۲۔

حاصل یہ کہ وہ سرٹیفکیٹ ہے، جو کمپنی کے اثاثے میں ایک خاص تناسب سے شیئر ہولڈر کے حصے کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس کی بھی کئی قسمیں ہیں، جن سے بحث کرنے کا یہ مقام نہیں ہے، نیز شیئر سرٹیفکیٹ کے کچھ شرعی احکام ہیں، جن میں اس کی خرید و فروخت اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل شامل ہیں۔<sup>(۱)</sup>

## بونس شیئرز

بونس شیئر کے بارے میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-  
Devidend کی تقسیم کے دو طریقے ہوتے ہیں، کبھی تو نقد نفع لوگوں کو فراہم کیا جاتا ہے، اور کبھی اس نفع کے دوبارہ حصص جاری کر دیئے جاتے ہیں، اس قسم کے حصے کو ”بونس شیئر“ (Bonus Share) کہتے ہیں۔

بونس شیئر جاری کرنے سے کمپنی کا سرمایہ بڑھ جاتا ہے، ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جبکہ کمپنی کی کیش پوزیشن کمزور ہو، یعنی اس کے پاس نقد رقم کم ہو، تو بجائے نقد نفع دینے کے مزید حصص جاری کر دیئے جاتے ہیں، کسی حصہ دار کو مثلاً دس روپے دینے کے بجائے دس روپے کا حصہ دے دیا جاتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ منظور شدہ سرمائے میں اس کی گنجائش ہو، مثلاً ۸۰ ملین کی اجازت ملی تھی، ان میں سے ۶۰ ملین جاری کئے گئے تھے، ۲۰ ملین کی گنجائش باقی تھی، اگر منظور شدہ سرمائے میں مزید گنجائش نہیں ہے تو دوبارہ درخواست دے کر اجازت لی جائے گی۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلام اور جدید معیشت و تجارت۔

بونس شیئہ جاری کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس مپنی کے شیئہ زلی بازار کی قیمت (Market Value) قیمت اسمیہ (Face Value) سے کم نہ ہو، اگر بازار میں قیمت مرنی ہے، تو اب بونس شیئہ جاری کرنے میں حصہ داران و نقصان ہے، مثلاً اس روپے کے شیئہ کی قیمت بازار میں نو روپے ہے، تو اسے دس روپے کی بجائے نو روپے شیئہ کے دو اس و ایک روپیہ کا نقصان ہوا۔

### تعهدات (Warrants)

تعهدات کی تعریف مجمع الفتنہ الاسلامی جلد ویش یوں الفاظ میں کی گئی ہے:-  
 هو الخيار الذي تباعه الشركة على مستثمرين جدد ويسمى Warrants حيث يكون لهم حق شراء مجموعة من أسهم الشركة عند سعر محدد خلال مدة محددة وهو قابل لتداول وربما يمتد لسنوات تصدر الشركات أنواعاً من التعهدات (Warrants) تتضمن الوعد ببيع عدد من أسهم الشركة بسعر محدد خلال فترة محددة أو غير محددة ويستطيع الشركة بهذه الطريقة أن تحقق دخلاً بدون أن تخاطر بتغيير هيكل ملكيتها الذي قد ينتج إدخال مساهمين جدد وفي نفس الوقت يستطيع المستثمرون المضاربة على مستقبل الشركة بدون الحاجة إلى مبلغ كبير من المال۔

Warrants اس خیار وقتی ہیں کہ جس کو مپنی نے سرمایہ داروں کو پیش کیا ہے، اس خیار پر سرمایہ داروں کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص: ۶۱۔

کہ وہ کمپنی کے شیئرز خرید لیں، متعین ریٹ پر متعین مدت کے درمیان، یہ اختیار قابل تداول (لین وین) ہے، یعنی اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے، اور بسا اوقات یہ اختیار کئی سالوں تک ممتد ہوتا ہے..... کمپنیاں مختلف قسم کے تعہدات جاری کرتی ہیں، جن میں یہ وعدہ ہوتا ہے کہ حاملِ پچھ متعین شیئرز متعین قیمت پر متعین مدت تک خرید لے، اور بعض اوقات مدت کا ذکر نہیں یعنی مدت کی قید نہیں ہوتی۔

تعہدات کے جاری کرنے میں کمپنی کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نئے شیئرز ہولڈرز کے آنے سے ملکیت کی حالت میں کمی آنے کا خطرہ ہوتا ہے اس سے کمپنی محفوظ ہو جاتی ہے، کیونکہ سرمایہ کاروں نے ایک خاص ریٹ پر شیئرز خریدنے کا اختیار خریدا ہے، اور دوسری طرف سرمایہ کاروں کو بھی کسی بڑی رقم کے بغیر شیئرز میں سرمایہ کاری کا موقع مل جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

گلو سری اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں وارنٹس کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی

گئی ہے:-

Warrants are securities issued with preferred stocks or bond or certificates, that give the holder the right to buy a proportionate amount of common stock at specified price, usually higher than market price at the time of issue of warrants, for a specific period of time, or perpetuity. In this sense, warrants are options to the holder of corporate stocks or bonds.

وارنٹ یہ وہ تمسکات ہوتے ہیں، جو ترجیحی اسٹاک یا بانڈ یا سرٹیفکیٹ کے ہمراہ جاری کئے جاتے ہیں، جو حامل کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ ایک

(۱) مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني ص: ۱۵۲۵



خاص قیمت پر عام اسٹاک کی ایک متناسب تعداد خرید لے، یہ خاص قیمت وارنٹوں کے اجراء کے وقت کسی خاص عرصے کے لئے یا ہمیشہ کے لئے عموماً بازار کی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے، اس مفہوم میں وارنٹ کارپوریٹ اسٹاک یا بانڈ کو حاصل کرنے کے آپشن ہوتے ہیں۔

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ وارنٹ ایک اختیار ہے، جس سے حامل ویہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ایک مخصوص مدت یا غیر معین مدت میں ایک خاص ریٹ پر عام اسٹاک (آبم عادی) کمپنی (جاری کنندہ) سے خریدے، یعنی حامل کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس ریٹ پر اس کمپنی کے عام اسٹاک لینا چاہتا ہے تو لے سکتا ہے۔

نیز وارنٹس قابل تداول بھی ہیں، جسے "Negotiable" کہتے ہیں، یعنی ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے، مزید تفصیل اور حکم ان شاء اللہ تعالیٰ خیارات میں آئے گا۔

## خیارات (Options)

خیارات کی حقیقت مضمونہری میں یوں بیان کی گئی ہے:-

Option is a contract giving the asset holder the right but not the obligation to sell or buy an asset at an agreed price called strike price or exercise price over a short period in future which is of critical importance in the contract, if the contract stipulates a fixed date for transaction in future, it is a European Style option, if the transaction can be done a number of times in future over the contract period it is Bermuda Style option, if the time of transaction is chosen by the holder up to maturity date of the contract it is an American Style option.

(1) Glossary, Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

In securities market, this contract could be a call option.

یہ ایک کنٹریکٹ ہے جو اثاثہ بردار کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اثاثے کی خرید و فروخت کر سکے، لیکن مجبور نہیں کرتا، یہ خرید و فروخت مستقبل میں ایک مختصر عرصے کے دوران کی جاسکتی ہے، جو کہ کنٹریکٹ کے لئے نازک اہمیت رکھتا ہے، اور صرف ایک منظور شدہ قیمت پر جسے اختیاری قیمت کہتے ہیں۔

اگر اس کنٹریکٹ میں معاملے کی کوئی آئندہ تاریخ متعین ہو، تو یہ یورپی طرز کا آپشن ہوگا، لیکن اگر کنٹریکٹ کی مدت میں معاملہ بار بار کیا جاسکے، تو یہ برمودہ طرز کا آپشن ہوگا، اگر معاملے کا وقت کنٹریکٹ کا حامل فریق متعین کرے، لیکن صرف کنٹریکٹ کے عرصے کے اندر اندر، تو یہ امریکی طرز کا آپشن ہوگا، تمسکات کے بازاروں میں آپشن دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک کال آپشن اور ڈوسراپٹ آپشن۔<sup>(۱)</sup>

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب آپشن کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:- کسی خاص چیز کو خاص قیمت پر بیچنے یا خریدنے کے حق کا نام ”خيارات“ یا ”Options“ ہے۔ کوئی شخص دوسرے سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر تم چاہو گے تو فلاں چیز اتنی قیمت میں اتنی مدت تک میں خریدنے کا معاہدہ کرتا ہوں، تم جب چاہو بیچ سکتے ہو، اس کو بیچنے کا آپشن کہتے ہیں۔ آپشن دینے والا یہ حق دینے پر فیس لیتا ہے، آپشن دینے والا اس مدت میں اس چیز کو اسی قیمت پر خریدنے کا پابند ہوتا ہے، لیکن آپشن لینے والا بیچنے کا پابند نہیں ہوتا، اسی طرح اس کے

(1) Glossary; Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

برعکس بعض اوقات ایک شخص یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں تم سے فلاں چیز  
 فلاں تاریخ تک فلاں نرخ پر بیچنے کی ذمہ داری لیتا ہوں، اس تاریخ  
 تک تم جب چاہو، مجھ سے اس نرخ پر یہ چیز خرید لینا، یہ خریداری کا  
 آپشن ہے۔ آپشن کرنسی پر بھی ہوتا ہے اور اجناس پر بھی ہوتا ہے،  
 اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپشن دینے والا لینے والے کو اس کرنسی یا  
 جنس کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے مطمئن کرتا ہے اور یہ اطمینان  
 دلانے پر کمیشن لیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے پچیس روپے کا ایک ڈالر  
 خریدا، وہ اس کشمکش میں ہے کہ اگر یہ اپنے پاس رکھوں تو اس کی  
 قیمت گرنے کا احتمال ہے، اگر ابھی آگے فروخت کر دوں، تو ہو سکتا  
 ہے کہ آئندہ اس کی قیمت بڑھ جائے، تو نفع سے محروم رہوں گا۔ اب  
 دوسرا شخص اس کو اطمینان دلاتا ہے کہ ڈالر تم اپنے پاس رکھو، میں تم  
 سے وعدہ کرتا ہوں کہ تین ماہ تک یہ ڈالر میں پچیس روپے میں  
 خریدوں گا، اور اس وعدے پر اتنی فیس لوں گا۔ اس کی وجہ سے وہ  
 شخص قیمت گرنے سے مطمئن رہے گا، اگر قیمت بڑھ گئی، تو کسی اور کو  
 فروخت کر دے گا، قیمت گرنے کی تو آپشن بیچنے والے کو پچیس روپے  
 میں فروخت کر دے گا۔ آپشن کو مستقل مال تجارت سمجھا جاتا ہے، اور  
 اس کی آگے بھی بیع ہو جاتی ہے۔

یہ کاروبار دوسرے ممالک میں بہت وسیع پیمانے پر رہا ہے، اور اس  
 کی صورتیں روز بروز پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی جا رہی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

آپشن کی چند مشہور اقسام

آپشن کی مشہور قسمیں تین ہیں :-

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص: ۶۷۔

- ۱ - اختیار الطلب (Call Option)
- ۲ - اختیار الدفع (Put Option)
- ۳ - اختیار المربکب (Stradle Option)

### ۱ - اختیار الطلب (Call Option)

اختیار الطلب سے مراد کسی چیز کو خریدنے کا حق ہے، جس کی مثال اوپر ڈالر کے ساتھ ہم نے دی۔

### ۲ - اختیار الدفع (Put Option)

اختیار الدفع سے مراد کسی چیز کو بیچنے کا حق ہے، یہ پہلے اختیار کی ضد ہے، اس میں بیچنے والے شخص کو تو اختیار حاصل ہوتا ہے، لیکن خریدار کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ اسے خریدے۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔

### ۳ - اختیار المربکب (Stradle Option)

اختیار المربکب سے مراد خریدنے اور بیچنے دونوں کا اختیار ہے، بعض مرتبہ لوگ دونوں اختیار لے لیتے ہیں۔

مجمع الفقہ الاسلامی میں ایک چوتھی قسم کا بھی ذکر ہے، جس کو "الخيار الممتد" (Spread Option) کا نام دیا ہے، یہ درحقیقت اختیار مرکب ہی ہے، البتہ اس میں خریدنے کا نرخ بیچنے کے نرخ سے زیادہ ہوتا ہے۔

خيارات کی ان اقسام سے متعلق مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی کی عبارت ملاحظہ ہو:-

عقد خيار الطلب (Call Option)

عقد خيار الدفع (Put Option)

عقد الخيار المربکب (Stradle Option)

عقد الخيار الممتد (Spread Option)

الخيار المربکب: ويتضمن هذا الخيار حق في البيع وحق

ففي الشراء في ذات الوقت يصدر المستثمر هذا الخيار ثم ينتظر ماذا يحدث في السوق فإذا وجد الاجدى له البيع مارسه وإذا وجد الاجدى له الشراء مارسه۔

الخيار الممتد ويتضمن خيار شراء وبيع اي خيارا مركبا ولكن بسعر لشراء يزيد على سعر البيع الخ۔<sup>(۱)</sup>

## حکم شرعی

یاد رکھنا چاہئے کہ ورنہ اس (جو درحقیقت خیارات ہی میں داخل ہیں، لیکن ان کا زیادہ تر تحقق اسٹاک یعنی شیئرز سے ہے، جیسا کہ وہاں ذکر کردہ تفصیلات سے واضح ہے) اور خیارات کی بیع شرعیاً جائز نہیں، اور اس کے ناجائز ہونے کے دو اسباب ہیں:-

۱- اس معاوضے میں فخر (Uncertainty) ہے، کیونکہ جس کے پاس آپشن ہوتا ہے، اس کے لئے نہ وری نہیں کہ وہ اسے استعمال کر کے مطلوبہ چیز خرید لے، یا اسے بیچ دے، گویا مستقبل میں اس اعتماد کا ہونا نہ وری نہیں۔

۲- یہ خیاری شریعت کی نگاہ میں مال نہیں، جبکہ بیع ہونے کے لئے نہ وری ہے کہ وہ من طرف سے مال کا تبادلہ ہو، گویا اس بیع پر شرعی بیع کی تعریف معاف نہیں آتی، اس لئے یہ بیع جائز نہیں، بیع کی تعریف یہ ہے کہ باجمعی رضامندی سے فریقین اپنے اموال و ایک دوسرے سے تبدیل کریں۔<sup>(۲)</sup>

فیراجع تفصیل هذه الخيارات وتفصيلها مجلة مجمع الفقہ الإسلامی جرد، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني، هذه النسخة موجودة في مكتبة جماعة دارالعلوم کراچی۔

وایضاً تفصیل هذه الاقسام موجودة في گوسری (Glossary) سنٹ امرالہی پاکستان، علی صفحہ ۱۰۔

(۲) اسلامی بیاری اور فخر (Uncertainty) اور مولانا نجف الرحمن، دارالعلوم دیوبند، بیع و بیعت، ص ۲۰۰۔

یہ تعریف، حقیقت میں معارف کے تقابلی معیار کے لئے ہے، لیکن یہ تعریف، بیع کے معنی میں آسانی کے لئے اس معیار کے خلاف مذکورہ معیار سے لیا گیا ہے۔

## ضمیمہ ۱: Bai-al-Dain

اس باب کے شروع میں بیع الدین کا مسئلہ ذکر ہوا تھا، اس سے متعلق چونکہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور انگریزی تصنیف "An Introduction to Islamic Finance" میں اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خلاصے کو ان ہی کے الفاظ میں یہاں ضمیمہ ۱ کے طور پر ذکر کیا جائے، تاکہ انگریزی جاننے والے قارئین اس مفید خلاصے سے مستفید ہوں:-

Here comes the question whether or not Bai-al-Dain is allowed in Shariah. Dain means debt and Bai means sale. Bai-al-Dain, therefore connotes the sale of debt. If a person has a debt receivable from a person and he wants to sell it at a discount, as normally happens in the bills of exchange, it is termed in Shariah as Bai-al-Dain. The traditional Muslim jurists (fuqaha) are unanimous on the point that Bai-al-Dain with discount is not allowed in Shariah. The overwhelming majority of the contemporary Muslims scholars of Malaysia have allowed this kind of sale. They normally refer to the ruling of shafit school wherein it is held that the sale of debt is allowed, but they did not pay attention to the fact that the shafite jurists have allowed it only in a case where a debt is sold at its par value.

In fact, the prohibition of Bai-al-Dain is a logical consequence of the prohibition of riba, or interest. A debt receivable in monetary terms corresponds to money, and every transaction where money is

exchanged for the same denomination of money, the price must be at par value. Any increase or decrease from one side is tantamount to riba and can never be allowed in shariah.

Some scholars argue that the permissibility of Bai-al-Dain is restricted to a case where the debt is created through the sale of a commodity and its sale may be taken as the sale of a commodity. The argument, however, is devoid of force, for, once the commodity is sold, its ownership is passed on to the purchaser and it is no longer other than money. Therefore if he sells the debt, it is no more than the sale of money and it cannot be termed by any stretch of imagination as the sale of the commodity.

That is why this view has not been accepted by the overwhelming majority of the contemporary scholars. The Islamic Fiqh Academy of Jeddah, which is the largest representative body of the Sharia scholars and has the representation of the Muslim countries, including Malaysia, has approved the prohibition of Bai-al-Dain unanimously without a single dissent.<sup>(1)</sup>



(1) An introduction to Islamic Finance - p. 216

## ضمیمہ ۲: شیرز اور اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار سے متعلق اہم تحقیق

شیرز سے متعلق چونکہ گزشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ بحث کی گئی، یہاں اس کی مناسبت سے شیرز اور اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار سے متعلق ایک اہم فتویٰ ذکر کیا جاتا ہے جو اس سلسلے میں بہت ہی اہم ہے، اور اس پر باقاعدہ اہل فتویٰ حضرات کا اجلاس ہوا ہے، اور اس اجلاس میں منظور ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین، والصلوة والسلام علی رسولہ  
الکریم، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وعلی کل من تبعہم

باحسان الی یوم الدین

آج کل کمپنیوں کے حصص کی بیع و شراء جن طریقوں سے ہوتی ہے، ان کی شرعی حیثیت کے بارے میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور پوچھے بھی جاتے ہیں، ان کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے اس طریق کار کی صحیح واقفیت ضروری ہے جو اس بیع و شراء میں اختیار کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت گفتگو ان کمپنیوں کے حصص کے بارے میں ہو رہی ہے، جن کا کاروبار شرعاً حلال ہے اور ان کے حصص کی خریداری حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے فتویٰ "القصص السنی فی حصص الکمبنی" کی رو



تے جائز ہے۔

یہ معومات حاصل کرنے کے لئے دارالعمومہ سراپہی کے دارالافتاء سے اہل علمین  
ایک جماعت نے سراپہی کے اسٹاک آپٹینجنگ کا دورہ کیا، آپٹینجنگ کے ذمہ داروں سے نمٹنے  
صورت حال معلوم کی، اور ان کے قواعد و ضوابط حاصل کر کے ان کا مطالعہ کیا۔ اس تحقیق  
کے نتیجے میں جو صورت حال واضح ہوئی وہ ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

بنیادی طور پر قواعد تحقیق امور مندرجہ ذیل تھے:-

۱- ڈے ٹریڈنگ، یعنی ایک ہی دن میں جس شخص نے خرید کر اسی دن بیچ دینا۔

۲- مستقبل کے سودے (Forward)۔

۳- بدلے کے معاملات۔

## ڈے ٹریڈنگ

ڈے ٹریڈنگ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ایک ہی دن میں جس شخص نے خرید کر اسی  
دن اسی اور شخص کو وہ جس شخص بیچ دیتا ہے، یہ ڈے ٹریڈنگ فوری سودوں (Spot  
Transactions) میں بھی ہوتی ہے، اور مستقبل کے سودوں (Forward Trading)  
میں بھی۔ پہلے ہم فوری سودوں کی تحقیق کرتے ہیں۔

## فوری سودے (Spot Trading)

فوری سودوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کمپنی کے جس شخص خریدتا  
ہے تو اس خریداری کا اندراج فوری طور سے KAT میں ہو جاتا ہے، جو اسٹاک آپٹینجنگ میں  
ہونے والے سودوں کا کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ ہوتا ہے، اور اسٹاک آپٹینجنگ ان سودوں میں فریقین  
کی ذمہ داریوں کی ضمانت دیتا ہے، اس سودے کو حاضری سود بھی کہا جاتا ہے، فوری سودوں  
میں ہر سودے کے تین دن بعد خریدار کو طے شدہ قیمت ادا کرنی ہوتی ہے، اور بیچنے والے کو  
بیچنے والے شخص کی ڈیپوزیٹ دینی ہوتی ہے۔ ڈیپوزیٹ کا مطلب جس شخص کی بیچ میں یہ ہوتا ہے

کہ جس کمپنی کے حصص بیچے گئے ہیں اس کمپنی کے ریکارڈ میں سی ڈی سی کے ذریعے ان حصص کی منتقلی خریدار کے نام ہو جاتی ہے۔

فنتہی نقطہ نظر سے یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز خریدے تو اس کے لئے شرعاً ضروری ہے کہ پہلے اس چیز پر قبضہ کرے، پھر اس کے لئے آگے فروخت کرنا جائز ہوتا ہے، قبضے سے پہلے بیع جائز نہیں۔ اب حصص کی خریداری میں صورت حال یہ ہے کہ ڈیلیوری، خریداری کے تین دن بعد ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ خریداری اور ڈیلیوری کے درمیان جو تین دن کی مدت ہے، کیا خریدار کے لئے جائز ہے کہ اس درمیانی مدت میں وہ اپنے خریدے ہوئے حصص کسی اور شخص کو فروخت کر دے؟

اگر ڈیلیوری کو شرعی قبضہ قرار دیا جائے تو ڈیلیوری سے پہلے فروخت کرنا بیع قبل القبض قرار پائے گا، اور ناجائز ہوگا، لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”ڈیلیوری“ شرعی قبضے سے عبارت نہیں، بلکہ کمپنی میں حصص کے خریدار کے نام پر اندراج کو ”ڈیلیوری“ کہا جاتا ہے، ورنہ جہاں تک خریدے ہوئے حصص کے جملہ منافع اور نقصانات کا تعلق ہے، وہ خریداری کے متصل بعد خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، یعنی اگر خریداری اور ڈیلیوری کی درمیانی مدت میں کمپنی کو کوئی نقصان ہو جائے تو وہ نقصان خریدار ہی برداشت کرتا ہے، اور اگر کمپنی کو نفع ہو جائے تو اس نفع کا فائدہ بھی خریدار ہی کو پہنچتا ہے۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حصص کی بیع کا مطلب کمپنی کے حصص مشاعہ کی بیع ہے، لہذا یہ ”بیع المشاع“ ہے اور مشاع میں کسی قبضہ ممکن نہیں ہوتا۔ دوسری طرف بیع قبل القبض کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ جب تک مشتری بیع پر قبضہ نہ کرے، یا کم از کم بائع تخلیہ نہ کرے، بیع بائع ہی کے ضمان میں رہتی ہے، یعنی اگر اس دوران وہ ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ ہو جاتی ہے، لہذا اگر قبضہ کئے بغیر مشتری نے بیع کسی اور کو فروخت کر دی، بعد میں بائع اصلی ہی نے قبضے میں ہلاک ہوئی تو پہلی بیع فسخ ہو جائے گی، تو اس کے نتیجے میں دوسری بیع بھی فسخ ہو جائے گی، لہذا اس دوسری بیع میں شروع ہی سے غرر انفساخ پایا جاتا ہے۔

عالمہ کا سنی زمانہ اندر بیع قبل القبض کی ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ولأنه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه، لأنه اذا

هدك المعقود عليه قبل القبض يبطل البيع الأول، فيفسخ

الثاني۔ بدائع الصنائع ج ۶ ص ۳۹۶، مؤسسة التاريخ العربي،

بیع قبل القبض کی ممانعت کی اس سے زیادہ واضح نکتہ یہ ہے کہ اس سے ربح

مسمیٰ یضمن۔ زم آتا ہے، کیونکہ قبضے سے پہلے بیع کا ضمان مشتمل کی طرف منتقل نہیں ہوتا،

اب اگر وہ اس سے آگے فروخت کرے اور اس میں نفع کمائے تو یہ ربح مالم یضمن ہوگا، اس

کی ممانعت مندرجہ ذیل حدیث میں آئی ہے:-

لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم

تضمن۔ السنن ابی داؤد ج ۳ ص ۲۱۳، کتاب البيوع، باب في

الرجح يبيع مالم يضمن عندہ،

جامع ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:-

نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن سلف وبيع، وعن

شرطین فی بیع، وعن ربح مالم یضمن۔ (جامع الترمذی

ج ۳ ص ۵۳۵، باب ما جاء فی کراهیة بیع مالم یضمن عندک،

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملام علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

یرید بہ الربح الحاصل من بیع ما اشتراه قبل ان یقبضه

وینتقل من ضمان البائع الی ضمانه، فان بیعه فاسد، فی

شرح السنۃ قید معناه ان الربح فی کل شیء، انما یحد

ان لو کان الخسران عنیه، فان لم یکن الخسران عنیه

کالیع قبل القبض اذا تلف فان ضمانه علی البائع۔

(امرقاة المفاتیح ج ۲ ص ۱۹)

اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

وربح مالم یضمن، یرید بہ الحاصل من بیع ما اشتراہ  
قبل ان یقبضہ وینتقل من ضمان البائع الی ضمانہ، فان  
بیعہ فاسد۔ (شرح الضیعی ج ۲ ص ۸۲)

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

(وربح مالم یضمن) ہو ربح مبیعہ اشتراہ فباعہ قبل ان  
ینتقل من ضمان البائع الأول الی ضمانہ بالقبض۔

(حاشیۃ السندی علی المجتبیٰ للنسانی ج ۷ ص ۲۹۵)

اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:-

ولا ربح مالم تضمن، ای لا یحل ربح شیء لم یدخل فی  
ضمانہ وهو ربح مبیعہ اشتراہ فباعہ قبل ان ینتقل عن  
ضمان البائع الأول الی ضمانہ بالقبض۔ (بذل المجہود

ج ۱۵ ص ۱۸۰، کتاب البیوع، باب فی الرجل یبیع ما لیس عنده)

حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع قبل القبض اس لئے ناجائز ہوتی ہے کہ قبضے کے

بغیر اس کا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا، لہذا اگر وہ نفع پر آگے بیچنا چاہتا ہے تو یہ ربح  
مالم یضمن میں داخل ہے، نیز جیسا کہ صاحب بدائع نے فرمایا، قبضے سے پہلے اگر بیع  
بلاک ہو جائے تو بائع کے ضمان میں ہونے کی بناء پر بیع فسخ ہو جائے گی، اور اس کے نتیجے  
میں اگلی بیع بھی فسخ ہوگی، لہذا اگلی بیع میں شروع ہی سے غرر انفساخ پایا جاتا ہے۔

لیکن اگر ضمان حسی اور حقیقی قبضے کے بغیر تخلیہ کے ذریعے مشتری کی طرف منتقل

ہو جائے تو پھر چونکہ نہ ربح مالم یضمن کا اندیشہ ہے، نہ غرر انفساخ کا، اس لئے مشتری  
کے لئے اسے آگے بیچنا جائز ہے، اسی لئے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے تخلیہ کو قبضہ کے قائم  
مقام قرار دیا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

واجمعوا على ان التخلية في البيع الجائز تكون قبضاً. وفي  
البيع الفسد روايتان والصحيح انها قبض رجل باء خلا  
في دن في بيته فحسب بينه وبين المشتري فختم المشتري  
عسى الدن وتركه في بيت البائع فهك بعد ذلك فانه يهدك  
من مال المشتري في قول محمد. وعنه الفتوى۔

فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۰۶، کتاب البيوع، باب ۲ فصل ۲

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشاع کی بیع میں قبضہ کیسے مستحق ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں  
بھی فقہائے کرام نے یہی فرمایا ہے کہ مشاع کی بیع میں تسلیم اور قبض کا تحقق تخلیہ ہی سے  
ہوتا ہے۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ اجارۃ المشاع (جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز  
نہیں) اور بیع المشاع کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

وهذا بخلاف البيع، لأن التسليم هناك بالتخلية يتم وذلك  
في الجزء الشائع يتم۔

(مبسوط السرخسی ج ۱ ص ۱۰۶، کتاب الاجارۃ)

صاحب بدایہ رحمہ اللہ نے بھی اس فرق کو اس طرح بیان فرمایا ہے:-  
ولأبي حنيفة انه آجر ما لا يقدر على تسليمه فلا يجوز،  
وهذا لأن تسليم المشاء وحده لا يتصور، والتخلية  
اعتبرت تسليماً لوقوعه تمكيناً، وهو الفعل الذي يحصل  
به التمكين، ولا تمكين في المشاء، بخلاف البيع لحصول  
التمكين فيه۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اجارہ میں چونکہ مقصود صرف انتفاع ہوتا ہے، ملک نہیں،  
اور حصہ مشاع میں تمکین انتفاع نہیں ہوسکتی، اس کے اس میں تخلیہ مقصود نہیں ہے، اس کے  
برخلاف بیع میں مقصود ملک ہوتی ہے، لہذا تخلیہ کے ذریعے اس میں تمکین ہوسکتی ہے، چنانچہ

صاحب عنایہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:-

بخلاف البیع فان المقصود به ليس الانتفاع، بل الرقبة،  
ولهذا جاز بيع الجحش فكان التمکن بالتخلية فيه حاصلًا۔  
اور صاحب کفایہ اس کو مزید واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

ان التخلية اعتبرت تسليمًا اذا كان تمكينًا من الانتفاع،  
وانما يكون تمكينًا اذا حصل بها التمکن، والتمکن لا  
يحصل به فلم يعتبر فعله تمكينًا بخلاف البیع، لحصول  
التمکن ثمة من البیع والاعتاق وغير ذلك۔ (فتح القدير مع

العناية والكفاية ج: ۸ ص: ۳۱ و ۳۲ باب الاجارة الفاسدة)

صاحب کفایہ کی خط کشیدہ عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ مشاع میں حسی قبضے  
کے بغیر تخلیہ قبضے کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور مشتری کے لئے اس میں ملک کے تصرفات  
کرنا جائز ہو جاتا ہے، جن میں اسے آگے فروخت کرنا بھی شامل ہے۔

علامہ طوری رحمہ اللہ نے بھی تكملة البحر الرائق میں فرق کی وضاحت صاحب ہدایہ  
اور صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق کی ہے۔

(تكملة البحر ج: ۸ ص: ۳۶، باب الاجارة الفاسدة)

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشاع کی بیع میں حسی قبضہ تو ممکن  
نہیں ہوتا، لیکن تخلیہ اور تمکین سے قبضے کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اور مشتری کے لئے اس  
تخلیہ یا تمکین کے بعد اسی مشاع کو آگے فروخت کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حصص کی بیع میں بائع کی طرف سے تمکین اور تخلیہ کا تحقق ہو جاتا  
ہے یا نہیں؟

اگرچہ اشاک آپسچینج کے ذمہ دار اور اس میں کام کرنے والے اس بات پر متفق  
نظر آئے کہ سودا ہوتے ہی بیچے ہوئے شیئرز کے حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل

دو جاتی ہیں، گویا شیعہ زخمیدار کے ضمان میں آجاتے ہیں (اور اس لحاظ سے اگر خریدار انہیں آگے بیچے تو ربح صالح یضمن " لازم نہیں آتا) لیکن اسٹاک آپکھینچنے کے قواعد و ضوابط کے مطابق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبضہ شرعی کا تحقق ڈیلیوری سے پہلے نہیں ہوتا، جس کے ذریعے مندرجہ ذیل ہیں:-

۱- یہ بات فقہ اسلامی میں طے شدہ ہے کہ قبض کس شیء بحسبہ معنی ہے چیز کا قبضہ اس شیء کی نوعیت کے لحاظ سے عرف مختلف ہوتا ہے، شیئرز کے بارے میں عرف عام یہی ہے کہ سودے کے وقت محض اسٹاک آپکھینچنے کے فوری اندراج کو قبضہ نہیں کہا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ "ڈیلیوری" تین دن بعد ہوگی، ڈیلیوری کے معنی ہی قبضہ دینے کے ہیں، لہذا عرف نے اس کو قبضہ قرار دیا ہے۔

۲- اسٹاک آپکھینچ میں "بیع مالا یملک الانسان" (Short Sale) فاروق عام ہے، جب ہم نے اسٹاک آپکھینچ کا دورہ کیا، اس وقت ہمیں یہ بتایا گیا کہ حاضر سودوں یعنی فوری سودوں میں شارٹ سیل ممنوع کر دی گئی ہے، لیکن قواعد و ضوابط سے پتہ چلتا ہے اور بعد میں اسٹاک آپکھینچ کے صدر صاحب نے بھی اس کی تصدیق کی کہ جو چیز منع کی گئی ہے وہ ہینک سیل (Blank Sale) ہے، یعنی ایسی بیع جس میں بائع کے پاس نہ تو ملکیت میں شیعہ زبوں، اور نہ اس نے شیعہ زکی خریداری کے لئے کسی سے قرض کا معاہدہ کر رکھا ہو، لیکن حاضر سودوں میں شارٹ سیل کی اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی گئی ہے کہ بیچنے والا خریدار کو بتا دے کہ وہ شارٹ سیل کر رہا ہے اور یہ کہ اس نے وقت پر شیعہ زکی ڈیلیوری کے لئے کسی سے قرض لینے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاضر سودوں میں شارٹ سیل کا امکان موجود ہے، اور اگر بالفرض قواعد کے لحاظ سے شارٹ سیل منع بھی ہو تو اس بات کی گارنٹی نہیں ہے کہ وہ اس قاعدے کی خلاف ورزی نہیں کر رہا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص شارٹ سیل کر رہا ہے، یعنی شیعہ زکی کی ملکیت میں نہیں ہیں، پھر بھی بیچ رہا ہے تو نہ صرف یہ کہ "بیع مالا یملک" ہونے کی بنا پر یہ بیع شرعاً

باطل ہے، بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی شیئرز کے حقوق و التزامات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں یا خریدار کے ضمان (Risk) میں آجاتے ہیں، وہ یہ بات شرعی مفہوم میں نہیں کہتے، کیونکہ یہ بات وہ شارٹ سیل کی صورت میں بھی کہتے ہیں، حالانکہ شرعی مفہوم میں شارٹ سیل کی صورت میں ضمان منتقل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب شیئرز بائع ہی کی ملکیت میں نہیں ہیں تو وہ خریدار کو تمکین یا تحید کیسے رسکتا ہے؟ اور اس سے شرعی مفہوم میں ضمان کیسے منتقل ہو سکتا ہے؟

۳- کراچی اسٹاک ایکسچینج کی طرف سے ہمیں جو قواعد و ضوابط فراہم کئے گئے،

ان میں حاضر سودوں کے قواعد و ضوابط (Rules For Ready Delivery Contracts) کی پہلی دفعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام حاضر سودوں کا تصفیہ آئندہ ہفتے میں پیر کے دن ہونا ضروری ہے، یعنی پیر کے دن بائع شیئرز کی ڈیلیوری دے گا، اور خریدار اس کی قیمت بائع کو ادا کرے گا، لیکن اسی دفعہ کی شق بی میں یہ صراحت ہے کہ اگر بائع نے مقررہ وقت تک ڈیلیوری نہ دی تو خریدار کو حق ہوگا کہ کسی کمپنی کے جتنے شیئرز اس نے بائع سے خریدے تھے، وہ بازار سے خرید لے (جس کو اسٹاک ایکسچینج کی اصطلاح میں "Buy In" کہا جاتا ہے) اور شق سی میں کہا گیا ہے کہ ایسی صورت میں اگر خریدار کو بازار سے خریداری کرنے میں کوئی نقصان ہو (مثلاً وہ شیئرز بازار سے زیادہ قیمت میں ملیں) تو بائع کا فرض ہوگا کہ وہ خریدار کے نقصان (Damages) کی تلافی کرے۔

یہ قاعدہ واضح طور پر اس بات کا اعتراف ہے کہ سودے کے وقت قبضہ نہیں ہوا تھا، کیونکہ بائع کی طرف سے ڈیلیوری نہ دینا، دوہی صورتوں میں ممکن ہے، یا تو بائع نے شارٹ سیل کی تھی، یعنی شیئرز کے ملکیت میں ہونے کے بغیر فروخت کر دیئے تھے، اس صورت کا بطلان اوپر نمبر ۲ میں گزر چکا ہے، یا پھر اس نے شارٹ سیل نہ کی تھی، مگر خریدار سے سودا کرنے کے بعد اس کی رائے بدل گئی اور اس نے وہ خود رکھنے یا کسی اور کو بیچ دینے کا فیصلہ لرایا، جب اس کے لئے رائے بدل کر شیئرز کو خود رکھ لینا یا کسی اور کو بیچنا ممکن ہے تو



یہ سیکے کہا جا سکتا ہے کہ سود کے وقت اس نے خریدار کو تمکین کر دی ہے یا اس کے حق میں تخیل کر دیا ہے؟ نیز اس صورت میں اسٹاک آپکچینج کے قواعد یہ نہیں کہتے کہ جو شیئرز فروخت کرنے کے لئے بائع کو ان کی ڈیلیوری دینے پر مجبور کیا جائے، بلکہ خریدار کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بائع کو ڈیلیوری پر مجبور کرنے کے بجائے بازار سے اسی کمپنی کے اسی مقدار میں دوسرے شیئرز خرید لے، اور اس خریداری میں اسے کوئی نقصان ہو تو بائع کو اس کی تلافی پر مجبور کرے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی بیچ ایک طرفہ طور پر منسوخ کرے، اور کسی تیسرے شخص سے نئی بیچ کرے۔

۴۔ اسٹاک آپکچینج کے حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ حاضر سودوں کے علاوہ فارورڈ سودوں میں بھی حقوق و استزاعات فوراً منتقل ہو جاتے ہیں، صرف کمپنی کے ریپکارڈ میں نام کی منتقلی حاضر سودوں کے مقابلے میں زیادہ تاخیر سے ہوتی ہے، حالانکہ فارورڈ سودوں میں شہرت سیل کا رواج حاضر سودوں کے مقابلے میں نہیں زیادہ ہے، اس سے پتہ چلا کہ یہ حضرات حقوق و استزاعات کی جس منتقلی کا ذکر کر رہے ہیں وہ شرعی مفہوم میں ضمان کی منتقلی نہیں ہے۔ اور اس سارے مجموعے سے جو بات واضح ہو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ جس چیز کو اسٹاک آپکچینج کی اصطلاح میں حاضر سود کہا جا رہا ہے، اس میں سود کے وقت شرعی مفہوم میں قبضہ متحقق نہیں ہوتا، اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی تمام حقوق و استزاعات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، وہ اس معنی میں کہتے ہیں کہ اسٹاک آپکچینج معاملے کو انتہا تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اور شیئرز کی قیمت بڑھے یا گھٹے، بائع اسی قیمت پر شیئرز کی ڈیلیوری کرنے کا، اور خریدار وہی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے، اور اگر وہی فرق اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کرے اور خریدار کی عدم ادائیگی کی صورت میں بائع کو بازار میں شیئرز فروخت کرنے (Sale Out) میں اور بائع کے قبضہ نہ دینے کی صورت میں خریدار کو بازار سے شیئرز خریدنے میں جو نقصان ہو، دوسرا فریق اس کی تلافی کا ذمہ دار ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں شرعی حکم یہ ہے کہ شیئرز کے خریدار کے لئے اس

وقت تک شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ ڈیلیوری نہ مل جائے۔ اگر بیچنے والے نے شارٹ سیل کی ہے یعنی شیئرز ملک میں لائے بغیر فروخت کئے ہیں تو یہ بیع ہی باطل ہے، اور اگر شیئرز بائع کی ملک میں تھے، اور عقد بیع کے ارکان متحقق ہو گئے ہیں تو یہ بیع درست ہے، (اسے بیع الکالی بالکالی اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ کمپنی کے شیئرز بائع کی ملکیت میں ہیں اور عین ہیں دین نہیں) لیکن خریدار کے لئے آگے بیع کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب اسے باقاعدہ ڈیلیوری مل جائے، لہذا اس وقت جس طرح ڈے ٹریڈنگ ہو رہی ہے (جس میں ڈیلیوری سے پہلے شیئرز آگے بیچ دیئے جاتے ہیں) وہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

### مستقبل کے سودے (Futures)

مذکورہ بالا تفصیل حاضر سودوں کے بارے میں تھی، جنہیں "Spot Sales" یا "Ready Contracts" کہا جاتا ہے۔ جب حاضر سودوں میں صورت حال یہ ہے تو مستقبل کے سودوں میں جنہیں Future یا Forward کہا جاتا ہے۔ بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا کہ ڈیلیوری کے بغیر شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں، اس لئے کہ ان سودوں میں شارٹ سیل کا رواج حاضر سودوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اور شارٹ سیل پر جو پابندیاں حاضر سودوں میں ہوتی ہیں، مستقبل کے سودوں میں اتنی پابندیاں نہیں ہیں۔

اشاک ایکسچینج کے دورے کے دوران ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ حاضر سودوں اور مستقبل کے سودوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ حاضر سودوں میں ڈیلیوری جلدی ہو جاتی ہے، اور مستقبل کے سودوں میں دیر سے ہوتی ہے، لیکن خریدے ہوئے شیئرز کے حقوق و التزامات فوراً منتقل ہو جاتے ہیں، لیکن ان حضرات کا یہ بیان اس بات کی دلیل ہے کہ حقوق و التزامات کی منتقلی کا لفظ وہ شرعی مفہوم میں استعمال نہیں کر رہے، بلکہ اس معنی میں استعمال کر رہے ہیں کہ شیئرز کی قیمت ڈیلیوری سے پہلے بڑھے یا گھٹے، ہر صورت میں بائع طے شدہ قیمت پر ڈیلیوری دینے اور خریدار طے شدہ قیمت ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر مستقبل کے سودوں (Forward Sale) یا Future Sale کا حکم یہ ہے کہ:-

۱- اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز نہیں ہیں اور وہ شارٹ سیل یا بلینڈ سیل کر رہا ہے تو یہ بیع مالا یملک ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے۔

۲- اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز ہیں اور وہ ان کی ڈیلیوری بھی لے چکا ہے، اور آئندہ کی تاریخ کے لئے آج ہی ایجاب و قبول کے ذریعے بیع کی تکمیل کر رہا ہے، جسے (Forward Sale) کہا جاتا ہے، یعنی بیع آج ہی مکمل ہوئی ہے، لیکن وہ بیع آئندہ تاریخ کے لئے ہے، تو یہ بیع مضاف الی المستقبل ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔

۳- اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں شیئرز ہیں (یعنی وہ ان کی ڈیلیوری لے چکا ہے) اور بیع آئندہ تاریخ کے لئے نہیں، بلکہ آج ہی کی تاریخ کے لئے ہوئی ہے، ابھی قیمت ادھار رکھی گئی ہے کہ خریدار قیمت آئندہ کسی تاریخ پر ادا کرے گا، تو اس صورت میں شیئرز کی ڈیلیوری خریدار کو دینی ہوگی، اور قیمت کی وصولی کے لئے ڈیلیوری دینے بغیر شیئرز اپنے قبضے میں رکھنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع مؤجل ہے، اور بیع مؤجل میں حبس المبیع لاستیفاء الثمن جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمیہ یہ میں ہے:-

قال اصحابنا رحمهم الله تعالى للبايع حق حبس المبيع  
لاستيفاء الثمن اذا كان حالاً كذا في المحيط، وان كان  
موجلاً فليس للبايع ان يحبس المبيع قبل حلول الاجر  
ولا بعده، كذا في المبسوط۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۱۵، باب ۲ من کتاب البیوع)

۴- اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور وہ آج کی تاریخ ہی کے لئے خریدار کو بیچ رہا ہے، اور ان کی ڈیلیوری بھی خریدار کو دیتا ہے، لیکن قیمت، آئندہ تاریخ

کے لئے ادھار رکھی گئی ہے اور خریدار کو ڈیلیوری دینے کے بعد پھر وہی شیئرز (جو خریدار کے نام منتقل ہو چکے ہیں) اپنے پاس گروی رکھ لیتا ہے تو یہ صورت جائز ہے۔

علامہ حنفی رحمہ اللہ، الدر المختار میں فرماتے ہیں:-

ولو كان ذلك الشيء الذي قال له المشتري: امسكه، هو المبيع الذي اشتراه بعينه لو بعد قبضه، لأنه حينئذ يصدق أن يكون رهناً بضمنه، ولو قبله لا يكون رهناً، لأنه محبوس بالثمن۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اس کے تحت فرماتے ہیں:-

قوله: لأنه حينئذ يصدق... الخ أي لتعيين ملكه فيه، حتى لو هلك يهلك على المشتري، ولا يفسخ العقد ط قوله "لأنه محبوس بالثمن" أي وضمنه يخالف ضمان الرهن، فلا يكون مضموناً بضمانين مختلفين.... الخ۔

(رد المحتار، کتاب الرهن ج: ۶ ص: ۴۹۷)

صورت نمبر ۳ اور صورت نمبر ۴ کا فرق بھی علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی اس

عبارت میں موجود ہے، اس کی مزید وضاحت بندہ کی کتاب "بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة" (ص: ۱۶ تا ۱۸، طبع دار القلم دمشق) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۵- پانچویں صورت یہ ممکن ہے کہ بیچنے والے کی ملک اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور

وہ بیع ابھی نہیں کرتا، بلکہ ایک خاص قیمت پر آئندہ بیچنے کا وعدہ کرتا ہے، اور خریدار آئندہ اس قیمت پر خریدنے کا صرف وعدہ کرتا ہے، بیع ابھی مکمل نہیں ہوتی، علمائے معاصرین کی ایک بڑی جماعت (جس میں مجمع الفقہ الاسلامی جده بھی داخل ہے) دو طرفہ وعدہ ملزم کو بھی عقد کے حکم میں قرار دے کر اسے ناجائز قرار دیتی ہے، اور جن فقہاء نے بعض معاملات (مثلاً بیع بالوفاء) میں وعدہ ملزم کو جائز قرار دیا ہے، وہ بھی اسے حاجت عامہ سے

مشروط مانتے ہیں، چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:-

لأن المواعدة قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة

الناس۔ (الفتاویٰ الخانیة ج ۲ ص ۱۶۵)

مذکورہ صورت میں کوئی ایسی حالت نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے کوئی حرج عام  
رزم آئے، بلکہ اسٹاک ایکسچینج میں سٹہ بازی کے رجحان و روکنے کے لئے ضروری معیوم ہوتی  
ہے کہ یہاں وعدہ وغیرہ مزمہ ہی رہے، لہذا اُردو نوں فریق وعدہ غیر مزمہ (Non-Binding  
Promise) کریں تو یہ جائز ہے، اس صورت میں اُردو کوئی فریق وعدے کو پورا نہ کرے تو وہ  
وہیبتہ تو گناہگار ہوگا، لیکن قضا، اسے مجبور نہ کیا جاسکے گا۔

## بدلہ کے معاملات

اسٹاک ایکسچینج میں بدلہ کے معاملات اس طرح ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ایک  
شخص بہت سے شخص خریدتا ہے، مگر قیمت ادا کرنے کے لئے اس کے پاس رقم نہیں  
ہوتی، ایسی صورت میں وہ خریدے ہوئے شخص کسی تیسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ بیچ  
دیتا ہے کہ وہ ایک طے شدہ مدت کے بعد خریدار سے وہی شخص زیادہ قیمت پر خرید لے گا،  
مثلاً الف نے ب سے ٹیم اپریل و ایک لاکھ روپے کے دس ہزار شخص خریدے، لیکن اس  
کے پاس ایک لاکھ روپے نہیں ہیں، لہذا وہ یہ دس ہزار شخص ب کو اس شرط کے ساتھ بیچتا ہے  
کہ ۱۳ اپریل کو وہی شخص ایک لاکھ دو ہزار روپے میں واپس خرید لے گا۔

اس طریق کار میں شرعی اعتبار سے وہ خریداریاں ہیں، ایک یہ کہ موما بدلے گا یہ  
معاملہ ڈیلیوری سے پہلے کیا جاتا ہے، جس کے بارے میں پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔ مومنج  
قبل القبلت ہونے کی بنا پر ناجائز ہے۔ دوسرے جوجوشیہ زینتے جارہے ہیں وہ زیادہ  
قیمت پر واپس خریدنے کی شرط کے ساتھ بیچے جارہے ہیں، یہ شرط فاسد ہے، مومنج و فاسد  
کردی ہے، اور درحقیقت اس کا مقصد ایک لاکھ روپے کے برابر ایک لاکھ دو ہزار روپے

واپس کرنا ہے جو سود کی ایک شکل ہے، جس کے لئے اس بیع فاسد کو بہانہ بنایا گیا ہے، اس لئے بدلہ کے یہ معاملات بھی شرعاً ناجائز ہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۱/صفر/المظفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۲/اپریل ۲۰۰۵ء



## اختتامیہ

اللہ جل شانہ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے ”زر“ (Money) کے مختلف پہلوؤں سے متعلق حقیقی المقدور اس مقالے میں بحث کی گئی، زمانے کی ترقی اور معاشی دائرے کے وسیع ہونے کی وجہ سے ”زر“ کا مفہوم بھی بہت وسیع ہو گیا، پہلے زمانے میں زیادہ تر زر کا اطلاق صرف سونے یا چاندی یا درہم و دینار پر ہوتا تھا، اور اس کے ساتھ فلوس بھی زر کی سیٹھری میں شمار ہوتے تھے، لیکن تجارتی اور معاشی ترقی نے زر کی نئی شکلیں متعارف (Introduced) کرائی، جن میں کریڈٹ منی کی مختلف قسمیں سامنے وجود میں آئیں، اور ان قسموں کے ساتھ بین دین ہونے کا، جس کی تفصیل آخر کی باب میں درج ہے۔

اس مقالے کے مباحث میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور حائل اہمیت مسائل میں سے ”زر کی حقیقت“ (The Nature of Money) ہے، کیونکہ موجودہ بینکنگ اور مالیاتی سسٹم میں زر ہی بوالہ تجارت (Tradable) آلہ قرار دیا گیا ہے، زر کے اس خلاف فہم سے سب سے مختلف قسم کی معاشی اور شرعی مناسد پیدا کئے، جن میں سب سے بنیادی خرابی ہوئی ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں :-

One of the most important characteristics of Islamic financing is that it is an asset-backed financing. The conventional capitalist concept of financing is that the banks and financial institution deal in money and monetary papers only. That is why they are forbidden, in most countries, from

trading in goods and making inventories. Islam, on the other hand, does not recognize money as a subject-matter of trade..... In conventional financing, the financier gives money to his client as an interest-bearing loan, after which he has no concern as to how the money is used by the client.(1)

امام غزالی رحمہ اللہ نے زر کو خلاف فطرت استعمال کرنے کو ظلم قرار دیا ہے :-  
اور جس نے بھی ذرا ہم و ذنا میں سود کا معاملہ کیا تو اس نے نعمتِ خداوندی کی ناشکری کی اور ظلم کیا، کیونکہ ان دونوں کی تخلیق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہے، کیونکہ یہ دونوں مقصود بالذات نہیں، چنانچہ جب کوئی شخص ان دونوں میں تجارت کرے گا، تو اس نے ان دونوں کو اس حکمت سے ہٹایا، جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی تھی :-

”إذ طلب النقد لغير ما وضع له ظلم“

کیونکہ زر کو ایسی چیز کے لئے لینا جس کے لئے یہ پیدا نہیں ہوا ہے، ظلم ہے۔ (۲)

گویا زر کے ساتھ عام اشیاء، سا سلوک کرنا، اور اس کو محل تجارت (Tradable) بنا دینا ظلم ہے، زر کے معاملے میں انصاف یہی ہے کہ جس مقصود کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے، اسی مقصود میں اس کو استعمال کیا جائے۔

اسی طرح اہم مسائل میں سے ”نوٹ کی شرعی حیثیت“ ہے، جس میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن راجح قول یہی ہے کہ یہ بذات خود ثمن عرفی (Comstomary Price) ہے۔

(1) An Introduction to Islamic Finance. p:20

(۲) احياء علوم الدين، الغزالي (الإمام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي م ۵۰۵ھ) بيروت، لبنان، دار المعرفة (۹۱۴)۔



نیز اہم مسائل میں سے زرعا باجمعی تباہی، اور زرہ اعتباری کی چند قسمیں مثلاً: بیب، بل آف، الپینج، ہاندز اور مختلف قسم کے ریٹیلیٹس ہیں، جن پر آٹھویں باب میں تمدید یہ مسائل بحث کی گئی، اگرچہ ان آلات میں سے ہر آلہ ایسا ہے، جس کی مختلف قسمیں ان کی قرینات، حقائق، شرائط اور احکام پر مستقل مقالم تیار ہو سکتا ہے، مثلاً ہاندزی بے شمار قسمیں ہیں، اور ان کے بے شمار متعلقات ہیں، اسی طرح شیئر ہر یقینیت پر مستقل اور ضخیم مقالم تیار ہو سکتا ہے، چنانچہ مجمع الفقہ الاسلامی جدید کے مجلات (جن میں سے بخش ہ ہوائی کرشمہ مباحث میں دیا گیا ہے) سندرات اور قسم (Shares) پر باقاعدہ مقالم لکھے گئے ہیں۔

نیز مقالے کے اصول کے مطابق ہم نے اصل باب میں ذکر کردہ عنوانات سے متعلق موقوف عالیہ مباحث بھی اختصاراً ذکر کئے ہیں، مثلاً بیع سرف، بیع الدین اور حوالہ وغیرہ کے مسائل، کیونکہ ان پر زرک بہت سمارے مسائل موقوف ہیں۔

پور آخر میں اور اسی طرح درمیان میں بعض جگہ عنائم (Appendices) اور مختلف فوائد بھی ذکر کئے ہیں، کیونکہ ان کی وہاں پر ضرورت محسوس کی گئی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین، اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائیں، اور ہر نام اور عمل میں خوبصورتی فرمائیں، آمین۔





## مراجع و مصادر (Bibliography)

### الف

- \* احکام الأوراق النقدية الجعيد (ستر بن ثواب الجعيد) الطائف، مكتبة الصديق،  
طبع اول
- \* اسلام اور جديد معيشت و تجارت، ادارة المعارف كراچي ۱۳، طبع اول ۱۳۱۹ھ
- \* اعلام الموقعين عن رب العالمين، ابن قيم الجوزية (علامة شمس الدين ابو عبدالله  
محمد بن ابي بكر المعروف بابن الجوزية، المتوفى ۱۳۷ھ) مصر، ادارة الطباعة  
المنيرية
- \* احياء علوم الدين، الغزالي (الإمام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي م ۵۰۵ھ)  
بيروت، لبنان، دار المعرفة
- \* اقتصاديات النقود، متولى (الدكتور ابوبكر الصديق عمر متولى) القاهرة، مكتبة  
وهبة، طبع اول ۱۳۰۳ھ
- \* احكام القرآن، ابن العربي (ابوبكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربي،  
متوفى ۵۴۳ھ) بيروت، دار المعرفة، طبع سوم ۱۳۹۲ھ
- \* ابن ماجه والحاكم
- \* امداد الفتاوى، تهانوى (حضرت مولانا اشرف على تهانوى) كراچي، مكتبة  
دار العلوم كراچي ۱۴
- \* ابحاث هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية، طبع اول ۱۳۰۹ھ

- \* اقرب الموارد، الشرتونی (علامة سعيد الخوري الشرتونی) لبنان، دار الاسوة للطباعة والنشر، طبع اول ۱۳۷۳ھ
- \* ابو داود فی کتاب البيوع، باب ۱۲، ۱۷، الترمذی فی کتاب البيوع، باب ۲۲-۲۳۔
- \* إعلاء السنن، العثماني (علامة ظفر احمد العثماني) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية
- \* احسن الفتاوى، لدهيانوى (مفتى رشيد احمد صاحب) كراچى، ايچ ايم سعيد، پاکستان چوك، طبع اول ۱۴۱۵ھ
- \* البلاغ، شماره جمادى الاولى ۱۴۲۲ھ دارالعلوم كراتشى ۱۴
- \* ايضاح المسالك، الونشريسي (ابو العباس احمد بن يحيى) متحدة عرب إمارات، رباط، التراث الإسلامى، طبع اول ۱۹۸۰ء
- \* الانصاف، المر داوى (علاء الدين ابى الحسن على بن سليمان) طبع اول ۱۳۷۲ھ
- \* اوجز المسالك، الكاندهلوى (شيخ الحديث مولانا محمد زكريا) ملتان، ادارة تاليفات اشرفيه

## ب

- \* بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، الكاسانى (العلامة علاء الدين ابوبكر الكاسانى) كراچى ايچ ايم سعد، طبع اول ۱۳۲۸ھ
- \* بخارى، كتاب الطلاق
- \* البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم (الشيخ العلامة زين الدين بن ابراهيم متوفى ۹۷۰ھ) بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۸ھ
- \* بلوغ الامانى على الفتح الربانى، الساعاتى (احمد عبدالرحمن البنا) مصر، مطبعة الفتح الربانى، طبع اول ۱۳۵۶ھ
- \* بهجة المشتاق بحواله احكام الاوراق النقدية للجعيد
- \* بهشتى زيور التهانوى (مولانا اشرف على) كراچى، دار الاشاعت، آرام باغ

- \* البنک الدار بوی فی الإسلام، السيد محمد باقر الصدر، بیروت، دار التعارف، طبع ششم، ۱۴۰۰ھ
- \* البلاغ، شماره جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ دارالعلوم کراچی ۱۳
- \* بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثماني (محمد تقی عثمانی) کراتشی، مکتبہ دارالعلوم کراتشی، صبع جدید ۱۴۲۶ھ
- \* بحوث فی الربا، الإمام ابو زهرة، بیروت، دار الفكر العربي-

## ت

- \* تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، الزیلعی (الإمام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی) بیروت، دار الکتب العلمیة، طبع اول ۲۰۰۰ء "یعنی إذا وجد معدن ذهب أو فضة وهو المراد بالنقد أو حديد الخ"
- \* تحفة المحتاج، الہیتمی (العلامة ابن حجر الہیتمی الشافعی)
- \* تحریر الفاظ التنبیہ، النووی (محمی الدین یحییٰ بن شرف النووی) دمشق، دار القیم، طبع اول ۱۴۰۸ھ
- \* تعارف زر و بنکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سکارل اوسلو یونیورسٹی، ناروے، رہبر پبشرز کراچی، طبع اول ۱۹۹۱ء
- \* تطور النقود فی ضوء الشريعة الإسلامية، الحسنی (الدكتور احمد حسن احمد الحسنی) جدة، دار المدنی، طبع اول ۱۴۱۰ھ
- \* تکملة فتح المہتم شرح صحیح مسلم (جسس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴ طبع اول ۱۴۰۵ھ
- \* تلخیص الحبیر، العسقلانی (علامة ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ م) الرياض، مکتبہ نزار مصطفی الباز، طبع اول ۱۴۱۷ھ
- \* تہذیب الأسماء واللغات، النووی (ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ) مصر، ادارة الطباعة المنيرية

- \* تنویر الابصار متن الدر المختار، التمر تاشی (محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب التمر تاشی الغزی المتوفی ۹۳۹ھ) بیروت، دار احیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۱۹ھ
- \* تحفة الفقهاء، السمرقندی (علامة علاء الدین المتوفی ۵۳۹ھ) دمشق، مطبعة جامعة دمشق، طبع اول ۱۳۷۷ھ
- \* تنبيه الرقود على مسائل النقود، ضمن رسائل ابن عابدين، لاهور، پاکستان، سهيل اكيذمي ۱۹۷۶ء
- \* تحفة المحتاج مع حاشية الشرواني، الهيثمي (علامة احمد بن حجر الهيثمي الشافعي) تدريب الراوي للسيوطي ص: ۲۵ طبع المدينة المنورة

## ج

- \* جديد فقهی مباحث، قاسمی (مولانا مجاهد الاسلام قاسمی) کراچی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، جلد دوم
- \* جهاد في رفع بلو الربا، الشيخ (محمد خاطر محمد الشيخ) مصر، مطابع الاهرام التجارية، القاهرة
- \* جريدة البلاد السعودية، العدد: ۲۹۱۷ (۱۳۷۸/۶/۲۲ھ)
- \* جامع الاصول، ابن الأثير الجزري (الإمام مجد الدين ابى السعادات المبارك بن محمد المتوفى ۶۰۶ھ) حلوان، مكتبة الحلواني، طبع ۱۳۸۹ھ

## ح

- \* حواشی الشروانی بن قاسم العبادي
- \* الحاوی للفتاوی، السيوطي (علامة جلال الدين عبدالرحمن بن ابى بكر السيوطي المتوفى ۹۱۱ھ) بيروت، المكتبة العصرية، طبع اول ۱۴۱۱ھ
- \* حاشية الدسوقي

- \* حاشیة جامع الاسرار فی المنار للنسفی للکاکبی، الافغانی (فضل الرحمن عبد الغفور الافغانی)
- \* حکمة التشريع الإسلامی فی تحریم الربا، ڈاکٹر یوسف حامد العالم، دار جامعة ام درمان الإسلامیة، طبع اول ۱۴۰۳ھ

## خ

- \* الخرشی عی سیدی خلیل، الخرشی (محمد الخرشی المالکی) بیروت، دار الصادر
- \* الخيار واثره فی العقود، ابو غدة (الدكتور عبدالستار ابو غدة) الكويت، مطبعة مقهوى، طبع دوم ۱۴۰۵ھ

## د

- \* الدر المختار للحصکفی شرح تنویر الابصار للتمر تاشی و متن رد المحتار لابن عابدين المعروف بالشامی
- \* دائرة معارف القرآن، وجدی (محمد فريد وجدی) مطبعة دائرة معارف القرآن ۱۳۵۷ھ
- \* الددایة فی تخريج احاديث الهداية، العسقلانی (العلامة ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ) پنجاب، شیخوپورہ، المكتبة الاثريه، پاکستان

## ر

- \* الربا خطره وسبيل الخلاص منه، الحماد (الدكتور حمد بن عبدالعزيز الحماد)، مصر، مطبعة المدنی، طبع اول ۱۴۰۲ھ
- \* رد المحتار الشامی (محمد امين بن عابدين الشامي م ۱۲۵۲ھ) مطبعه مذکورہ، طبع اول ۱۴۱۹ھ
- \* روضة الطالبين، النووی (علامة محي الدين بن شرف النووي) بيروت، المكتب الإسلامی، طبع م ۱۴۰۵ھ
- \* رسالة بحث ونظر ص ۱۱۵، شماره اپریل، منی، جون، ۱۹۹۰ء

## ز

- \* زر اور بنکاری، شیخ عطاء اللہ، لاہور، کشمیر بازار، طبع اول ۱۹۵۴ء
- \* زاد المحتاج شرح المنہاج، الکوهجی (الشیخ عبداللہ بن الشیخ حسن الحسن الکوهجی) قطر، طبع اول ۱۴۰۲ھ

## س

- \* السیاسیة النقدیة والمصرفیة فی الإسلام، الترمکمانی (الدکتور عدنان خالد الترمکمانی)، بیروت، مؤسسة الرسالة، طبع اول ۱۴۰۹ھ
- \* سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء
- \* سورة البقرة آیت: ۲۷۶
- \* سنن ابی داود
- \* سورة الشعراء آیت: ۱۸۱
- \* سورة هود آیت: ۸۵
- \* سورة التطفیف
- \* سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام، مؤلفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد سے لئے گئے ہیں، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور پاکستان
- \* سنن ابی داود، السجستانی (سلیمان بن الأشعث بن اسحاق السجستانی) البیوع

## ش

- \* شرح الصاوی للشیخ محمد ابراہیم المبارک، بحوالہ احکام الأوارق النقدیة والتجاریة للجعید
- \* شرح الحافظ ابن القیم علی سنن ابی داود مع عون المعبود، بیروت، دار الکتب العلمیة



- \* شرح منح الجلیل (علامة محمد علیش)
- \* الشرح الصغیر علی اقرب المسالك إلى مذهب الإمام مالک، الدرریر (العلامة ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد الدرریر) مصر، دار المعارف
- \* شرح المجلة، الاتاسی (العلامة محمد خالد الاتاسی) پاکستان، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ

## ص

- \* صحیح مسلم، القشیری (ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری) باب المساقاة
- \* صحیح البخاری، البخاری (ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری) کتاب المساقاة

## ط

- \* الطبرانی الكبير، الطبرانی (سليمان بن احمد م ۳۶۰ھ)

## ع

- \* عقد الجواهر الثمينة، ابن شاس (جلال الدين عبد الله بن نجم ابن شاس المتوفى ۶۱۶ھ) دار الغرب الإسلامي، طبع اول ۱۴۱۵ھ
- \* عزيز الفتاوى، مفتى عزيز الرحمن صاحب، کراچی، دار الاشاعت کراچی، طبع اول ص: ۶۳۶
- \* عطر الهداية، لکھنوی (بحر العلوم مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی) مکتبہ نشر القرآن دیوبند، یوپی، ہندوستان
- \* عقود التورید والمناقصة، مخطوطہ، جامعہ دارالعلوم کراچی
- \* العقود الدرية فی تنقیح الفتاوی الحامدية، شامی (علامة محمد امین المعروف بابن عابدین) بیروت، دار المعرفہ، طبع دوم

## ف

- \* فتاوی رشیدیہ، مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی

- \* فتاویٰ رضویہ، بریلوی (مولوی احمد رضا خان بریلوی) کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ کراچی
- \* فتح القدير شرح الهداية، ابن الهمام (الإمام محمد بن عبدالواحد بن الهمام) کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ
- \* فتوح البلدان، البلاذری، (احمد بن یحییٰ البلاذری) القاہرہ، مکتبۃ النهضة المصرية
- \* الفقه الإسلامی وادلته، الزحیلی (الدکتور وہبہ الزحیلی) بیروت، دار الفکر
- \* الفتاویٰ السعدیة، السعدی (الشیخ عبدالرحمن الناصر السعدی) السعودیة، الرياض، مکتبۃ المعارف، طبع دوم ۱۹۸۲ء
- \* الفتاویٰ العالمگیریة، جماعة من العلماء الكبار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، طبع دوم، ۱۴۰۲ھ
- \* الفتاویٰ الخانیة علیٰ هامش العالمگیریة
- \* الفروع لابن مفلح
- \* فقہی مقالات، عثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، میمن اسلامک پبلشرز کراچی ۱۹۹۲ء

## ق

- \* القاموس الفقہی لغة واصطلاحاً، سعدی ابو حبيب
- \* القوانین الفقہیة، الجزی (ابو القاسم محمد بن محمد احمد الجزی المالکی متوفی ۷۴۱ھ) بیروت، دار القلم، طبع اول ۱۹۷۷ء
- \* قرارات، قرار ۴/۳۱ جدة، السعودیة العربیة
- \* القاموس الإقتصادی، النجفی (حسن النجفی) بغداد، مدیریة مطبعة الإدارة المحلیة ۱۹۷۷م

## ک

- \* كشف الخفاء، الجراحی (اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی م ۱۱۶۳ھ) بیروت، مؤسسه الرسالة، طبع سوم ۱۴۰۳ھ (۱۶۳/۲)

- \* کنز الدقائق مع البحر، النسفی، الإمام ابو البركات عبداللہ بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفی المتوفى ۱۰۷۱ھ، بیروت، دار الکتب العمیة، طبع اول ۱۴۱۸ھ
- \* کتاب معاشیات، پروفیسر محمد منظور علی، طبع ۱۹۸۲ء علمی کتاب خانہ
- \* کغذی نوت اور کرنسی کا حکم، عثمانی (جنس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، میمن اسٹیمٹ پبلشرز، طبع اول ۱۹۹۳ء
- \* کتاب سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۱ء
- \* کنز العمال، المتقی (غلاء الدین عنی المتقی اہندی) عدد الحدیث ۲۶۶۹
- \* کشف الفقہ الفاہم فی احکام القراض والدرہم، بریوی (مولوی احمد رضا خان بریوی) لاہور، شبیر برادرز، اردو بازار لاہور
- \* کتاب الروایتین والوجهین لابی یعلیٰ
- \* کشف القناء، البھوتی (العلامة منصور بن یونس المتوفى ۱۰۵۱ھ) السعودية العربية، مطبعة الحكومة بمكة ۱۳۹۵ھ
- \* کتاب الکافی فی فقہ اہل المدینة المالکی، القرظی (ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمر القرظی) السعودية، الرياض، مكتبة الرياض الحديثية، طبع دوم ۱۴۰۰ھ
- \* الکافی، ابن قدامة المقدسی، بیروت، المكتب الإسلامی، طبع سوم ۱۴۰۲ھ (۱۲۵۲)
- \* کشف القناء عن متن الاقناء، البھوتی (منصور بن یونس البھوتی المتوفى ۱۰۲۶ھ) مكة المكرمة، مكتبة الحكومة ۱۳۹۵ھ

## ل

- \* لسان العرب، ابن المنصور متوفى ۱۱۷۱ھ، بیروت دار احیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۰۸ھ

## م

- \* مجمع الزوائد، الہیتمی (الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی م ۸۰۷ھ)  
بیروت، لبنان، دار الکتب، طبع دوم ۱۹۶۷ء
- \* مجلہ مجمع الفقہ الإسلامی، العدد السابع، ۲/۲۱۷، قرار رقم ۷/۲/۶۶ فقرہ ۳،  
بحوالہ "بحوث" فی قضایا فقہیہ معاصرۃ المجلد الثانی
- \* مجلہ مجمع الفقہ الإسلامی الدورۃ السادسة، العدد السادس، الجزء الثانی ص: ۷۲۵،  
قرار رقم ۶/۱۱/۷۶۲
- \* المعنی والشرح الكبير، ابن القدامة (عبدالله بن قدامة) السعودیة، مكتبة الرياض،  
۱۴۰۳ھ
- \* مجموع الفتاوى ابن تيمية (شيخ الإسلام احمد بن تيمية) السعودیة، مطابع الرياض،  
طبع اول ۱۳۸۳ھ
- \* مقدمة فی النقود والبنوك، الدكتور محمد زكى شافعى، بيروت، دار النهضة العربیة،  
طبع هفتم
- \* الموطا للإمام محمد رحمه الله، باب الرجل يكون له العطايا أو الدّين على الرجل فيبيعه
- \* المعايير الشرعية ص: ۱۵، ۱۴۲۱ھ هيئة المحاسبة والمراجعة، بحرین
- \* مجموعة الفتاوى ابن تيمية (شيخ الإسلام احمد بن تيمية) السعودیة، مطابع  
الرياض، طبع اول ۱۳۸۲ھ
- \* مغنى المحتاج، الشربيني (الشيخ محمد الشربيني الخطيب) بيروت، دار إحياء  
التراث العربی
- \* المدونة الكبرى، الاصبحي (الإمام مالك بن انس الاصبحي المتوفى ۱۷۹ھ)  
بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۵ھ
- \* المجموع شرح المذهب، النووي (الإمام ابو زكريا محي الدين بن شرف النووي)  
بيروت، دار الفكر

- \* المعیار المعرب، الونشریسی (احمد بن یحیی المتوفی ۹۱۴ھ) بیروت، دار الغرب الاسلامی ۱۴۰۱ھ
- \* مجمع الانهر فی شرح ملتقى الابحر، الشیخی زاده (العلامة عبدالرحمن بن محمد بن سمان المتوفی ۱۰۷۸ھ) بیروت، دار الکتب العلمیة، طبع اول ۱۴۱۹ھ (۱۶۱۳)
- \* مجلة مجمع الفقه الإسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۴۰۹ھ
- \* المتطلبات الشرعية لصیغة المراهجة للأمر بالشراء، بحرین (۱۶)
- \* معاشیات، حبیب الرحمن، مکتبه فریدی، اردو کالج اسپتال روڈ، طبع اول ۱۹۵۳ء
- \* معاشیات، پروفیسر محمد منظور عینی، لاهور، علمی کتب خانہ، حصہ دوم ص ۱۲۷
- \* معاشیات کے ابتدائی اصول، لاهور، قومی کتب خانہ، طبع سوم ۱۹۵۲ء ص ۲۶۴
- \* المعاملات المالية المعاصرة فی الفقه الإسلامی، الدكتور محمد عثمان شبیر، اردن، دار النفائس، طبع سوم ۱۴۱۹ھ
- \* مسلم، کتاب المساقاة
- \* مصنف عبدالرزاق
- \* المبسوط، السرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، دار المعرفة، ۱۴۱۴ھ
- \* مجموعة الفتاوى، لکهنوی (مولانا عبدالحی) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک
- \* مجلة البحوث الإسلامیة، العدد الاول من المجلد الاول
- \* مسئله سود (ص ۱۵) ادارة المعارف کراچی طبع جدید ۱۳۹۹ھ
- \* مستدرک حاکم، الحاکم، (محمد بن عبداللہ الحاکم م ۴۰۵ھ) بیروت، دار الکتب العلمیة ۱۴۱۱ھ
- \* مسند احمد بن حنبل
- \* مباحث العلة فی القیاس عند الاصولیین، الهیتی (عبدالحکیم عبدالرحمن السعد السعدی الهیتی العراقی) بیروت، لبنان، دار البشائر الإسلامیة، طبع اول ۱۴۰۶ھ
- \* المقدمات الممهديات ابن رشد المالکی (ابو الولید محمد بن احمد القرطبی م ۵۲۰ھ)

- \* المحلی، ابن حزم (ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم، م ۴۵۶ھ)  
(۴۶۸/۸) ادارة الطباعة المنيرية، مصر، طبع اول ۱۳۵۰ھ
- \* المغرب فی ترتیب المغرب، المطرزی (ابو الفتح ناصر الدین عبدالسید بن علی  
المطرزی المتوفی ۶۱۶ھ) بیروت، دار الکتب العربی
- \* موسوعة المصطلحات الإقتصادية والإحصائية، هیکل (الدكتور عبدالعزیز فهمی  
هیکل) بیروت، دار النهضة العربية ۱۹۸۰م

## ن

- \* نصب الراية، الزيلعي (العلامة جمال الدين ابو محمد عبد الله الزيلعي الحنفي  
المتوفی ۷۶۲ھ) لبنان، مؤسسة الريان، طبع اول ۱۴۱۸ھ
- \* النقود الانتمائية، العمر (ابراهيم بن صالح العمر) بیروت، دار العاصمة ۱۴۱۴ھ
- \* نسمات الاسحار علی المنار، الشامي (علامة ابن عابدين الشامي) کراچی، ادارة  
القرآن والعلوم الإسلامية، طبع سوم ۱۴۱۸ھ
- \* نیل الاوطار، الشوكاني (محمد بن علی بن محمد الشوكاني، م ۱۲۵۵ھ)
- \* نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، الرملي (شمس الدين محمد بن ابي العباس الرملي  
المتوفی ۱۰۰۴ھ) بیروت، إحياء التراث العربی

## ه

- \* الهداية مع الفتحة، المرغيناني (شيخ الإسلام برهان الدين ابو الحسن ابوبكر  
المرغيناني المتوفی ۵۹۳ھ) کوئٹہ، پاکستان، مکتبه رشیدیہ

## English Books

### A

- \* An Introduction to Islamic Finance

### E

- \* Encyclopaedia of Britannica V-3, p:722

### F

- \* Footnotes on Introduction to Economics Principles

### G

- \* Glossary: Banking and Finance. English-English-Urdu. Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

### H

- \* The Historic Judgment on Interest, Usmani, (Justice Muhammad Taqi Usmani) Karachi, Idar-ul-Ma'arif, 1st edition, 2000 A.D

### I

- \* Introduction to Economics Principles, Dr. A. N. Agarwal, Kitab Mahal, 1983

### M

- \* Modern Economics Theory, Dewett, Kewal, Krishan, India Delhi, Eighteen revised edition, 1983, p:409

N

- \* The New Encyclopaedia Britannica v:10, p:595

S

- \* Shari'a Standards 1423 AH. 2002, Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions

T

- \* The Theory of Money and Credit. Mises, Ludwig Von Mises





تکافل کی  
شرعی حیثیت  
مروجہ دانشور نس کاجا متبادل

ڈاکٹر مولانا حضرت اند صاب

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی



پاکستان قلم نویس اور جنرل تکافل

انوار العجا رب و جراحی